قانون تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کی مکمل کارروائی

قانون توہین رسالت ﷺ (295/C) پارلیمنٹ سے کب، کیوں اور کیسے منظور ہوا؟

اب اس قانون کو ختم اور غیر مؤثر کرنے کے لیے پس پردہ کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں؟

چشم کشا انکشافات اور ہوش رُبا اکتشافات سے بھرپور ایمان افروز دستاویز



ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

دہد حق عشقِ احمد(ﷺ) بندگان چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہدشہ، بادۂ نو شیدۂ خود را

اللہ تعالیٰ حبِ احمدﷺ اپنے خاص بندوں کو عطا
فرماتے ہیں کہ بادشاہ اپنی پی ہوئی شراب، خاص
شخصیتوں کو دیا کرتا ہے۔

....

شکرِ خدای کن کہ موفق شدی بخیر
ز انعام و فضل او نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمت سلطاں ھمی کنی
منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت
(شیخ سعدیؒ)

اللہ کا شکر کر کہ تجھے بھلائی کی توفیق ہوئی
اُس نے اپنے انعام اور فضل سے تجھے بیکار نہیں چھوڑا
تو اس پر احسان نہ جتا کہ بادشاہ کی خدمت کرتا ہے
تو اس کا احسان سمجھ کہ تجھے خدمت میں لگا رکھا ہے

قانون تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منظور کیے جانے کی مکمل کارروائی

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (295/C) پارلیمنٹ سے کب، کیوں اور کیسے منظور ہوا؟
اب اس قانون کو ختم اور غیر مؤثر کرنے کے لیے پس پردہ کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں؟
چشم کشا انکشافات اور ہوش رُبا اکتشافات سے بھرپور ایمان افروز دستاویز

ترتیب و تحقیق
محمد متین خالد

عِلم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
37223584، 37232336، 37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers@hotmail.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

ترتیبِ عنوانات

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

متفرقات

اِنتساب

آبروئے اسلامیانِ پاکستان، مجاہدہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ، عفت مآب

محترمہ آپا نثار فاطمہؒ

کے نام

جنہوں نے

- سب سے پہلے پارلیمنٹ میں قانونِ توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کی قرارداد پیش کی۔
- اہم اسلامی قوانین کے نفاذ میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔
- اسلام مخالف این جی اوز کے خلاف بھرپور تحریک چلائی۔

؎ آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر اہم تاریخی کام

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :**النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم۔** (احزاب:6) ''مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے، اس سے زیادہ اس کی جان پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق ہے''۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنی محبت، امت پر فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ عزیز تر نہ ہو جاؤں''۔ (بخاری ومسلم)

سید الانبیا خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے بارے مذکورہ دو ارشادات سند ہیں۔ دنیا کا ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی حضور سرور دوعالم ﷺ کی ذرہ برابر گستاخی برداشت نہیں کرسکتا، آپ ﷺ کی ناموس کے تحفظ کی خاطر وہ اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ سے یہ محبت امتِ محمدیہؐ کے ہر فرد میں موجود ہے۔ بدقسمتی سے امت محمدیہؐ کے دلوں سے اس محبت کو کم کرنے اور خاتم النبیین ﷺ سے اپنی عداوت کا اظہار کرنے کے لیے کچھ بدبخت وقتاً فوقتاً گستاخانہ مذموم حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان مذموم حرکتوں کا سلسلہ اگرچہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہی سے شروع ہو گیا تھا جس کے خلاف ہر دور میں عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ نے گستاخوں کو بھرپور سبق سکھایا۔ لیکن جدید گلوبلائزیشن دور میں گستاخوں کی نہ صرف پشت پناہی کی جا رہی ہے بلکہ ان کی بھرپور معاونت بھی کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ''آزادی اظہار رائے اور فریڈم آف سپیچ'' کی خوشنما اصطلاحات کی آڑ میں مقدس شخصیات بالخصوص حضور رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کو آزادی اظہار رائے کا علمبردار گردانا جا رہا ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ پاکستان جو نظریہ اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا، وہاں بھی بعض بدبخت

لوگ، حضور خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی نہ صرف وکالت کرتے نظر آتے ہیں بلکہ گستاخی کو روکنے کے لیے بنائے گئے ''قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ (295/C)'' کے خلاف بے جا اعتراضات کا سہارا لے کر اس قانون کو ختم کروانے کے لیے مہم چلاتے ہیں۔

ہمارے محترم جناب محمد متین خالد صاحب کی زندگی ناموسِ رسالت ﷺ اور ختم نبوت ﷺ کے تحفظ میں گزر گئی۔ آپ نے درجنوں کتابیں، آرٹیکلز اور بے شمار لیکچر اور تقاریر میں نہ صرف ختم نبوت ﷺ کا مستند دلائل کے ساتھ بھرپور دفاع اور تحفظ کیا، بلکہ جب کبھی ناموس رسالت ﷺ اور ختم نبوت ﷺ کے خلاف شکوک وشبہات ڈالنے کی کوششیں ہوئیں، آپ نے بھرپور علمی، تحقیقی اور مضبوط دلائل کے ساتھ تعاقب کیا، یہ سلسلہ آج تک الحمدللہ جاری وساری ہے۔ ''قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ'' کے نام سے آپ کی یہ نئی کتاب آپ کی جدوجہد، محنت، ختم نبوت ﷺ اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ اور دفاع کا بھرپور ثبوت ہے۔ ناموسِ رسالت ﷺ پر یہ اہم تاریخی کام ہے۔ آپ نے پہلی بار تعزیراتِ پاکستان میں موجود قانون تحفظِ ناموس رسالت ﷺ (295/C) کے حوالے سے قومی اسمبلی کی مکمل کارروائی مع پسِ منظر اور اصل تاریخ کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں موضوع کی مناسبت سے چند اہم مضامین کو شامل اشاعت کیا گیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت وافادیت مزید دو چند ہوگئی ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف کی طرح ان شاء اللہ آپ کی یہ نئی تصنیف بھی نفع بخش اور مفید ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے مخدوم جناب محمد متین خالد صاحب کے اس عظیم اور اہم تاریخی کام کو اللہ تعالیٰ قبول اور نافع بنائے۔ آپ کو اس عظیم کام پر اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی زندگی میں برکت عطا کرے تاکہ آپ کا قلم ختم نبوت ﷺ اور ناموس رسالت ﷺ جیسے عظیم کاموں کے دفاع اور تحفظ میں استعمال ہوتا رہے۔ آمین!

غلام نبی مدنی (مدینہ منورہ)
gmadnig@gmail.com

زندہ تحریر

حضور نبی کریم ﷺ سے لامحدود محبت اور غیر مشروط وفاداری ہمارے ایمان کی بنیاد اور اساس ہے۔اس مرکزی ایمانی نکتے کو حضرت علامہ اقبالؒ نے اس رنگ میں بھی بیان کیا ہے:

مغز قرآن، روح ایماں، جاں دین
ہست حب رحمۃ للعالمین ﷺ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر مسلمان اپنے آقا و مولا حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام و منصب اور عزت و ناموس کے تحفظ کے حوالے سے بے حد حساس اور جذباتی ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ اس عقیدے اور والہانہ طرز عمل کی یہ کہتے ہوئے تائید و حمایت کرتے ہیں۔

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ ﷺ

یعنی اے امتی! تیرے آقا و مولا ﷺ کی عزت و ناموس پر اگر کوئی بدبخت زبان درازی کرے اور ابلیسی دانش استعمال کرنے لگے تو جواباً دیوانہ ہو جا کہ تیرے ایمان کے تحفظ کا تقاضا یہی ہے۔اس موقع پر اپنی عقل قربان کر دے کہ اس کے کثیر پہلو عقل انسانی سے ماورا اور اس کی رسائی سے باہر ہیں اور وہاں عقل کی فرزانگی نہیں بلکہ عشق کی دیوانگی کام آتی ہے۔ پھر یہ دعا بھی مانگنی چاہیے:

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر

حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کا تحفظ ہر مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ بلاشبہ یہ ایسی عظیم نیکی ہے جس کی قبولیت میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔ اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ اسے حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا خصوصی قرب

حاصل ہو اور اس پر اللہ رب العزت کی خاص رحمتوں کا نزول ہو تو اسے اپنی اس ذمہ داری کو کما حقہ ادا کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس اس اہم ذمہ داری سے معمولی سا انحراف یا بے توجہی رحمت الٰہی اور شفاعت نبوی ﷺ سے محرومی کا سبب بن جاتی ہے اور نیک اعمال کی ساری پونجی ضائع ہو جاتی ہے۔

قرآن وسنت میں گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔ **1986**ء میں اسلام آباد میں توہین رسالت کا ایک واقعہ پیش آیا تو انکشاف ہوا کہ تعزیرات پاکستان میں گستاخ رسول کی کوئی سزا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قومی اسمبلی میں آواز اُٹھائی گئی جس کے نتیجہ میں پارلیمنٹ سے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا قانون منظور ہوا جس پر بعد ازاں اعلیٰ عدالتوں نے بھی مہر تصدیق ثبت کی۔ یہ قانون کس طرح منظور ہوا، اس کی مکمل روداد اس کتاب میں موجود ہے۔ عالمی طاغوتی، ابلیسی، سامراجی، صیہونی، صلیبی، قادیانی اور دیگر لادینی تخریبی قوتیں اس قانون کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ یاد رکھیے! مسلمانوں نے جس دن اس پر سمجھوتہ کر لیا، واللہ! وہ ان کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان کو پوری ایمانی قوت کے ساتھ تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر کڑا پہرا دینا چاہیے کہ یہی اس کی اصل ڈیوٹی ہے۔

تحفظ ناموس رسالت کے محاذ پر نمایاں مقام رکھنے والے جناب محمد متین خالد کی خدمات قابل رشک ہیں۔ ان کے کارنامے مختلف النوع ہیں جن کے حوالے سے موصوف کی شخصیت جہت کثیر کی حامل دکھائی دیتی ہیں۔ اس اہم موضوع پر ان کی درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر تالیف اپنے موضوع پر بے حد تحقیقی اور معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت چشم کشا بھی ہے اور دلچسپ بھی، جو قاری کے ذوق مطالعہ کو مہمیز کرتا ہے۔ امید واثق ہے جناب محمد متین خالد کی یہ تحقیقی کاوش بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں شرف قبولیت کا باعث بنے گی اور اسے تمام علمی حلقوں میں تحسین کی نظر سے بھی دیکھا جائے گا۔

اللہ کرے یہ مرحلہ شوق نہ ہو طے

محمد نوید شاہین

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

دل کی بات

تحفظ ناموس رسالت ﷺ دین اسلام کی اساس ہے اور پوری امت مسلمہ کی روح بھی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کا تحفظ ہر مسلمان کا اولین فرض ہے اور اپنے اس فرض کی انجام دہی کے لیے وہ ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ ملت اسلامیہ کا ہر فرد تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر مر مٹنا اپنی سعادت ہی نہیں بلکہ اسے اپنے لیے حیات جاوداں بھی سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کی یہ قیمتی متاع دشمنان اسلام کی آنکھوں میں ہمیشہ کھٹکتی رہتی ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے محبت رسول ﷺ کی روشن شمع گل کر دی جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی کل کائنات، ان کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز اور ان کی اخروی شفاعت کا واحد اور آخری سہارا صرف اور صرف ذات محمد ﷺ ہے۔ ان کا مشن ہے کہ مسلمانوں کے پر کیف بدن سے ''روح محمد ﷺ'' نکال کر انہیں بے روح کر دیا جائے، ان کے سینوں میں محبت رسول ﷺ کی شمع بجھا دی جائے، ان کے دلوں سے احترام نبی ﷺ کا جذبہ ختم کر دیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی محاذ پر مسلمانوں سے مقابلہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے یہ ملعون گاہے گاہے امت مسلمہ کی غیرت وحمیت کا ٹیسٹ لیتے رہتے ہیں، تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ مسلمان اپنے نبی کی ناموس کے مسئلہ پر کتنے غیرت مند ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص خواہ وہ کسی بھی نبی کی امت میں سے ہو، اگر اپنے نبی کی توہین سن کر خاموش رہتا ہے اور اس پر اپنا ردعمل ظاہر نہیں کرتا، تو ایسا شخص اپنے نبی کی امت سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ بات ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو کان کھول کر سن لینی چاہیے اور جان لینی چاہیے کہ جس دن امت محمدیہ ﷺ نے ملا ازم، بنیاد پرستی، رجعت پسندی اور تاریک خیالی کے طعنوں کے خوف سے کسی بھی شخص کی

طرف سے شان رسالت ﷺ میں کی گئی گستاخی کو روشن خیالی، ترقی پسندی یا روا داری کے ہیضہ میں مبتلا ہو کر برداشت کر لیا، اس پر آنکھیں بند کر لیں، اس پر کسی مصلحت کو غالب کر لیا، جان، مال، عزت اور رشتہ و تعلق کو ناموس رسول ﷺ پر ترجیح دے دی، خاکم بدہن وہ دن امت مسلمہ کی زندگی کا آخری دن ہوگا، خدا کی رحمتیں اور برکتیں روٹھ جائیں گی۔ اجتماعی مصیبتوں اور پریشانیوں کا ایک طوفان عذاب الٰہی کی صورت میں اُمڈ آئے گا اور دل کی آنکھیں رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس کے آثار (انفرادی اور اجتماعی) شروع ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ایسے وقت سے محفوظ رکھے۔

مئی **1986**ء میں ویمن ایکشن فورم کی چیئرمین عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار میں شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف نہایت توہین آمیز الفاظ استعمال کیے جس پر پورے ملک میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ پوری قوم سراپا احتجاج بن گئی مگر حکومت نے عاصمہ جہانگیر کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کی۔ عاصمہ جہانگیر کی اس دریدہ ذہنی کے خلاف ملک بھر میں سب سے پہلے جس مجاہدہ نے بھرپور آواز اٹھائی، وہ آواز دینی غیرت وحمیت سے سرشار ممبر قومی اسمبلی محترمہ آپا نثار فاطمہؒ کی تھی۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اسمبلی میں بھی پوری قوت کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور تحریک استحقاق پیش کی۔ اس کے جواب میں حکومتی بنچوں کی طرف سے کہا گیا کہ عاصمہ جہانگیر کی اس حرکت سے چونکہ مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی ہے، لہٰذا تعزیرات پاکستان کی دفعہ **298** کے تحت عاصمہ جہانگیر کے خلاف مقدمہ درج ہوسکتا ہے، جس کی سزا ایک سال قید ہے۔ یعنی ان کے نزدیک ایک عام آدمی کی توہین اور حضور سرور کائنات، امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی شان اقدس میں توہین یکساں ہے۔ (نعوذ باللہ)

قرآن وسنت میں گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت تعزیرات پاکستان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں توہین کی کوئی سزا نہیں تھی، اس لیے عاصمہ جہانگیر کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ ہوسکی۔ اس نازک

صورت حال میں تحفظ ناموس رسالت کی مجاہدہ محترمہ آپا نثار فاطمہؒ نے ہمت مردانہ سے کام لیتے ہوئے قومی اسمبلی میں تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت ﷺ کی سزا شامل کرنے کا ایک بل پیش کیا جس میں توہین رسالت ﷺ کی اسلامی سزا، سزائے موت تجویز کی گئی۔ 7 دن کی طویل بحث کے بعد 9 جولائی 1986ء کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیا۔ تعزیرات پاکستان کی دفعات میں نیا اضافہ کرتے ہوئے 295 سی کے تحت حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کرنے والے ملزم کو موت یا عمر قید کی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ یکم اکتوبر 1986ء کو ایوان بالا یعنی سینیٹ نے بھی اس قانون کو متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ یوں پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق تعزیرات پاکستان میں قانون توہین رسالت ﷺ 295 سی کا نیا اضافہ ہوا جو مندرجہ ذیل ہے۔

295-C. Use of derogatory remark etc., in respect of the Holy Prophet. whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace by upon him) shall be punished with death or imprionment for life, and shall also be liable to fine.

دفعہ 295 سی: رسولِ پاک کے لیے اہانت آمیز الفاظ کا استعمال

''کوئی شخص بذریعہ الفاظ زبانی، تحریری یا اعلانیہ، اشارتاً، کنایتاً، بہتان تراشی کرے اور رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی بے حرمتی کرے، اسے سزائے موت یا سزائے عمر قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔''

1987ء میں سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ جناب محمد اسماعیل قریشی نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک پٹیشن دائر کی کہ قومی اسمبلی اور سینیٹ نے قانون توہین

رسالت منظور کرتے ہوئے تعزیرات پاکستان میں 295 سی کا اضافہ کیا۔ یہ دفعہ اس لیے قابل اعتراض ہے کہ اس میں ملزم کو دی جانے والی متبادل سزا، سزائے عمر قید ان احکامات اسلامی کے خلاف ہے جو قرآن مجید اور سنت رسول کریم ﷺ میں دیئے گئے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں کسی قسم کی کوئی بے ادبی یا اہانت آمیز بات شرعی حد کے دائرہ میں آتی ہے اور اس کی سزا میں حکومت ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ بھی سوئی کے نوک کے برابر کوئی تبدیلی یا ترمیم کرنے کا اختیار نہیں رکھتی اور یہ نا قابل معافی جرم ہے۔ لہٰذا تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی میں درج سزا ''یا عمر قید'' کو ختم کیا جائے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت یکم اپریل 1987ء کو شروع ہوئی جس میں تمام مکاتب فکر کے علما کو بھی معاونت کی دعوت دی گئی۔ مختلف اوقات میں اس کیس کی کئی روز تک سماعت ہوتی رہی۔ چنانچہ 30 اکتوبر 1990ء کو وفاقی شرعی عدالت نے متفقہ طور پر مذکورہ پٹیشن منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کی متبادل سزا ''سزائے عمر قید'' کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا اور حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295 سی سے حذف کیا جائے، جس کے لیے 30 اپریل 1991ء کی مہلت حکومت کو دی گئی۔ مزید کہا گیا کہ اگر 30 اپریل 1991ء تک ایسا نہ کیا گیا تو ''یا عمر قید'' کے الفاظ دفعہ 295 سی تعزیرات پاکستان سے اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے جو نفاذِ اسلام اور قرآن وسنت کے قانون کی بالادستی کا منشور دے کر برسر اقتدار آئی تھی، سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس پر پورے ملک میں حکومت کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ وزیر اعظم پاکستان نے عوامی احتجاج کے پیش نظر برسر عام اعلان کیا کہ اس اپیل کا انہیں قطعی علم نہیں تھا، ورنہ ایسی غلطی کبھی سرزد نہ ہوتی اور اس جرم کی سزائے موت بھی کم تر سزا ہے، چنانچہ حکومت نے یہ اپیل سپریم کورٹ سے فوری طور پر واپس لے لی، جس کے بعد بفضل تعالیٰ اب پاکستان میں توہین رسالت ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت حتمی اور قطعی طور پر جاری ہو چکی ہے۔ اب تمام قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد جرم ثابت ہونے پر توہین رسالت کے

مرتکب کو سزائے موت دی جائے گی۔

ہمارے ہاں بعض لوگوں کو مختلف مذہبی و سیاسی کامیابیوں کے سلسلہ میں بغیر کسی کوشش کے مفت میں کریڈٹ لینے کا جنون ہوتا ہے۔قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کے بعد بڑے بڑے جگادری یہ دعویٰ کرنے لگے کہ یہ قانون صرف انہی کی کوششوں سے منظور ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ اس سے ایک طرف اپنی ناکامیوں پر پردہ پڑ جائے گا اور دوسری طرف تاریخ بھی مسخ ہو جائے گی۔ ایسے بزرجمہروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ تاریخ ایک ایسی تحریر ہے جس کے ساتھ سچائی کا ہونا لازم ہے۔ اگر وقتی مصلحتوں اور تقاضوں کے تحت حقائق کو دبایا یا موڑا جائے تو وہ تاریخ نہیں بلکہ کاغذ کے معمولی صفحات ہوتے ہیں جن پر کچھ لکھ دیا گیا ہو۔ تاریخ کا حلیہ بگاڑنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اصل تاریخ کا علم ہی نہیں ہوتا۔

قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کی مکمل کارروائی شائع کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ حقیقت تاریخ کا حصہ رہے کہ اس سلسلہ میں قومی اسمبلی میں کس نے کیا اور کتنا کردار ادا کیا، کس نے حمایت کی، کس نے مخالفت کی اور کس نے مجرمانہ خاموشی اختیار کی؟ اس سلسلہ میں کتاب کے آخر میں متعلقہ قومی اسمبلی کے ان تمام ممبران کے ناموں کی مکمل فہرست بھی دے دی گئی ہے جن کی موجودگی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور ہوا، تاکہ کوئی تلبیس، اشتباہ یا مغالطہ باقی نہ رہے۔

کتاب کا دوسرا باب ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ کے موضوع پر نہایت نادر و نایاب اور علمی و تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ سے قاری کو نہ صرف سیر حاصل معلومات ملیں گی بلکہ وہ اس موضوع سے متعلقہ دیگر کتب سے بھی بے نیاز ہو جائے گا۔

معروف کالم نگار، اینکر پرسن اور عبقری شخصیت کے مالک برادر عزیز جناب غلام نبی مدنی اور وکیل تحفظ ناموس رسالت ؐ جناب محمد نوید شاہین ایڈووکیٹ کی گرانقدر تقاریظ نے اس کتاب کی خوبصورتی میں بے حد اضافہ کیا۔ میں اس کرم فرمائی پر ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

میں بے مایہ اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ آپ پوری کتاب پڑھ کر کریں گے۔ کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے آپ کی قیمتی تجاویز اور آرا کا منتظر رہوں گا۔

محمد متین خالد
لاہور
mateenkh@gmail.com

حرفِ سپاس

بین الاقوامی صحافی، مبصر، تجزیہ نگار اور میرے انتہائی مہربان دوست (جنہوں نے مجھے اپنا نام نہ لکھنے کی درخواست کی ہے) کا بے حد شکریہ جنہوں نے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے سلسلہ میں قومی اسمبلی اور سینٹ آف پاکستان کی متعلقہ کارروائی بھجوائی۔ حقیقت بات یہ ہے کہ اگر وہ یہ علمی تعاون نہ کرتے تو شاید کتاب مکمل نہ ہوتی۔ ان کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان کے علاوہ جناب علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری، جناب چوہدری اشتیاق احمد خاں ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، جناب پروفیسر ڈاکٹر حامد رضا، جناب محمد فرقان، جناب جبار مرزا، جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید، جناب عبدالرؤف، جناب محمد احمد ترازی، جناب سلیم منصور خالد، جناب پروفیسر جمیل احمد عدیل، جناب محمد آصف بھلی ایڈووکیٹ، جناب شیخ سجاد حسین ایڈووکیٹ، جناب عرفان جعفر خاں، جناب شیخ شاہد محمود، جناب غلام یٰسین ملک، جناب محمد طیب قریشی ایڈووکیٹ، جناب اسداللہ ساقی اور جناب صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری کا خصوصی طور پر شکرگزار ہوں جنہوں نے کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ میں ان سب حضرات کی ہر مرحلہ زندگی میں کامیابی کے لیے دعا گو ہوں!

گو اور بھی گل رو ہیں مرقع میں جہاں کے
لیکن تیری صورت کا سبھوں سے ہے جدا رنگ

قانون تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قانون توہین رسالت ﷺ

قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کی مکمل کارروائی

Volume II
No. 7

NAP. II(7)/86
400

THE
NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN

DEBATES

OFFICIAL REPORT

Wednesday, the 4th June, 1986

(2nd Session of 1986)

(Volume II contains Nos. 1 to 29)

CONTENTS

PAGES

PRINTED BY THE MANAGER, PRINTING CORPORATION OF PAKISTAN PRESS, ISLAMABAD
PUBLISHED BY THE MANAGER OF PUBLICATIONS, KARACHI.

پرویلیج موشن نمبر ۲۱، شیخ رشید احمد (ایوان میں موجود نہیں تھے) پریویلیج موشن نمبر ۲۲، بیگم نثار فاطمہ۔

DEROGATORY REMARKS AGAINST THE HOLY PROPHET

بیگم نثار فاطمہ زہرا: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں تحریک استحقاق پیش کرتی ہوں کہ ۱۷ مئی کی شام کو اسلام آباد ہوٹل میں ویمن ایکشن فورم کے تحت ایک سیمینار میں عاصمہ جیلانی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے اور پوری قوم کو شرمندہ کیا۔ یہ خواتین کی وہ تنظیم ہے جس نے سڑکوں پر نکل کر اسلامی احکامات کے خلاف مظاہرے کئے جلوس نکالے، علماء کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ آخر حکومت ان خواتین کے معاملے میں کیوں اتنی نرم رو ہے۔ میرا مطالبہ ہے کہ اس تنظیم کو کالعدم قرار دیا جائے اور ایسی کسی بھی قوت کو ابھرنے نہ دیا جائے۔ اگر یہ فعل کوئی غیر مسلم کرتا تو ہماری تعزیرات فوراً حرکت میں آتی۔ کیا ہم مسلمان کہلاتے ہوئے ہمیں اس طرح کی حرکتوں کی اجازت ہے؟ اس خاتون کو تعزیرات کے مطابق سزا دی جائے۔

Mr. Speaker: Honourable Minister of State for Justice.

وزیر مملکت برائے عدل و پارلیمانی امور (میر نواز خان مروت): جناب والا۔ جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا تعلق ہے کوئی مسلمان اس کو برداشت کرنا تو درکنار اس کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ کجا ان کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا۔ اگر ایسی کوئی بات ہو تو اس میں نہ حکومت اور نہ آئی پی جی اور نہ اس کا کوئی فاضل ممبر اس کی تائید کر سکتا ہے یا حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔ ہمارے اس ملک کی اساس ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خداوند تعالیٰ کے احکامات ہیں۔ جہاں تک کسی سیمینار کا تعلق ہے ٹیکنیکل گراؤنڈ پر تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس ہاؤس کا کنسرن نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کروں گا اس کا بہانہ نہیں تراشوں گا اور نہ اس کا کوئی سہارا لوں گا کیونکہ نبی کی ذات سے وہ وابستہ ہے۔ میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ یہ ایک تعزیری جرم ہے۔ تعزیرات پاکستان میں اس کے لئے ایک دفعہ

4 جون 1986ء

(سپیکر قومی اسمبلی جناب حامد ناصر چٹھہ کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا۔)

تلاوتِ قرآن مجید

پریویلج موشن نمبر 34، بیگم نثار فاطمہ۔

DEROGATORY REMARKS AGAINST THE HOLY PROPHET

بیگم نثار فاطمہ زہرا: اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ میں تحریک استحقاق پیش کرتی ہوں کہ 17 مئی کو شام کو اسلام آباد ہوٹل میں وومین ایکشن فورم کے تحت ایک سیمینار میں عاصمہ جیلانی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت نازیبا الفاظ استعمال کیے اور پوری قوم کو شرمندہ کیا۔ یہ خواتین کی وہ تنظیم ہے جس نے سڑکوں پر نکل کر اسلامی احکامات کے خلاف مظاہرے کیے، جلوس نکالے، علما کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ آخر حکومت ان خواتین کے معاملے میں کیوں اتنی نرم رو ہے۔ میرا مطالبہ ہے کہ اس تنظیم کو کالعدم قرار دیا جائے اور ایسی کسی بھی قوت کو ابھرنے نہ دیا جائے۔ اگر یہ فعل کوئی غیر مسلم کرتا تو ہماری تعزیرات فوراً حرکت میں آتی۔ کیا ہم مسلمان کہلاتے ہوئے ہمیں اس طرح کی حرکتوں کی اجازت ہے؟ اس خاتون کو تعزیرات کے مطابق سزا دی جائے۔

Mr. Speaker: Honourable Minister of State for Justice.

وزیر مملکت برائے عدل و پارلیمانی امور (میر نواز خان مروت): جناب والا، جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا تعلق ہے، کوئی مسلمان اس کو برداشت کرنا تو درکنار، اس کا تصور تک بھی نہیں کرسکتا۔ کجا ان کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا۔ اگر ایسی کوئی بات ہو تو اس میں نہ حکومت اور نہ آئی پی جی اور نہ

اس کا کوئی فاضل ممبر اس کی تائید کر سکتا ہے یا حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔ ہمارے اس ملک کی اساس ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خداوند تعالیٰ کے احکامات ہیں۔ جہاں تک کسی سیمینار کا تعلق ہے، ٹیکنیکل گراؤنڈ پر تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس ہاؤس کا کنسرن نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کروں گا۔ اس کا بہانہ نہیں تراشوں گا اور نہ اس کا کوئی سہارا لوں گا۔ کیونکہ نبی کی ذات سے وہ وابستہ ہے۔ میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ یہ ایک تعزیری جرم ہے۔ تعزیرات پاکستان میں اس کے لیے ایک دفعہ موجود ہے، اس کے تحت رپورٹ بھی لکھائی جا سکتی ہے۔ اگر کسی نے کوئی ایسا فعل کیا یا اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا ہو تو اس کے خلاف مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے اور شہادت کی رو سے اسے سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ جہاں تک یہاں کے رولز کا تعلق ہے، ان کے تحت تو یہ ہاؤس نہ کسی کو سزا دے سکتا ہے کیونکہ جب تعزیر میں جرم موجود ہو اور پھر ہر چیز کی باقاعدہ انکوائری ہونی چاہیے۔ اگر اس قسم کی کوئی ایسی چیز ہوئی ہے تو ہم اس کی باقاعدہ جانچ پڑتال کریں گے اور کبھی ایسے امر کی اجازت نہیں دیں گے، نہ حوصلہ افزائی کریں گے۔ نبی کی شان ہم سب کی اساس ہے۔

مولانا گوہر رحمٰن: پوائنٹ آف آرڈر: جناب یہ قابل تعزیر جرم ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ رپورٹ درج کی جائے تب کارروائی ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا اور شریعت کے احکامات کی خلاف ورزی کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ پولیس کو چاہیے، انتظامیہ کو چاہیے کہ از خود ملزمان کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ دائر کریں اور آپ کہتے ہیں کہ رپورٹ درج کراؤ حالانکہ آپ کی حکومت کا فرض ہے، حالانکہ اس سلسلے میں جناب وزیر اعظم بھی بیٹھے ہیں، آپ سب بزرگ بیٹھے ہیں، میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ یہ ایک واقعہ نہیں ہے جس کا بیگم صاحبہ نے ذکر کیا۔ لاہور کے بازاروں میں عورتوں کے جلوس نے ''شرعی عدالت'' مردہ باد کا نعرہ لگایا تھا۔ ''ملا ازم'' مردہ باد کا نعرہ لگایا۔ مگر ان خواتین کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ قرآن اور حدیث کے اندر لکھے ہوئے واضح احکامات کی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ توہین ہو رہی ہے اور آپ کہتے ہیں رپورٹ درج کراؤ۔ یہ قابل تعزیر جرم ہونا چاہیے۔

آپ سے عرض ہے کہ خود ان کو گرفتار کر کے مقدمہ دائر کریں۔

جناب میر نواز خان مروت: میں مولانا صاحب کے جذبات میں برابر کا شریک ہوں۔ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے۔ میرے خیال میں اس کو ذرا سمجھنے کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے میں نے عرض کی ہے کہ یہ قابل تعزیر جرم ہے۔ اس میں رپورٹ وہ بھی لکھوا سکتے ہیں، میں بھی لکھوا سکتا ہوں، کوئی بھی لکھوا سکتا ہے اور اگر کسی پولیس افسر کی موجودگی میں ہو تو چونکہ وہ جرم قابل دست اندازی ہے، وہ خود بھی رپورٹ لکھوا سکتا ہے جس کے سامنے یہ فعل ہوا ہو، یا یہ جرم سرزد ہوا ہو۔ میں نے یہ عرض کی ہے ابھی تو صرف ایک تراشے تک یا خبر تک موجود ہے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا ہے کہ ہم اس کا یہ کریں گے، ہم ان سے کہیں گے کہ آپ رپورٹ لکھوا دیں جس کے سامنے ہوا ہے۔ وہ کوئی بھی لکھوا سکتا ہے اور میں نے اس لیے عرض کی تھا کہ technically کا میں سہارا نہیں لیتا ہوں technically یہ پریولیج موشن نہیں ہے لیکن میں پھر بھی یہ عرض کروں گا کہ اگر ایسا فعل سرزد ہوا ہے تو بالکل اس کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے اور جس کے سامنے ہوا ہے، خواہ وہ حکومت کا کارندہ ہو یا کوئی اور پاکستانی ہو، وہ رپورٹ لکھا سکتا ہے۔ ریکارڈ پر تو کچھ آئے گا مقدمہ تب قائم ہوگا۔ میں نے یہ عرض کی ہے۔

جناب لیاقت بلوچ: پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا۔

جناب سپیکر: جی لیاقت بلوچ صاحب، پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب لیاقت بلوچ: جناب اسپیکر: اس تحریک استحقاق کے حوالے سے جس اہم مسئلہ کو پیش کیا گیا ہے، یہ ایک دفعہ کا عمل نہیں ہے۔ یہ بار بار کا ہے۔ کیا وزیر قانون اس سلسلے میں بتا سکتے ہیں کہ حکومت کا موقف کیا ہے؟ ان معاملات کے بارے میں اس کی کیا پالیسی ہے کہ اسلام کا سرعام مذاق اُڑایا جائے اور اس سلسلے میں حکومت کی مشینری حرکت میں نہ آئے تو کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ حکومت کی اجازت یا اس کی منشاء سے یہ کام ہو رہا ہے؟

جناب میر نواز خان مروت: حکومت کی یہ منشاء کبھی نہ رہی۔ ہم پہلے مسلمان ہیں، بعد میں پاکستانی ہیں اور بعد میں کچھ اور ہیں۔ حضور ﷺ کی شان میں

گستاخی کرنے والے کے بارے میں یہ ہے کہ اگر ہمارے سامنے کوئی کہے گا تو ہم برداشت نہیں کرسکیں گے۔ جو حضور ﷺ کا دشمن ہے جو حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے، میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں ہے، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

Mr. Speaker: I think, I will give my ruling on this. Before I give my ruling, I request the honourable Minister for Interior to use his good offices and ensure that a case is registered against the culprits. As regards the privilege motion, I am afraid, technically, it is inadmissible as this is hit by rules 66 and 68 (2). As such the privilege motion is ruled out of order.

14 جون 1986ء

جناب لیاقت بلوچ: جناب سپیکر، پوائنٹ آف آرڈر، مجھے صرف معلوم کرنا ہے کہ عید سے پہلے ایک تحریک استحقاق جو محترمہ نثار فاطمہ صاحبہ نے پیش کی تھی اور اس کی بنا پر آپ نے وزارتِ داخلہ کو حکم جاری کیا تھا کہ اس کے متعلق کیس رجسٹر کریں۔ مجھے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ وزارتِ داخلہ کی طرف سے اس پر کیا کارروائی کی گئی ہے۔ جو آپ نے ہدایت فرمائی تھی۔

جناب سپیکر: پہلی بات تو یہ ہے کہ

I would like the make it very clear that it was not ہدایات. It was merely conveying the sentiments of this august House to the Interior Minister that if an offence of that nature had been committed, the culprits must be brought to book. I had clearly ruled ایک تو یہ کلیئریفکیشن بڑی واضح ہے کیونکہ the motion technically is out of order. I am sure if you اس کے بعد کیا ایکشن ہوا ہے could see the Interior Minister, he will let you know I do not think we should bring that matter up at this point of time.

16 جون 1986ء

ALLEGED WRONG ANSWER TO ASSEMBLY QUESTION

شاہ بلیغ الدین: تحریک استحقاق ہے کہ کل بیگم نثار فاطمہ کی تحریک استحقاق کے جواب میں حکومت کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے تعزیرات پاکستان میں خصوصی دفعہ رکھی گئی ہے۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کے اسم گرامی کی تشریح کے ساتھ کوئی دفعہ گستاخی کے مرتکبین کے لیے تعزیرات پاکستان میں نہیں ہے۔ اس طرح اس مسئلے کے بارے میں تین غلط معلومات فراہم کر کے میرا، تمام ایوان کا اور مسلمانانِ پاکستان کا استحقاق و وقار مجروح کیا گیا ہے۔ آپ سے اجازت مطلوب ہے کہ میں تحریک استحقاق پیش کروں۔ جناب والا! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سلسلہ میں کچھ عرض کروں یا جناب وزیر قانون جواب دے دیں تو پھر میں کچھ عرض کروں؟

جناب سپیکر: میرا خیال ہے کہ اگر آپ وزیر قانون کو سن لیں تو بہتر ہو گا۔ اس کے ساتھ ایک اور تحریک استحقاق ہے لیاقت بلوچ صاحب کی on the same subject نمبر 49۔ آپ بھی اگر Move کر لیں تو بہتر ہوگا۔

جناب اقبال احمد خان: جناب پہلے اس کی copies عنایت فرمائی جائیں۔ تحریک کے متعلق بات میرے علم میں نہیں تھی اور یہ جس بیان کا حوالہ دے رہے ہیں، پہلے اس کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ بیان کس نے دیا تھا، اس کے بعد ہی بات ہو سکتی ہے تو میں یہ گزارش کروں گا کہ دونوں تحاریک کی کاپیاں دے دی جائیں۔ جس بیان کے بارے میں وہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ وہ بیان میں نے نہیں دیا۔ میں کل اس بیان کو بھی دیکھ لوں گا اور اس کے بعد اس کے مطابق گزارشات پیش کروں گا۔

جناب سپیکر: ویسے میرا خیال ہے کہ لیاقت بلوچ صاحب Move کر لیں

تو پھر ان دونوں کو اکٹھا take up کرلیں گے۔

جناب اقبال احمد خان: ٹھیک ہے جی، میں کل اس کی تحقیقات کرلوں گا کہ کس بیان کا حوالہ ہے پھر میں کل عرض کروں گا۔

جناب سپیکر: ٹھیک ہے جی۔

جناب لیاقت بلوچ: **بسم اللہ الرحمن الرحیم۔** جناب سپیکر: میں تحریک استحقاق پیش کرتا ہوں کہ کل وزیر مملکت برائے انصاف و پارلیمانی امور نے ایک تحریک استحقاق کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ تعزیرات پاکستان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف خصوصی طور پر ترمیم کی گئی ہے لیکن تعزیرات پاکستان میں ایسا نہیں ہے اور اس میں صرف خلفائے راشدین، امہات المومنین اور مذہبی جذبات کے متعلق ترمیم موجود ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا نہیں ہے۔ جناب اسپیکر! وزیر مملکت قانون و پارلیمانی امور نے ایوان کے سامنے صحیح حکمت عملی اختیار نہ کر کے ایوان کی صحیح راہنمائی نہیں کی۔ اس سے ایوان کا استحقاق مجروح ہوا ہے۔

جناب سپیکر: جی شکریہ جی۔ مولانا گوہر رحمٰن صاحب!

مولانا گوہر رحمٰن: اس سلسلہ میں میری بھی ایک تحریک استحقاق ہے اور میں شاہ بلیغ الدین صاحب کی تحریک کی تائید کرتا ہوں۔

17 جون 1986ء

یہ پریویلج موشنز ہیں نمبر 48، شاہ بلیغ الدین صاحب اور جناب لیاقت بلوچ صاحب نمبر 49، یہ آپ نے موو کردی ہیں اور اب آنریبل منسٹر آف سٹیٹ فار جسٹس جواب دیں گے۔

ALLEGED WRONG INFORMATION SUPPLIED BY MINISTER FOR JUSTICE

وزیر مملکت برائے عدل و پارلیمانی امور (جناب میر نواز خان مروت):
جناب سپیکر یہ دو تحاریک استحقاق ہیں جو فاضل اراکین نے پیش کی ہیں۔ نمبر 48 اور 49 میں دونوں کے الفاظ ذرا جناب کی خدمت اقدس میں عرض کروں۔

پہلے تو جناب میں ان فاضل محرکین کے جذبہ ایمان، حب اسلام اور حب رسول ﷺ کی قدر کرتا ہوں۔ جس جذبے کے تحت انہوں نے تحاریک پیش کی ہیں۔ یہ واقعی قابل تحسین ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی وابستگی اور عقیدت کا ثبوت ہے۔ بحیثیت ایک مسلمان کے، میں ان کے جذبات میں برابر کا شریک ہوں۔ چونکہ الفاظ میں میرے خیال میں تھوڑی سی سمجھنے یا سمجھانے میں غلطی محسوس ہو رہی ہے جب کہ میرے نزدیک ابھی بھی اس میں کوئی قانونی خلاء نہیں ہے۔ ان تحاریک میں ارشاد فرمایا گیا ہے جیسے تحریک نمبر 48 ہے، جیسے اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کل بیگم نثار فاطمہ کی تحریک استحقاق کے جواب میں حکومت کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے لیے تعزیرات پاکستان میں خصوصی دفعہ رکھی گئی ہے لیکن یہ جواب درست نہیں ہے۔ دوسری تحریک میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے لیے ایک خصوصی شق میں ترمیم کی گئی ہے لیکن تعزیرات پاکستان میں ایسا نہیں ہے۔

جناب والا! پہلے تو اس بیان کا میں حوالہ دوں کہ آیا اس قسم کے الفاظ کہے گئے ہیں یا نہیں، اس کے بعد میں اس کی وضاحت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آیا اس جرم کے لیے تعزیرات پاکستان میں کوئی دفعہ موجود ہے۔ اگر حضور ﷺ کی شان اقدس میں یا اسلام کے کسی رکن کے سلسلے میں یا کسی نبی کے سلسلے میں کسی بھی مسلمان کے جذبات کو یا کسی کے جذبات کو کوئی مجروح کرے تو کیا یہ ارتکاب جرم ہوتا ہے، اس کے لیے کوئی دفعہ موجود ہے، اس کی مزید میں وضاحت کروں گا۔ لیکن پہلے میں جناب کی اجازت سے وہ بیان پڑھ کر سنا دوں جو اس ایوان میں دیا گیا تھا۔

''جناب والا، جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا تعلق ہے، کوئی

مسلمان اس کو برداشت کرنا تو درکنار، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کجا ان کی شان اقدس میں گستاخی کرنا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی ہے تو اس میں نہ حکومت اور نہ ہی آئی پی جی اور نہ ہی اس ہاؤس کا کوئی فاضل ممبر اس کی تائید کر سکتا ہے یا حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔ ہمارے اس ملک کی اساس ہی نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور خداوند تعالیٰ کے احکامات ہیں۔

جہاں تک کسی سیمینار کا تعلق ہے، ٹیکنیکل گراؤنڈ پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ہاؤس سے کوئی کنسرن نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کروں گا، اس کا بہانہ نہیں تراشوں گا، اور نہ ہی اس کا کوئی سہارا لوں گا۔ یہ نبی ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے اور میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ ایک تعزیری جرم ہے۔ تعزیرات پاکستان میں اس کے لیے ایک دفعہ موجود ہے۔ یہی عرض کیا گیا ہے۔ اس کے تحت رپورٹ بھی لکھائی جا سکتی ہے اور کسی نے اگر کوئی ایسا فعل کیا یا اس سے کوئی فعل سرزد ہوا ہو تو اس کے خلاف مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے اور شہادت کی رو سے اسے سزا بھی دی جا سکتی ہے۔''

Concerned portion یہ ہے:

اب جناب والا! یہ کہا گیا تھا جیسے میں نے عرض کی کہ تعزیرات پاکستان میں اس کے لیے دفعہ موجود ہے۔ میں جناب کی اجازت سے اپنے بھائیوں کی خدمت اقدس میں عرض کروں گا۔ پھر آپ سے گزارش کروں گا کہ کیا وہ جرم بنتا ہے یا نہیں کہ اگر کوئی ہو۔ تعزیرات پاکستان میں دفعہ 295 اے۔

"Deliberate and malicious acts intended to outrage religious feelings of any class by insulting its religion or religious beliefs, - Whoever, with deliberate and malicious intention of outraging the religious feelings, of any class of the citizens of Pakistan, by words, either spoken or written or by visible representations insults or attempts to insult the religion or the religious beliefs of that class, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to two years, or with fine, or with both."

Apart from that, there is another section also and its provisions can also be invoked in the interpretation of law:

"298. Uttering words, ect., with deliberate intent to wound religious feelings. - Whoever, with the deliberate intention of wounding the religious feelings of any person utters any word or makes any sound in the hearing of that person or makes any gesture in the sight of that person or places any object in the sight of that person, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to one year, or with fine, or with both."

اب جناب والا! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اگر کوئی گستاخی کا مرتکب ہو اور ایک مسلمان وہاں بیٹھا ہو، کیا اس کے جذبات اس سے مجروح نہیں ہوں گے؟ کیا وہ برانگیختہ نہیں ہوگا؟ اگر حضور ﷺ پر وہ غیرت نہیں کرے گا تو وہ مسلمان اور کس چیز پر غیرت کرے گا؟ اور اگر اس سے جذبات مجروح ہوتے ہیں تو کیا ان دفعات کے زمرے میں وہ آتے ہیں یا نہیں؟ تو یہی کہا گیا تھا وہ الفاظ جو ان کی تحریک میں ہیں کہ دفعہ بڑھائی گئی ہے۔ وہ تو کہے بھی نہیں گئے تھے لیکن اگر وہ کہا بھی جائے **295** اے جو ہے تو یہ کوئی ایسی غلط بیانی نہیں ہے۔ میں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا ہوں۔ میں صرف یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت کی طرف سے کوئی غلط بیان نہیں دیا گیا۔ میں اس کا سہارا بھی لے سکتا تھا لیکن نبی ﷺ کے ساتھ وابستگی ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے کہوں گا یہ کائنات حضور ﷺ کی شان اور نام اقدس پر قربان ہو، یہ تو بہت معمولی چیزیں ہیں۔ دوسرے میں اس رول کا سہارا لے سکتا تھا کہ ایم این کول نے کیا کہا ہے۔ پارلیمنٹری پریکٹس میں صفحہ **234** پر کہ اگر وزیر کی طرف سے ایک ہوتا ہے۔ غلط بیانی اور ایک ہوتا ہے غیر صحیح بیان **Incorrect statement** اور **incorrect** اگر کوئی الگ ہے **false and wrong statement**

statement بھی ہوگا تو پریولیج موشن نہیں بنتا لیکن میں اس کا سہارا نہیں لوں گا۔ میں واقعات پرمبنی بات عرض کر رہا ہوں۔ اگر مجھ سے میرے بھائی ارشاد فرماتے تو میں اپنے لیے باعث افتخار سمجھتا، اس ثواب میں شریک ہو کر ان دفعات کی تشریح ان کے سامنے بھی کر سکتا تھا۔ باہر بھی اور ابھی میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے انہوں نے ایک موقع دیا تا کہ میں نبی ﷺ کے سلسلے میں چونکہ اس کا تعلق ہے، میں ابھی بھی عرض کرتا ہوں کہ ''قانون میں یہ دونوں دفعات available ہیں۔

ایک تحریک استحقاق میں یہ کہا گیا ہے، جو لیاقت بلوچ صاحب کا ہے غالباً، انہوں نے 298 اے کا حوالہ دیا ہے۔ صحیح دیا ہے، وہ ہے جناب والا! امہات المومنین کے متعلق، اہل بیت کے متعلق، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق یا خلفائے راشدین کے متعلق۔ وہ تو بعد کا سیکشن ہے۔ حضور ﷺ تو ایک منبع ہیں۔ جناب یہ سارے چشمے جو پھوٹتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے پھوٹتے ہیں۔ جب ان کی شان میں گستاخی کرنے والا بھی مرتکب ہوگا تو اس سے پہلے 295 اے اور 298 آتا ہے تو میرے خیال میں اس کے زمرے میں آتا ہے، حکومت کی طرف سے یہ کوئی غلط بیانی نہیں ہے اور یہ تعزیری جرم ہے اور ابھی بھی میں نے اس کی وضاحت کے لیے سزا موجود ہے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ تحاریک استحقاق غلط فہمی کی بنا پر یا اس پر مبنی ہوں۔ میری گزارش ہے کہ میرے ان الفاظ سے شاید ان کی تسلی ہوگئی ہو۔ ویسے تحریک استحقاق بنتی نہیں کیونکہ نہ کوئی غلط بیانی ہوئی ہے نہ deliberately ہے نہ incorrect statement ہے۔ میری یہی گزارش ہے۔

جناب سپیکر: جی شاہ بلیغ الدین صاحب! آپ اس کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گے؟ آپ اس کو پریس کرتے ہیں؟

شاہ بلیغ الدین: جناب والا! مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجیے، جناب والا! سب سے پہلے تو میں اپنے دوست مروت صاحب کی تعریف کروں گا اس تعلق سے کہ انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور مجھے یقین کامل ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس

کے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت نہ ہو کیونکہ ہمارے ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہوتی اگر ہمارے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت نہ ہو۔ مسئلہ جو یہاں میں نے اپنی تحریک استحقاق میں اٹھایا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ ہمیں یہ طمانیت دلائی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی تخصیص کے ساتھ تعزیرات پاکستان میں کوئی ایسی دفعہ ہے جس کی وجہ سے Cognizance کیا جا سکتا ہے۔ جناب والا اتفاق سے مجھے بھی کالج میں قانون کا طالب علم رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اور کچھ دنوں تک میں نے بھی لاء کی پریکٹس کی ہے، اس تعلق سے ہمارے سامنے تعزیرات پاکستان کی جو دفعات آتی ہیں، وہ 295، 298، 295 بی اور ان کے علاوہ ایک اور دفعہ ہے 123 بی۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ 298 اے میں خلفائے راشدین امہات المومنین کے واضح تذکرے کے ساتھ یہ چیز تعزیرات میں لائی گئی ہے کہ ان کی شان میں اگر گستاخی ہوگی تو یہ سزا ہے۔

جناب سپیکر: شاہ صاحب! اگر آپ ایڈمسبلٹی پر بات کریں تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔

شاہ بلیغ الدین: جناب والا! مجھے ذرا وضاحت کا موقع دیجیے گا، مہربانی کر کے۔

جناب سپیکر: وزیر مملکت نے بڑے واضح الفاظ میں آپ کو بتایا ہے کہ اس دن انہوں نے اپنی تقریر میں کیا کہا تھا۔ آپ اس کے بارے میں بتایئے کہ کیا اس کے باوجود آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا پریویلج موشن valid ہوگا آپ اس پر پریس کر رہے ہیں۔

شاہ بلیغ الدین: اگر آپ مجھ کو موقع دیں تو میں اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ 298 ایک عام سی دفعہ ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی آسکتی ہے۔ اس میں رام کی شان میں گستاخی بھی آسکتی ہے۔ اس میں کرشن کی شان میں گستاخی بھی آسکتی ہے، اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی آسکتی ہے، کسی مندر کو اگر توڑا جائے، اس کی بے حرمتی کی جائے تو وہ بھی آسکتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ محبت کا ثبوت دیا جاتا ہے، یہاں خلفائے راشدین کے تذکرے کے ساتھ آپ نے تعزیرات پاکستان میں

امنڈمنٹ کیا ہے تو آپ نے کس بنا پر یہ بات کہی کہ حضور سرور کائناتﷺ کی شان میں گستاخی کی جائے تو ایک عام سی دفعہ لگا دی جائے گی اور اس عام سی دفعہ کے نتیجے کے طور پر آپ لے سکتے ہیں یہ عام سی دفعہ نہیں، ہم نے جو سوال کیا تھا۔ ہمارا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ ہم کو یہ بتایا جائے کہ تعزیرات پاکستان میں جس طریقے سے خلفائے راشدین کا ذکر ہے، قرآن مجید کے سلسلے میں ذکر ہے، اور یہ 298 والی دفعہ جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں اس میں سزا تو دو سال ہے اور اگر پاکستان کے جھنڈے کا احترام نہ کیا جائے تو تین سال کی سزا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے تو تین سال کی سزا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول اقدسﷺ کی ذات گرامی کا مقام پاکستان کے جھنڈے کے مقابلے میں آپ کی نظروں میں کچھ بچا نہیں ہے اور یہ اضافہ نہیں کیا گیا ہے یہ ایک اور بات ہے لیکن اس قسم کے بہلاوے دینا اور یہ کہنا اور ان technicalities پر جانا کہ صاحب فلاں چیز تو مجموعی طور پر کور کر لیتی ہے، اس کے اندر ایک چیز آتی ہے۔

حضور سرور کائناتﷺ کی شان میں گستاخی کے لیے تعریزات پاکستان میں کوئی دفعہ نہیں ہے اور ہم کو جو طمانیت دی گئی تھی، اسے غلط بیانی قرار دیتا ہوں۔ میں اپنا موشن پریس کرتا ہوں اور میں یہ بات آپ کو واضح طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ اسلامی فقہ کا قطعی مسئلہ ہے، یہ تمام اکابرین کا اجماع ہے کہ اللہ کے آخری رسولﷺ کی شان میں اگر کوئی گستاخی کی جائے تو وہ موجب قتل ہوتا ہے اور یہاں جو گستاخی کی گئی، اس کے تمام الفاظ یہاں اخبارات میں آئے ہیں۔ حضور سرور کائناتﷺ کا مضحکہ اڑایا گیا، آپﷺ کو ان پڑھ کہا گیا، آپﷺ کو نابلد کہا گیا۔ بد بخت یہ نہیں جانتے کہ امی کا مطلب کیا ہے۔ امی کا مطلب یہ لیتے ہیں، امی کا مطلب تو حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہوتا ہے۔ بنوامین کی اولاد سے ہوتا ہے۔

جناب سپیکر: جی شاہ صاحب! جی شاہ صاحب!

شاہ بلیغ الدین: جناب والا! میں آپ سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنے جذبات کے اظہار کا موقع دیا جائے۔ جب مملکت پاکستان میں اس قسم کی باتیں

ہوتی ہیں اور اس باوقار ایوان میں ہم اس چیز کو لے آتے ہیں تو ہم کو بہلاوے دیئے جاتے ہیں کہ 298 کے تحت اس کا cognizance لیا جا سکتا ہے۔ میں قطعیت کے ساتھ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کے سلسلے میں کون سی دفعہ ہے؟ آپ نے بے شک غلط بیانی سے کام لیا، سرور کائنات ﷺ سے محبت کے باوجود اور آپ نے کہا ہے ایسی صورت موجود نہیں ہے۔

سورۃ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ جب میں نے تم کو پہلی وحی سے سرفراز کیا تو دست یمین سے تم نے لکھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ انبیا وحی سے سرفراز ہوتے ہیں اور علم لدنی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ وہ نابلد اور ان پڑھ نہیں ہوتے۔ آخر پر وحی حاوی ہوا کرتی ہے۔ یہ گستاخی اگر پاکستان میں ہوگی اور کچھ ایسے لوگ جو گم کردہ راہ اس قسم کی باتیں پاکستان میں کہیں گے اور ہمارے وزرائے قانون بیٹھ کر یہاں یہ انٹرپٹیشن دیں گے کہ صاحب! 298 میں ملا لیجیے۔ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ ایک دوائی کمپنی نے حضور سرور کائنات ﷺ کے بارے میں یہ چارج لگایا کہ آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ (معاذ اللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ خاکم بدھن، خاکم بدھن، اس کے باوجود اس میں ہاؤس نے کیا cognizance لیا؟ وزیر مملکت برائے امور خارجہ اس کو ڈیل کر رہے تھے۔ چند دنوں کے لیے اس مسئلے کو ٹال دیا گیا اور اس کے بعد چپکے سے جناب وزیر داخلہ نے کہا جی ہم cognizance لیتے ہیں اور بات ختم کر دیتے ہیں۔

ہمارے ریکارڈ پر چونکہ متواتر یہ چیزیں آ رہی ہیں۔ لہٰذا واضح طور پر مجھے یہ بتایا جائے۔ میں اپنے موشن کو پریس کرتا ہوں کہ تعزیرات پاکستان میں حضور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کے لیے، جیسے خلفائے راشدینؓ کی شان میں۔ جیسے امہات المومنینؓ کے بارے میں، ان کا مقام دوسرا ہے، ضمنی مقام ہے، اس منبع و مرکز ہدایت کے بارے میں کیا چیز ہے۔ تعزیرات پاکستان میں؟ اور کیا آپ کا اور میرا سر شرم و ندامت سے جھک نہیں جاتا۔ جب ہمارے سامنے یہ دفعہ آتی ہے کہ پاکستان کے جھنڈے کی اگر بے حرمتی کی جائے تو تین سال کی سزا ہے۔ جرمانہ بھی ہے۔ لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے مرتکب جو مرتد ہیں اور قابل قتل

ہیں، اسلامی مملکت میں اور مسلمانوں کی مملکت میں، ان کو آپ ڈھیل دیتے ہیں؟

جناب والا! میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے موقعہ دیا کہ میں اپنے جذبات کا اظہار کروں۔ میں جناب وزیر قانون سے اپنے اس قسم کے پوائنٹس کا جواب چاہوں گا۔

جناب سپیکر: جی مہربانی، تشریف رکھیے۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اپنی رولنگ دوں اگر اجازت دیں۔ جی، مولانا گوہر رحمٰن! آپ بھی کچھ فرمانا چاہیں تو۔

مولانا گوہر رحمان: جناب میں نے بھی پیش کی تھی۔ ہر ایک کو بولنے کا موقع دیجیے۔ اگر نہیں دیتے تو آپ کے پاس اختیار ہے، یہاں قائداعظم کے بارے میں تحریک استحقاق پیش ہوئی تھی۔

(مداخلت)

جناب سپیکر: اگر مجھے اجازت دیں مولانا! تو تھوڑی سی عرض کروں۔ ہمارے پاس ریکارڈ میں لیاقت بلوچ صاحب نے اور شاہ بلیغ الدین صاحب نے موو کیا تھا لیکن آپ نے بھی فرمایا تھا کہ میں نے بھی پیش کی ہوئی ہے۔

مولانا گوہر رحمان: شاہ بلیغ الدین صاحب نے جو پیش کیا تھا، اس میں میرا نام تھا دوسرے نمبر پر، تیسرا مظہر ندوی صاحب کا نام تھا۔ قواعد یہ ہیں کہ ہر ایک ممبر کو بولنے کا موقع ملتا ہے۔

جناب سپیکر: جی لیاقت بلوچ صاحب! آپ کچھ فرمانا چاہیں گے؟

جناب لیاقت بلوچ: جناب سپیکر! جناب شاہ بلیغ الدین صاحب نے بہت بہترین جذبات میں سب چیزوں کا اظہار کیا ہے اور میرا کہنا بھی یہ ہے کہ محترم وزیر قانون نے میری اس چیز کو تسلیم کیا ہے کہ جو میں نے موشن میں بات کی ہے، وہ انہوں نے کہی تھی اور وہ تعزیرات پاکستان میں موجود ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں یہ مطمئن کر دیا گیا کہ تعزیرات پاکستان کے اندر اس کی ترامیم کر دی گئی ہے اور اس کے تحت خصوصیت کے ساتھ اقدام کیا جا سکتا ہے۔

پھر جناب آپ کی طرف سے یہ بات کہی گئی کہ وزارت داخلہ اس سلسلے میں

ایکشن لے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے اندر ایک سیکولر طبقہ، ایک لادین طبقہ اس طریقے سے پاکستان کے اندر اسلام کے شعائر کا مذاق اڑاتا ہے اور پاکستان میں لوگوں کے اندر ایک خلجان پیدا کرتا ہے کہ اسلام کے سلسلے میں یوں ایک مضحکہ سا اُڑایا جائے۔ اس اعتبار سے یہ بات اپنی جگہ سامنے آتی ہے کہ حکومت صرف ایوان کے اندر محض لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے یہ راستہ تو اختیار کر لیتی ہے لیکن حقیقت میں وہ اقدام کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ محترم وزیر قانون نے جس پیارے جذبات کے اندر اپنا اظہار کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا لیکن اگر آپ اس دن کی ان کی پوری تفصیلات اٹھا کر دیکھ لیں اور اس تحریک استحقاق کو اُٹھا کر دیکھ لیں تو اس میں یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ وہ بات صحیح نہیں کہی گئی تھی، اس ایوان کے اندر اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس ایوان اور مسلمان کی حیثیت سے ہمارے یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سلسلے میں جو بات کی گئی ہے اور ہمارے معاشرے میں اس چیز کو بار بار اٹھایا جا رہا ہے۔ اس لیے میں اس تحریک استحقاق کو پریس بھی کرتا ہوں اور آپ سے دوبارہ استدعا کرتا ہوں کہ سپیکر کی حیثیت سے، اس ایوان کے کسٹوڈین کی حیثیت سے آپ دوبارہ اپنی اس رولنگ کو کیجیے کہ وزارت داخلہ اس سلسلے میں اقدام کرے، وگرنہ معاشرے کے اندر اپنی جگہ یہ بات پھیل رہی ہے اور جنھوں نے اس ہوٹل کے اندر اس کانفرنس کے اندر اس بات کا شدت سے اظہار کیا۔ پریس کے لوگ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اس سلسلے میں انہوں نے اس وقت بھی آواز بلند کی تھی لیکن آج وہ اسی بنیاد پر حکومت کے نرم رویہ کی وجہ سے آج اخبارات کے اندر مزید اپنی شہ کی بنیاد پر آگے بڑھنے کی صورت میں ان باتوں کو کر رہے ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ان جذبات کو روکنے کے لیے مسلمانوں کے جذبات کے احترام کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس بات کے حوالے سے بھی حکومت کو اس چیز کا نوٹس لینا چاہیے۔ اس لیے میں اس تحریک کو پریس کرتا ہوں۔

جناب سپیکر: مولانا گوہر رحمان صاحب!

مولانا گوہر رحمٰن: میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس دن یہ معاملہ پیش

آیا تھا۔ اس دن آپ نے جو رولنگ دی تھی، ہمیں اتنی زیادہ خوشی ہوئی تھی کہ ہم اس کو بیان بھی نہیں کر سکتے کہ آپ نے ایک بہتر، ایک مستند رولنگ دی تھی۔

پہلی بات تو میں اس سلسلے میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کی رولنگ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد اخبارات میں، میں نے پڑھا ہے کہ آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ میری رولنگ کا مقصد سفارش تھی، ہدایت نہیں تھی۔ میرے خیال میں آپ کا جو منصب ہے، آپ کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی سفارش حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ اس کو ہدایت کہیں، سفارش کہیں، حکم کی حیثیت ہے۔ باقی رہی یہ کہ وہ صاحبہ کہتی ہیں کہ میں نے توہین نہیں کی۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ توہین ہوئی ہے۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کو عدالت میں لے جایا جائے، مقدمہ قائم کیا جائے، فریقین وہاں اپنے بیانات دیں۔ دلائل پیش کریں کہ کیا توہین ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔ جب تک آپ کی رولنگ کے مطابق مقدمہ قائم نہیں کیا جاتا، اس وقت تک یہ ایوان اور پاکستان کے عوام مطمئن نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ اگر کسی ملک کے وزیراعظم کی توہین کی جائے یا قائد اعظم کے بارے میں ناشائستہ الفاظ کہے جائیں، تو سارا ملک اُٹھ کھڑا ہوگا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، یہ تو ساری انسانیت سے بلند ہے تو عوام مطمئن نہیں ہوں گے اور آپ انہیں مطمئن نہیں کر سکیں گے۔ جب تک مقدمہ قائم نہ کیا جائے اور عدالت میں نہ لے جایا جائے۔ پہلی بات تو میں یہ عرض کروں گا۔

دوسری بات اس تحریک استحقاق کے بارے میں یہ عرض کروں گا کہ جناب وزیر مملکت نے جن جذبات کا اظہار کیا تھا، اس دن اور آج بھی کیا ہے، حقیقت میں ہمارے دل میں بہت زیادہ مسرت اور خوشی ہوئی ہے کہ انہوں نے وکیلانہ ہیر پھیر سے کام نہیں لیا بلکہ مومنانہ شان میں بیان اس دن بھی دیا تھا اور آج بھی دیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کیا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے لیے تعزیرات پاکستان میں کوئی دفعہ ہے یا نہیں؟ تو میرے خیال میں یہ دفعہ موجود نہیں ہے لیکن میرے خیال میں ان کا مقصد یہ تھا کہ تعزیرات پاکستان میں مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے سزا موجود ہے۔ انہوں نے جو کہا تھا، یہ بات تو ٹھیک کہی تھی۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ وہ

سزا کم ہے، وہ سزا نہ ہونے کے برابر ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان میں توہین کرنے والوں کی سزا ارتداد و کفر ہے، اس کو اعتراف کر لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے لیے تعزیرات پاکستان میں سزا موجود نہیں ہے تو تب پھر ہم یہ کہیں گے کہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

تیسری بات میں آخری یہ عرض کروں گا کہ اس قسم کے واقعات اس ایوان میں آتے رہیں گے جب تک حکومت پالیسی نہ بدلے۔ اس ایوان میں ایسے لوگ آئے ہیں۔ بلکہ سب ایسے آئے ہیں جو اسلام کے نام پر ووٹ لے کر آئے ہیں۔ شریعت کے نام پر ووٹ لے کر آئے ہیں۔ ریفرنڈم کے ذریعے صدر، صدر بنا ہے اسلام کے لیے اور ہمارا ایمان ہے۔ اس لیے ایسے مسائل آتے رہیں گے۔ مشکلات پیدا ہوں گی۔ آپ کے لیے بھی پریشانی ہوگی۔ حکومت کو اپنی پالیسی بدلنی چاہیے اور جو مٹھی بھر ایک فیصد طبقہ اور خواتین میں چند خواتین مغرب زدہ، انگریز کی تہذیب میں رنگی ہوئی، جو پردے کو نہیں مانتیں جو حیاء کو نہیں جانتیں، جو ہاکی ٹیمیں بھیجنے کے لیے واک آؤٹ کرتی ہیں۔ ایسے لوگ ایک فی صد سے بھی کم ہیں۔ یہ پاکستان کی خواتین کی نمائندہ نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں پالیسی کو بدلنا پڑے گا اور تب اس ایوان میں فضا ٹھیک رہے گی ورنہ اس ایوان میں ایسی باتیں ہوتی رہیں گی۔

Begum Silvat Sher Ali Khan Pataudi: We walk out since Maulana Gohar Rehman is saying about us.

Mr. Speaker: He was not referring to you. He was not referring to the ladies in this hall. But it is your privilege naturally.

(اس مرحلے پر کچھ خواتین واک آؤٹ کر گئیں)

جناب وصی مظہر ندوی: جناب والا! چونکہ کہنے کی تمام باتیں کہی جا چکی ہیں، میں صرف دو گزارشات کے ساتھ اس موشن کے بارے میں اپنی رائے یا اپنا تاثر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جناب وزیر قانون نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے، ہم سب اس کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ لیکن ہم ان کے جذبات کی صداقت اسی

صورت میں تسلیم کر سکتے ہیں۔

پیر محمد صابر شاہ: یہ کس بات پر خواتین واک آؤٹ کر گئی ہیں؟ ہمیں پتہ تو چل جائے یہ تو ناراض ہو کر چلی گئی ہیں۔

جناب سپیکر: ناراضگی سے ہی واک آؤٹ کرتی ہیں۔ آپ تشریف رکھیے۔ مولانا صاحب! آپ جاری رکھیے۔

جناب وصی مظہر ندوی: میں عرض کر رہا ہوں کہ ان جذبات کی صداقت کا ایک امتحان یہ تھا کہ جب واضح طور پر اخبارات میں ان الفاظ میں دھرایا گیا ہے جو اس جلسے میں کہے گئے تھے تو حکومت کو خود اس کا نوٹس لینا چاہیے اور حکومت کو مقدمہ درج کرنا چاہیے۔ اگر حکومت کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ مقدمہ درج کیا جائے گا تو ہم یہ سمجھیں گے کہ جذبات کے پیچھے واقعی حقیقت موجود ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ حکومت اس بات کا یقین دلائے کہ آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں اگر اب تک کوئی قانون موجود نہیں ہے تو جلد سے جلد اس سلسلے میں قانون پیش کیا جائے گا۔ اگر ان دو باتوں کا حکومت کی طرف سے یقین دلایا جائے تو میں اس تحریک پر زور نہیں دوں گا۔

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: جناب سپیکر! میں نہایت ہی عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہوں اس قانون کی دفعہ سے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے سلسلے میں اس وقت تعزیرات پاکستان میں موجود ہے، وہ کوئی سزا نہیں ہے۔ کیونکہ تمام احادیث سے اور تمام روایات سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے، وہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا جو ہے وہ قتل کے سوا کچھ نہیں اور آئمہ نے نہایت وضاحت سے کہا ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی معافی بھی قابل قبول نہیں۔ اگر وہ اپنی موقف سے ہٹنا بھی چاہیے تو وہ اپنے موقف سے ہٹ نہیں سکتا۔ اور جناب سپیکر! میں آپ سے گزارش کروں گی کہ اگر آٹھویں بل کے اوپر یہ ہاؤس رات کے دو دو بجے تک اجلاس کر سکتا ہے تو میری یہ درخواست ہے کہ آج یہ اجلاس برخاست نہیں ہو گا جب تک کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا کے متعلق یہ ہاؤس فیصلہ نہیں کرتا کہ کیا کرنا ہے۔ اور آج اگر

یہ فیصلہ نہیں ہوتا تو میں پھر مستقل یہاں سے واک آؤٹ کروں گی اور یہ درخواست کروں گی پورے ہاؤس سے اور اپنے ممبران سے کہ یہ ہمارے لیے ایمان کا مسئلہ ہے، یہ ہماری زندگی کا مسئلہ ہے، اگر ہم نے ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جذبات اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اتنے زیادہ حساس ہیں۔ اتنے زیادہ حساس ہیں کہ اگر آج ہم یہ فیصلہ کیے بغیر اس ایوان سے نکل گئے تو میں اس ایوان کے استحکام اور بقاء کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ یہ ایوان بھی باقی رہے گا یا نہیں رہے گا۔ لہٰذا میری یہ درخواست ہے کہ اس نشست میں یہ سارا ایوان یہ فیصلہ کر کے اٹھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی سزا تعریزات پاکستان میں کیا ہونی چاہیے۔

ملک محمد اسلم کچھیلہ: پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! جہاں تک تعزیرات پاکستان کا تعلق ہے کہیں بھی یہ قانون نہیں ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کو یا گستاخ صحابہ کرام کو کیا سزا دی جاسکتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہیں۔ یہ جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قائم ہوا۔ قدرت نے یہ کائنات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بنائی۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ جب تک......

Mr. Speaker: I think we, are misusing the facility of point of order.

ملک محمد اسلم کچھیلہ: جناب! میں قطعاً اس موقع کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھا رہا۔ اپنے ایمان کے مطابق اپنے نظریے کے مطابق۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اگر میں یہ کہوں کہ سب سے اول اور اہم جو مسئلہ ہے، وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور ذات کا ہے۔

جناب والا! اس سلسلے میں صرف مختصراً یہ عرض کروں گا کہ ہم تمام مسلمان اراکین جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم کو اس تحریک استحقاق کی بھرپور حمایت کرنی چاہیے اور جیسا کہ میری بہن نے فرمایا ہے ایوان سے ہمیں باہر نہیں جانا چاہیے۔ جب تک یہاں پر یہ طے نہ ہو جائے کہ آئندہ سے حضور ﷺ کے گستاخ کو صحابہؓ کے گستاخ کی یہ سزا

ہوگی۔ یہ ہمیں آخری فیصلہ کر کے اس ہاؤس سے نکلنا چاہیے۔ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ یہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے۔شکریہ، جناب!

مولانا معین الدین لکھوی: جناب والا! تحریک استحقاق اس بات پر پیش کی گئی ہے کہ ہمارے وزیر قانون نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کے سلسلے میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ رکھی گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی دفعہ وہاں پر موجود نہیں ہے تو اس بیان پر جو خلاف واقعہ تھا۔ یہ تحریک استحقاق پیش کی گئی، مجھے معلوم نہیں میرے آنے سے پہلے ہمارے وزیر انصاف کیا بیان دے چکے ہیں۔ لیکن میں صرف اپنے ساتھیوں سے اتفاق کرتے ہوئے اتنی گزارش کروں گا کہ سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام مسلمانوں کے جذبات نہایت نازک ہیں۔ کوئی قانون ہماری تعزیرات میں نہیں ہے۔ تو وزیر قانون یہ یقین دلائیں کہ ایسا قانون جو ہے وہ بنایا جائے گا اور آئندہ کوئی شخص ملک میں جرأت نہیں کر سکے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی گستاخانہ رویہ اختیار کر سکے۔ ان کے یقین دلائے بغیر ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس تحریک کو پریس نہ کیا جائے، اگر وہ یقین دلاتے ہیں تو اسے ہم پریس نہیں کریں گے۔

(مداخلت)

جناب سپیکر: جی پہلے میری رولنگ تو سن لیجیے اس کے بعد پھر اس کا فیصلہ ہوگا۔

Two main issues have been discussed during the discussion one was the subsatantive issue raised in the privilege motion itself.

جناب وصی مظہر ندوی: جناب سپیکر! میں آپ سے..................

جناب سپیکر: جب سپیکر بول رہا ہو تو بیچ میں کھڑے نہیں ہوا کرتے۔ مولانا! یہ آداب

جناب وصی مظہر ندوی: میں آپ کے رولنگ دینے سے پہلے...........

جناب سپیکر: جی آپ اگر تشریف رکھیں، اب میں شروع کر چکا ہوں۔ مہربانی

I was talking about the two issues, that were raised

during the discussion. One was the substantive issue as to whether a breach of privilege had been committed or not: and the other issue that was raised during the discussion was whether the Penal Code adequately covers such an offence. Now these are two entirely different issues. We will take up the issue regarding the privilege motion first.

I have studied the transcript of the speeches made by the honourable Minister of State for Justice on that particular day and I have found that he did not categorically state that the specific clause was available in the PPC to take care of such an eventuality. The honourable member who has raised this privilege motion seems to have done so under a misunderstanding. Furthermore, it has been ruled by kaul on page 234 that an incorrect statement made by a Minister cannot be made any basis for a breach of privilege. It is only a deliberate lie, if it could be substantiated, that would certainly be an offence within the meaning of a breach of privilege. As such the privilege motion is ruled out of order.

However, I have a small observation to make and that is that, on studying the Pakistan Panel Code, I certainly agree with the sentiments of the members of this House that it is most inadequate in the case in instant discussion. There are various methods available to this august House to amend this law. It can be done through either a private members Bill or the Treasury Benches, the Government can move it. It can certainly not be amended through a privilege motion.

I thank you.

جناب وصی مظہر ندوی: پوائنٹ آف آرڈر۔

Mr. Speaker: After the ruling of the Speaker, there

cannot be a point of order on this subject.

جناب وصی مظہر ندوی: میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی پریولیج موشن کے بارے میں یہ پیش کش کی تھی، میں نے یہ کہا تھا کہ اگر حکومت کی طرف سے یقین دہانی یا یہ یقین دہانی کرا دی جاتی ہے کہ اس قسم کا قانون بنایا جائے گا تو میں اپنی پریولیج موشن پر زور نہیں دوں گا۔ میں اس رولنگ کے خلاف احتجاجاً واک آؤٹ کرتا ہوں۔

جناب سپیکر: اگر آپ ایک منٹ تشریف رکھیں تو شائد نارملی تو سپیکر کی رولنگ کے بعد آنریبل منسٹر کی سٹیٹمنٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

In view of the grave nature of this particular issue, we will let you make a statement.

جناب میر نواز خان مروت: چونکہ وہ چیپٹر کلوز ہو چکا ہے۔ جناب کی جب رولنگ آ گئی ہے کیا کہا گیا تھا، کیا نہیں کہا گیا، کون کیا کہتا ہے، کون کا تو خیر تعلق نہیں۔ میں رولنگ چیلنج نہیں کر رہا ہوں لیکن میں ایک چیز کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے میں نے شروع میں عرض کی۔ ہم خواہ حکومت کی پارٹی میں ہوں، کسی اور پارٹی یا گروپ میں ہوں۔ ہم سب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی عقیدت ہے اور ہم سب کے وہی جذبات ہیں۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں اور پہلے میں نے عرض کی حکومت والے بھی پہلے مسلمان ہیں بعد میں کچھ اور ہیں۔ ہم ان جذبات کا احترام کرتے ہیں بلکہ ان میں برابر کے شریک ہیں۔ جن کا فاضل ممبران نے اظہار فرمایا اور عنقریب ہم حکومت کی طرف سے اس میں ترمیم لائیں گے۔ کیونکہ نبی ﷺ کی شان ہماری سب کی اساس ہے۔

Mr. Speaker: **Thank you I think that should be enough.**

ڈاکٹر شفیق چوہدری! آپ کچھ فرمانا چاہیں گے؟ کیا فرمائیں گے؟ یعنی کسی ایشو پر بولیں گے؟ پوائنٹ آف آرڈر ہے، کیا ہے؟

ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری: جی پوائنٹ آف آرڈر، اسی کے متعلق عرض

کرنا چاہتا ہوں۔

جناب سپیکر: نہیں، یہ ایشو تو اب ختم ہو چکا ہے۔ تشریف رکھیے، ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری: حضور والا! اس مدت کا اگر تعین کر دیا جائے کہ کب یہ پیش کریں گے، کیونکہ شریعت بل کا وعدہ کیے ہوئے آٹھ ماہ گزر چکے ہیں، وہ ابھی پیش نہیں ہوا اور اس کے اوپر ساری قوم جو ہے وہ منتظر ہے۔ آٹھویں ترمیمی بل میں یہ بات طے پائی تھی کہ شریعت بل جلد از جلد لایا جائے گا لیکن ابھی تک اس ہاؤس میں نہیں لایا گیا اور ساری قوم جو ہے وہ دیکھ رہی ہے وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں، ہمیں بھی واچ کر رہے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم قوم کا بھی مذاق اُڑا رہے ہیں تو یہی جناب وزیر موصوف سے یہ گزارش کروں گا کہ وہ اعلان کریں، اسی سیشن میں اگلے سیشن میں کب وہ مسودہ لائیں گے تا کہ اس کے اوپر بحث ہو سکے اور متعلقہ جو قانون ہے وہ بنایا جا سکے۔ حضور والا! اس کی بھی یقین دہانی کرا دی جائے تو پوری قوم کو اس کے اوپر اطمینان ہوگا۔

جناب سپیکر: **Exact date** مانگنا تو اس سلسلے میں مناسب نہیں ہوگا۔ لیکن انہوں نے فرمایا ہے عنقریب تو عنقریب خاصی تسلی بخش سٹیٹمنٹ ہوتی ہے۔ جی جناب امیر حسین صاحب!

چوہدری امیر حسین: جناب والا! میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول پاک ﷺ کی شان میں اگر کوئی گستاخی کرتا ہے تو خواہ کوئی ٹریژری بنچوں پر ہو یا حزب اختلاف میں۔ سب کے جذبات ایک طرح کے ہوتے ہیں اور جب حکومت کی طرف سے یہ یقین دہانی کرا دی گئی کہ عنقریب اس کے متعلق قانون سازی کی جائے گی اور تعزیرات پاکستان میں با قاعدہ طور پر ترمیم کی جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود اگر ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ وہ وقت کا تعین کرانا چاہتے ہیں تو میں یہ سمجھتا ہوں ان کے پاس بھی ایک طریقہ ہے وہ پرائیویٹ ممبرز ڈے پر بل لا سکتے ہیں۔ اگر وہ اتنی جلدی لانا چاہتے ہیں تو وہ بل لے آئیں، اس پر میں سمجھتا ہوں حکومت کی طرف سے بھی کوئی مخالفت نہیں ہوگی۔ جناب والا! میں یہ سمجھتا ہوں ہاؤس کے اندر اپنے آپ

کو اجاگر کرنے کی باتیں کی جائیں۔

مولانا گوہر رحمٰن: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب سپیکر: پوائنٹ آف آرڈر پر تو وہ بول رہے ہیں، پوائنٹ آف آرڈر پر پوائنٹ آف آرڈر نہیں اٹھایا جاتا۔ جی فرمائیے۔

چوہدری امیر حسین: تو جناب والا! میں یہ گزارش کر رہا تھا۔ اگر ہمارے وہ دوست جو یہ سمجھتے ہیں یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ حکومت اس بارے میں کسی تاخیر سے کام لے گی۔ لیکن اگر وہ اس کو **misunderstand** کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت دیر سے قانون سازی کرے گی تو وہ اس بل کو پرائیویٹ ممبرز والے دن پیش کر دیں، میرے خیال کے مطابق حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت نہیں ہوگی۔ جو آدمی رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے خلاف تعزیرات پاکستان میں کوئی قانون **Add** کرنا چاہتا ہے، اس میں ترمیم کرنا چاہتا ہے، جو آدمی اس کی مخالفت کرنا چاہتا ہے، اس کے مسلمان ہونے میں شک ہوتا ہے۔ جناب والا! یہ میری گزارشات ہیں۔

جناب لیاقت بلوچ: پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب سپیکر! فاضل ممبر نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے، میں ان کا احترام کرتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بعض ایسے حساس بل اگر اپوزیشن کی طرف سے پیش کیے جائیں تو وہ حکومت کی ناک کا مسئلہ بنتا ہے اور اس کی منظوری کے اندر ایک تاخیر کی صورت ہوتی ہے۔ میں بے بنیاد بات نہیں کہہ رہا۔ نویں ترمیمی بل کے اندر یہ طے کیا تھا کہ دستور کے اندر ہم ترمیم کریں گے اور اس میں قرآن وسنت کی بالادستی اور فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار میں توسیع کی جائے گی۔ یہ اپوزیشن کی طرف سے پیش کیا گیا۔ حکومت کی طرف سے طے کیا گیا ہم اس کو ایوان کے اندر پیش کرتے ہیں۔ لیکن آج تک وہ تاخیری حربوں کا شکار ہے، وہ صرف اس وجہ سے کہ اپوزیشن بنچوں کی طرف سے آواز اُٹھائی گئی تھی لیکن جیسے وزیر قانون نے نبی ﷺ کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا ہے اس محبت کا تقاضا ہے، ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے اندر ایک لمحہ تاخیر نہیں ہونی چاہیے جیسے پرائیویٹ ممبرز کے بارے میں آپ بات کر رہے ہیں۔ میں اس چیز کو کہوں گا کہ وزیر قانون اس

سیشن کے اندر اس بل کو انٹروڈیوس کرائیں تاکہ اس بجٹ اجلاس کے دوران ہم اس میں سرخرو ہوسکیں کہ اس ایوان نے نبی ﷺ کی عزت اور ناموس کے تحفظ کے لیے اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ اس لیے میں وزیر قانون سے گزارش کروں گا کہ ان تمام تر چیزوں کے پیش نظر وہ اس بات کا اعلان کریں کہ اس بجٹ سیشن کے دوران وہ سرکار کی طرف سے اپنے بل کو موو کریں گے۔

Mr. Speaker: Would the Minister of State for Law like to comment on that?

جناب میر نواز خان مروت: جناب والا! ترامیم کرنے کا کوئی طریقہ بھی ہوتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ کاغذ ہے کہ یہاں سیدھا دے دیں گے۔ جب میں نے یقین دہانی کرائی اور گزارش کی کہ ہم سب کا مشترکہ ورثہ ہے اور پھر میں نے یہ عرض کی ہے اور ابھی بھی کہتا ہوں کہ میں ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ یہ سزا ناکافی ہے، میں خود بھی یہی کہتا ہوں کیونکہ نبی ﷺ کا گستاخ قابل گردن زدنی ہے اور میں نے یقین دہانی کرا دی ہے کہ عنقریب کریں گے۔ یہ ہم پر کم از کم بھروسہ رکھیں۔ کم از کم میں نے آج تک اس ایوان میں غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہوگا۔

جناب سپیکر: جی جناب عارف خان صاحب!

خان محمد عارف خان: جناب والا! میری گزارش یہ ہے کہ یا تو ہم ......

بیگم قمر النساء قمر: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب سپیکر: بیگم صاحبہ! وہ پوائنٹ آف آرڈر پر بول رہے ہیں۔

خان محمد عارف خان: یا تو ہم لاء منسٹر صاحب کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ (مداخلت) جناب سرور کائناتؐ کی گستاخی کا سوال ہے جسے ان نو کروڑ عوام پاکستان کا کوئی بشر بھی کوئی کم بخت ایسا اور بدکردار اور بدافعال ہوگا۔ جو ایسی پاک شخصیت ﷺ کے ساتھ اور رحمت اللعالمین ﷺ کے حق میں ایسی بات کہے۔ آخر قانون بنانے میں وقت بھی لگتا ہے۔ ٹائم بھی لگتا ہے، اس کو دیکھنا بھی پڑتا ہے اور لاء کے مطابق بھی کرنا پڑتا ہے۔ جب یقین دہانی کرا چکے ہیں اور مسلمان ہیں اور وہ بھی اتنی محبت رکھتے ہیں

جتنی ہم سب لوگ رکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم جتنی جلدی کر سکے، کریں گے ممکن ہے کہ اسی اجلاس میں ہی وہ پاس کروا دیں تو اب تو یہ مسئلہ ختم ہو چکا ہے، یقین دہانی ہو چکی ہیں یقین دہانی دلائی جا چکی ہے۔ وہ مسلمان ہیں اور رسالت مآب ﷺ سے محبت رکھتے ہیں تو وہ مجرم کیسے بن سکتے ہیں کہ یہ قانون نہیں بنائیں گے تو اس لیے جناب! اب یہ بحث بلاوجہ کی جا رہی ہے۔ مسئلے کا تو فیصلہ ہو چکا ہے۔

جناب سپیکر: بہت بہت شکریہ! آپ تشریف رکھیے، بیگم کلثوم سیف اللہ صاحبہ!

بیگم کلثوم سیف اللہ: جناب سپیکر! میں آپ کی وساطت سے مولانا گوہر رحمٰن کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ اس ہاؤس میں ہم جو 22 خواتین ہیں، ہم سے کوئی بھی مغرب زدہ خاتون نہیں ہے۔ ہم سب راسخ العقیدہ مسلمان خواتین ہیں اور ہمیں بھی اسی طرح عقیدت اپنے مذہب سے ہے جس طرح ہمارے علمائے کرام کو ہے۔ میں مولانا گوہر رحمٰن صاحب کے عقیدت مندوں میں سے ہوں۔ دین کے علم میں ان کی مثال، میں ہمیشہ ایک روشنی کے مینار کے ساتھ دیتی ہوں کہ ان کا سینہ، ان کا ذہن دین کی طرف ہی ہے اور وہ ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتے ہیں تو وہی مولانا صاحب جن کی ہم عقیدت رکھتے ہیں، وہی ہمارے احساسات کو مجروح کریں اور وہ ہماری راہنمائی نہ کریں اور ہمیں مغرب زدہ کہیں تو ہمیں اس بات پر نہایت ہی افسوس ہوتا ہے۔ ہم ان کی خدمت میں دوبارہ نہایت عاجزانہ اور مؤدبانہ طریقے سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ازراہ کرم ہماری اصلاح کیجیے۔ آپ دین کے علم میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ لیکن ہمارے احساسات کو مجروح نہ کیجیے۔ تو میں مولانا صاحب سے یہ درخواست کروں گی۔ آپ کی وساطت سے کہ مولانا صاحب! آپ اپنا دست شفقت ہمارے سر پر رکھیں۔ ہمیں اس طرح نہ ڈانٹیے۔ شکریہ!

جناب سپیکر: میرا خیال کہ اس کے بعد اب گنجائش تو نہیں ہونی چاہیے اور کسی گفتگو کی جناب حمزہ! اگر آپ آدھے منٹ میں وائنڈ اَپ کرلیں تو مہربانی ہوگی۔

جناب حمزہ: جناب سپیکر! جو کچھ جناب وزیر مملکت برائے عدل و انصاف نے فرمایا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی ایک مجبوری بھی ہے کہ وہ حکومت کے دوسرے

ذمہ دار حضرات سے مشورہ کیے بغیر ایوان میں یہ اعلان نہیں کر سکتے کہ وہ مسودہ قانون اسی اجلاس کے دوران ہی لے آئیں گے۔ لیکن جہاں تک مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کا تعلق ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر وزارت قانون اور عدل یہ چاہے کہ اس مسودہ قانون کو بجٹ اجلاس کے فوری بعد لے آئے کیونکہ ان کے پاس افسران کی ماہرین کی ایک فوج ظفر موج موجود ہے۔ اگر وہ چاہیں تو مسودہ قانون اس بجٹ اجلاس کے بعد لا سکتے ہیں اور اس اجلاس کے دوران لا سکتے ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کو آج کے بجائے کل تک ملتوی کر دیں تا کہ یہ مشورہ کرنے کے بعد ایک واضح اور مثبت بات اس ایوان میں کہہ سکیں اور ایسی بات کہیں جن پر کل عمل درآمد ہو سکے۔

Mr. Speaker: I think, postponing it for an indefinite period will not be feasible.

جناب میر نواز خان مروت: جناب والا! میں نے جلد سے جلد کہا ہے۔ ہماری حتی الامکان کوشش ہوگی۔ ہم تو ثواب لوٹنا چاہتے ہیں۔ اس اجلاس میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ اسی اجلاس میں ہو جائے۔

جناب سپیکر: جی تشریف رکھیے۔

Honourable Minister of State has given not assurance and we should accept that.

بیگم قمر النساء قمر: جناب سپیکر!

جی بیگم صاحبہ: جی بیگم صاحبہ!

بیگم قمر النساء قمر: جناب والا! جب بولنے کے لیے کھڑی ہوتی ہوں تو اس طرف آپ کی نظر ہی نہیں جاتی۔

جناب سپیکر: بیگم صاحبہ! آپ نے ابھی تک بٹن دبایا نہیں تو پہلے کس طرح دیکھ لوں؟

بیگم قمر النساء قمر: جناب والا! بٹن دبایا ہوا ہے۔ عرض یہ ہے کہ جب **Eighth Amendment** کے سلسلے میں ہم ساری رات بیٹھ سکتے ہیں تو جب حضور ﷺ کے سلسلے میں آپ ﷺ کی توہین کے سلسلے میں کوئی مسئلہ ایوان میں آتا ہے تو

اس کو کل اور پرسوں کے لیے کیوں ملتوی کیا جاتا ہے؟ جب کوئی باہر جرم کرتا ہے، حکومت کے خلاف بولتا ہے یا کسی اور جرم کا مرتکب ہوا اس کو فوراً گرفتار کر کے سزا دی جاتی ہے تو گستاخانِ رسول ﷺ کو فوراً کیوں نہیں سزا دی جاتی؟ آخر اس پاکستان میں اور اس کے ایوان میں کیا ہم اسی لیے آئے ہیں؟ جناب والا جن کے لیے اس کائنات کو بنایا گیا ہے جن کے لیے اس کائنات کو سجایا گیا ہے، اسی کی شان میں گستاخی کرنے والے پاکستان میں دندناتے پھریں؟ لہٰذا وزیر عدل سے میری درخواست ہے کہ وہ اس مسئلے کو بلا تاخیر فوراً فوراً حل کریں اور آج ہی اس کے اوپر بحث کر کے اور آج ہی اس کے اوپر کوئی قانون نافذ کریں۔

جناب سپیکر: بیگم صاحبہ! قانونی طور پر بجٹ اجلاس کے دوران جب تک بجٹ پاس نہ ہو جائے اور کوئی **لیجیسلیٹو** بزنس ہاؤس کے سامنے نہیں آ سکتا۔

بیگم قمر النساء قمر: نہیں نہیں، کسی اور معاملے میں آپ تاخیر کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم کو تاخیر گوارا نہیں ہے۔ ورنہ..............................۔

جناب سپیکر: بیگم صاحبہ! یہ قانونی معاملہ ہے۔ یہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ بجٹ پاس ہونے کے بعد اگر کوئی اس بل کو پیش کرے گا تو یقیناً دن رات بھی اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

بیگم قمر النساء قمر: اگر نبی ﷺ کے معاملے میں تاخیر کی گئی اور بجٹ کے معاملے میں...... (آواز بند ہو گئی اور واک آؤٹ کر گئیں)

جناب سپیکر: بیگم صاحبہ! آپ کچھ فرمانا چاہیں گی؟

بیگم بلقیس نصر من اللہ: جناب سپیکر! میں اسی سلسلہ میں ایک گزارش کرنا چاہتی ہوں۔ یہ صرف ایک انسان یا ایک گروپ کا معاملہ نہیں ہے، یہ پوری قوم کا معاملہ ہے اور میں اس معاملہ میں یقیناً کہتی ہوں کہ میں اتنی جذباتی ہوں کہ میرے لیے اس ایشو سے زیادہ دنیا میں اور کوئی بھی چیز زیادہ جذباتی نہیں ہو سکتی۔ کسی جرنلسٹ نے مجھ سے پوچھا تھا اور واقعی میں اس چیز کو دماغ میں لانا بھی نہیں چاہتی کہ کوئی انسان، کوئی مسلمان، کوئی پڑھا لکھا حضور ﷺ کی شان کے خلاف توبہ نعوذ باللہ توبہ نعوذ باللہ اس پر ایسا

کچھ کہہ سکتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتی ہوں جی کہ مجھے افسوس اور غیرت اس وقت آتی ہے کہ وہ کون سی کانفرنس تھی۔ وہاں پر کون بیٹھے ہوئے تھے، وہاں کون جرنلسٹ تھے، کون سے اخباری نمائندے تھے جو سن کر عاصمہ جیلانی کے اوپر چپ کر گئے؟ شکر ہے کہ میں وہاں نہیں تھی اگر میں وہاں ہوتی تو نہ میں تعزیرات پاکستان میں پڑتی اور نہ ہی میں کچھ اور کرتی، میں خود اس کا محاسبہ کرتی، چاہے میں جیل جاتی، چاہے کچھ ہوتا، میں وہ چیز ضرور کرتی اور..................

جناب سپیکر: شکریہ جی، آپ تشریف رکھیں۔

بیگم بلقیس نصر من اللہ: للہ خدا رسول ﷺ کے لیے، اسی حضور ﷺ کے لیے ہمارے منہ بہت پلید ہیں، ہمارے کوئی کردار ہی نہیں ہیں۔ چھوٹے منہ اور بڑی باتیں کہ حضور ﷺ کی شخصیت کو ہم لوگ بیٹھ کر ڈسکس کریں۔ یہ میرے لیے بڑی شرم اور رونے کی بات ہے کہ یہ کوئی تعزیرات میں نہیں ہے اگر کسی میں غیرت ہے تو وہ اٹھے، کوئی کچھ کرے، آپ دیکھ لیں گے کہ میں بڑی صلح پسند ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ میں لڑائی جھگڑے سے بہت نفرت کرتی ہوں لیکن اگر کسی نے میرے حضور ﷺ کے متعلق کوئی لفظ نکالا، میں آپ کو سچ کہتی ہوں کہ اگر میں جیل جاؤں گی تو اس چیز پر جاؤں گی اور ایسا ہی سب کو کرنا چاہیے۔ یہ تعزیرات پاکستان میں نہیں پڑنا چاہیے۔

جناب سپیکر: شکریہ جی، آپ تشریف رکھیں جی۔

Now we move on to the general discussion on the budget.

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: جناب سپیکر! پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب سپیکر: جی بیگم صاحبہ! آپ اس موضوع پر پوائنٹ آف آرڈر پر بول چکی ہیں۔

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: یہ واقعہ اسلام آباد میں 17 مئی کو پیش آیا اور اس کے بعد ہاؤس کے نوٹس میں لائے ہوئے اور آپ سب کے نوٹس میں لائے ہوئے اتنے دن ہو چکے ہیں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ نہ ہی نامہ نگاروں سے رابطہ قائم کیا گیا اور نہ

ہی اس وکیل سے رابطہ قائم کیا گیا کہ جس نے وہاں کھڑے ہو کر احتجاج کیا تھا۔ یہاں تک دوسری سائیڈ اس نامہ نگار کو pressurize کر رہی ہے، اس کو پیسوں کی offer ہو رہی ہے کہ تم اس کی تردید چھاپ دو، تم اس کے خلاف کوئی بیان چھاپ دو اور اس موقع پر بھی اس نامہ نگار کو پیسے offer کیے گئے کہ تم خدارا یہ رپورٹ اخبار میں نہ دینا ورنہ ہماری شامت آ جائے گی۔ جناب! میں ایک بات آپ کے نوٹس میں لانا چاہتی ہوں کہ جس کی تحقیق خود حکومت کو اپنے ذرائع سے کرنی چاہیے کہ وہ بیان دینے والی عورت مسلمان بھی نہیں ہے اور اس طبقہ سے تعلق رکھتی ہے کہ جس کو حکومت پاکستان ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے چکی ہے۔ میں چاہتی تھی کہ یہ بات حکومت کی طرف سے ایوان کے علم میں آتی لیکن جب اتنے دنوں تک اس پر کوئی تحقیق نہیں ہو سکتی، اس کے اوپر آپ کو سی آئی ڈی کی کوئی رپورٹ نہیں مل سکتی تو میں یہ بات ایوان میں بڑے باوثوق ذرائع سے کہنا چاہتی ہوں کہ وہ عورت مسلمان بھی نہیں ہے اور اس کا اسلام اس کی شادی کے موقع پر زیر بحث آ چکا ہے۔ اخبارات کی فائلیں اخبارات کے دفتر میں موجود ہیں، آپ اس کی شادی کا سن نکلوا کر ان اخبارات کی فائلوں کو اپنے بندوں کے ذریعے تحقیق کروائیں کہ اخبارات میں یہ چیز زیر بحث آئی تھی کہ ایک مسلمان عورت کی شادی ایک غیر مسلم سے کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے ثبوت موجود ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر اس کی بھی تحقیق کروائیں۔

جناب سپیکر: شکریہ، عارف خان صاحب! اگر آپ تشریف رکھیں تو نوازش ہو گی، اس پر بہت بات ہو چکی ہے۔ حکومت نے آپ کے احساسات کا پورا نوٹس لیا ہو گا اور مناسب اقدامات اٹھائے گی۔

خان محمد عارف خان: کوئی قاعدہ، کوئی قانون ہے؟ جب سپیکر رولنگ دے چکا ہے تو.................

جناب سپیکر: آپ خود بھی تو وہی قاعدہ توڑ رہے ہیں۔ جس کی آپ بات کر رہے ہیں۔ مہربانی کر کے آپ تشریف رکھیے۔ یہ معاملہ ایسا حساس تھا کہ اس پر گفتگو ہونا ضروری تھا۔ اس لیے میں نے قاعدے اور ضابطے کے علاوہ اس کی اجازت دی ہے۔ آپ

تشریف رکھیے۔ آج کی debate کا آغاز بیگم نثار فاطمہ زہرہ فرمائیں گی۔ بیگم صاحبہ! اس سے پہلے کہ آپ شروع فرمائیں، میں ایک چھوٹی سی عرض کروں گا کہ آج ہمارا بجٹ پر عام بحث کا آخری دن ہے اور ابھی تک میرے پاس جو لسٹ ہے وہ 46 ناموں کی ہے۔ لہٰذا میں اس ایوان سے اجازت چاہوں گا کہ اگر ہم پانچ یا چھ منٹ تک ہر تقریر کو limit کریں تو شاید پھر ہر ایک کو موقع مل جائے گا، ورنہ پانچ یا دس لوگ بول سکیں گے اور باقی اپنے خیالات کا اظہار نہیں فرما سکیں گے۔

30 جون 1986ء

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: میری گزارش ہے جناب کہ میں سمجھتا ہوں کہ بڑی اہمیت کا بل جو ہمارے سامنے موجود ہے، یہ تمام چیزیں جواب زیر بحث ہیں، ان کو موخر کر کے اس بل پر بحث کی جائے تو میں بڑا ممنون ہوں گا اور یہ بل ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کے متعلق۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

جناب ڈپٹی سپیکر: جناب وہ ایجنڈا پر آ رہا ہے۔

مولانا گوہر رحمان: جناب والا، مولانا تراب الحق صاحب نے جس معاملے کی طرف توجہ دلائی ہے، میں ان کی تائید کرتا ہوں۔ وقت اور مسائل میں لگ جاتا ہے۔ یہ اہم ترین بل ہے اس کو پہلے پیش ہونا چاہیے تھا اور یہ آرڈیننس وغیرہ اتنے اہم نہیں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: ہمیں اتفاق ہے۔

جناب اقبال احمد خان: جناب جو موشن میں نے پیش کی ہے، وہ لے لی جائے باقی وہ بل بھی آج کے ایجنڈے پر ہے، اس کے مطابق آ رہا ہے۔ ہم وہ بل کوئی withdraw تو نہیں کر رہے۔ یہ موشن میں نے پیش کی ہے۔ آپ نے بھی اس کو

پیش کر دیا ہے، اس کا فیصلہ کروائیں، وہ بل بھی آرہا ہے۔ شکریہ

(مداخلت)

جناب اقبال احمد خان: یہ پیش ہو چکی ہے اس کا فیصلہ کر لیں، وہ بل بھی اسی آرڈر آف دی ڈے پر موجود ہے اور اس کو بھی ضروری طور پر **adopt** کرنا ہے۔

مولانا گوہر رحمان: وہ بل زیادہ اہم ہے۔ وقت ختم ہو جائے گا۔

جناب ڈپٹی سپیکر: نہیں مولانا، ہم آرڈر آف دی ڈے کے مطابق چلیں گے۔

جناب اقبال احمد خان: جناب والا، وقت انسان کا ختم ہوتا ہے، وہ پتہ نہیں کس کا کس وقت ختم ہو جائے گا لیکن یہ ایوان چلتا رہے گا، فیصلے کرتا رہے گا۔ قانون بنتے رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، آپ آرڈر آف دی ڈے کے مطابق چلیں جناب۔

مولانا گوہر رحمان: جناب سپیکر..................

جناب ڈپٹی سپیکر: مولانا صاحب جو چیز آرڈر دی ڈے پر آتی ہے جس سیریل نمبر پر آتی ہے، اسی طریقے سے ہم لیں گے اور یہ اگر آج نہیں آتی تو پرسوں آجائے گی۔ ترسوں آجائے گی، اس میں کون سی بات ہے۔

مولانا گوہر رحمان: جناب یہ ایوان قواعد کو معطل کر سکتا ہے۔ یہاں قواعد کو معطل کر کے کئی کام کیے گئے ہیں۔ ہمارا تجربہ یہ ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: مولانا صاحب اس میں قواعد کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

مولانا گوہر رحمان: جناب وزیر قانون نے یہ بل بعد میں لکھوایا حالانکہ اس کا حق تو پہلے تھا، **آرڈیننسز** تو اہم نہیں ہیں۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ شریعت کے ساتھ آپ نے کیا کیا، نویں ترمیمی بل کو آپ نے ڈیڑھ سال تک معطل رکھا۔ آرڈیننس تو بنتے رہیں گے تو اس میں سال گزر جائے گا۔ دو سال گزر جائیں گے۔ آج ہی اس پر بحث ہونا چاہیے، وہ آرڈیننس اتنا اہم نہیں اور قواعد کو معطل کرنے کی ہم درخواست کرتے ہیں۔

جناب اقبال احمد خان: پوائنٹ آف پرسنل ایکسپلینیشن، جناب سپیکر، میں آپ کی خدمت میں نہایت دکھ کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعض معزز اراکین، محض تشہیر کی خاطر کسی بھی آدمی کی نیت پر شک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نواں ترمیمی بل

اس ایوان میں ابھی نہیں آیا، شریعت بل ابھی اس ایوان میں نہیں آیا۔ یہ سینٹ کا استحقاق ہے، ان کے زیر غور یہ بل ہیں۔ ان کو اس کے ساتھ ملانے سے سوائے اس کے میں اور کچھ نہیں کر سکتا کہ یہ نیتوں پر شک کرنے کا اظہار کر کے شاید اس سے کچھ حاصل کرنا چاہیں۔ جناب والا! جس بات کی موشن میں نے آپ کی خدمت میں پیش کی ہے، یہ اس حالیہ سیشن کے شروع ہونے کے موقع پر اس ایوان میں پیش کیا گیا تھا۔ اسی آرڈر سے ہم نے رکھا ہے اور جو بل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارک کے متعلق پیش کیا گیا ہے، وہ بھی اس ایوان کی خواہش کے مطابق فی الفور ڈرافٹ کر کے اس ایوان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ کہاں درج ہے کہ اس بل کو delay کرنے کا شائبہ بھی ہے۔ میں افسوس سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کم از کم جو اس آرڈر آف دی ڈے کے رستے میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس سے indirectly وہ بل delay ہو رہا ہے۔ اس لیے اگر وہ واقعتاً یہ چاہتے ہیں کہ یہ بل جلد از جلد پاس ہو تو میں آپ سے استدعا کروں گا کہ جو میں نے موشن پیش کی ہے، اس کا فیصلہ کیجیے۔ اس کے بعد اگلی موشن اور پھر اس کے بعد اس بل کی باری، سارے مل کر اس سارے کام کو مکمل کریں گے۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ہر چیز کو ایکسپلائٹ کیا جائے۔ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے یا کسی اور مقاصد کے لیے یہ بات درست نہیں ہے۔ اس طریقے سے اس ایوان کا کام صحیح طریقے سے نہیں چل سکتا۔ میں نے موشن دی ہے، اس کا فیصلہ آپ کروائیں۔ پھر آگے چلیں، وہ بل اسی آرڈر آف دی ڈے پر رکھا ہوا ہے۔ میں نے کب کہا ہے اس کو ڈیلے کر لیں۔ آپ اس کو خود دوسرے عذرات کے ذریعے سے وقت کو گزار رہے ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس پر جلدی کام شروع کیا جائے تا کہ وہ بل بھی پاس ہو جائے......

جناب ڈپٹی سپیکر: سید اسعد گیلانی صاحب۔

سید اسعد گیلانی: میں آپ کا ممنون ہوں۔ گزارش یہ ہے کہ اس وقت ہاؤس کے سامنے دو بل ہیں، ایک بل ہے اسمبلیوں کے قومی اور صوبائی سطح کا انتخابی بل، ایک بل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حرمت کا مسئلہ، میں آپ کی

اجازت سے ہاؤس سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں، دونوں میں سے ترجیح اول کس کو حاصل ہے؟ کس بل کو پہلے آنا چاہیے۔ یہ میں ہاؤس سے آپ کی وساطت سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جب مسئلہ ہو، اس کو ہم اولیت دیں، اس میں نہ کسی فرقہ بندی کا مسئلہ ہے، نہ کسی علاقے کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے، یہ مسائل ہوتے رہیں گے اس کو جب ہم چاہیں لے سکتے ہیں، اس کو وہ بہت زیادہ اہمیت دے رہے ہیں اور رول 92 کو معطل کرنا چاہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بل کے بارے میں انہوں نے ایسی بات نہیں کی ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر! میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں ترجیحات کے معاملے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ترجیح اول حاصل ہے۔ باقی ہر چیز کو ترجیح دوم ہے۔ اس لیے اس بل کو پہلے آنا چاہیے اور میں اس کا تقاضا کرتا ہوں۔

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: پوائنٹ آف آرڈر، میرا قطعی ارادہ یا شبہ اس طرف نہیں کہ وزیر عدل کی نیت پر کوئی شبہ کیا جائے۔ مسئلہ صرف اس کے اوائل اور آخر کا تھا کہ کسے اول لیا جائے کسے آخر، صرف مسئلہ یہ ہے، آرڈر آف دی ڈے پر بھی کوئی نکتہ چینی نہیں جو بل محترم وزیر عدل نے پیش کیا، اس میں بھی کسی قسم کا کلام نہیں اور نہ میں نے اسے oppose کیا، میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ جس طرح آرڈر آف دی ڈے پر دو چیزیں ہیں، اول اس کو لیا جائے اور اس کو مؤخر کر دیا جائے۔ صرف اتنی گزارش ہے۔

جناب غلام محمد چشتی: پوائنٹ آف آرڈر جناب والا!

Mr. Deputy Speaker: Chisti Sahib no more point of order. We have taken the business, we will go serial-wise.

(مداخلت)

جناب ڈپٹی سپیکر: ہاؤس کی رائے کس چیز پر لیں مولانا صاحب، آرڈر

آف دی ڈے پر کوئی رائے نہیں ہوتی۔ بیٹھیں، جناب آپ کیا بات کرتے ہیں۔ حاجی صاحب آپ شروع کریں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا! میں بیشتر اس کے کہ اس پر اظہارِ خیال کروں، میں جناب وزیرِ عدل سے استدعا کروں گا، ذاتی حیثیت میں سمجھ لیں، بحثیت ایک ادنیٰ رکن کے چونکہ ہاؤس کی ایک فضا بن گئی ہے اور اگر خوش گوار ماحول میں **لیجیسلیشن** ہو، تو وہ بہت ہی اچھی **لیجیسلیشن** ہوتی ہے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں چونکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموس مقدس کا سوال ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس بل کو پاس کرنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگائیں گے اور یہ بل پہلے پاس ہو جانا چاہیے۔ اس ہاؤس کے لیے بھی باعث برکت ہے۔ ہم سب کے لیے بھی باعث برکت ہے اور ہمیں کسی سیاسی مصلحت کے پیش نظر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموس مقدس سے متعلق بل کو موخر نہیں کرنا چاہیے۔ **15** منٹ کے اندر ہم اپنے ایمان کا یہ ایک ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ اس میں نہ کوئی بحث ہوگی، نہ کوئی تمحیص ہوگی، نہ کسی قسم کا کوئی ردعمل ہوگا اور یہ بل پندرہ منٹ کے اندر ان شاء اللہ پاس ہو جائے گا۔

جناب ڈپٹی سپیکر: کون سا بل؟

حاجی محمد سیف اللہ خان: دوسرا، میں ان سے گزارش کروں گا کہ......

جناب ڈپٹی سپیکر: پہلا آپ پندرہ منٹ میں کر دیں تو باقی آپ کو سارا ٹائم بچ جائے گا۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: میں عرض کر رہا ہوں کہ وہ جو موشن موو ہو چکی ہے، اس کا فیصلہ بعد میں کرا لیں اور پچھلی موشن پہلے دے دیں تو ماحول اور خوش گوار ہو جائے گا۔

جناب ڈپٹی سپیکر: حاجی صاحب ایک موشن موو ہو چکی ہے، میں آپ کو فلور دے چکا تھا۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: جی ہاں وہ تو ہو چکی ہے، وہ رہ سکتی ہے۔ اگر وہ

مہربانی کر دیں، آپ ان سے پوچھ لیں، تو میں کہتا ہوں کہ ہاؤس کا ایک ماحول بڑا خوش گوار ہو جائے گا۔

جناب ڈپٹی سپیکر: جناب آپ ان کو پہاڑ پر چڑھانا چاہ رہے ہیں!

حاجی محمد سیف اللہ خان: اور ایک برکت کا سماں پیدا ہو جائے گا۔ اقبال صاحب کر لیں۔ **.It is a personal request**

Mr. Deputy Speaker: Honourable Minister for Justice.

جناب وصی مظہر ندوی: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب ڈپٹی سپیکر: ندوی صاحب آپ تشریف رکھیں۔

جناب وصی مظہر ندوی: میں پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑا ہوں۔ جناب حاجی سیف اللہ صاحب نے جو یقین دہانی کرائی ہے۔ ہم دوسرا موشن 15 منٹ میں کر دیں گے؟ اس یقین دہانی کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کیونکہ وہ قانون جو پیش کیا جا رہا ہے، اس میں ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ شتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا قتل ہے نہ کہ عمر قید، اس لیے اس پر بحث ہوگی اور اس کے اوپر پوری شرعی دلیل سے دلائل پیش کیے جائیں گے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: ٹھیک ہے پھر جس طرح یہ چاہتے ہیں، اگر باری کا مسئلہ ہے۔

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب ڈپٹی سپیکر: مولانا شاہ تراب الحق صاحب آپ تشریف رکھیں۔ آرڈر آف ڈے پر نہ بحث ہوتی ہے نہ ہونی چاہیے۔ آپ تشریف رکھیں۔ **No more point of order**

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا! اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ قاعدہ 92 کی جزو (2) کی مقتضیات کو معطل کر دیا جائے۔ میں آپ کے توسط سے اس ہاؤس کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ قاعدہ 92 یہ کہتا ہے کہ جب کوئی مسودہ قانون قائمہ کمیٹی سے

واپس موصول ہو جائے یا جب اسے واپس بھیجنے کے لیے قائمہ کمیٹی کا مقررہ وقت ختم ہو جائے تو سیکرٹری اس مسودہ قانون کی نقول پیش شدہ شکل میں مع ایسے ردو بدل کے اگر کوئی ہوں، جن کی قائمہ کمیٹی نے سفارش کی ہو، اس کے واپس موصول ہونے یا جیسی بھی صورت ہو، وقت ختم ہونے کے بعد سات دن کے اندر اندر ہر رکن کو مہیا کرے گا، نیز وہ مسودہ قانون کو قاعدہ 93 کے تحت کسی تحریک کے لیے اس دن کے نظام کار میں درج کرے گا جو سرکاری کام کے لیے مختص ہو، یا ایسے دن پر جو نجی اراکین کے کام کے لیے مختص ہو، بلحاظ اس امر کے کہ مسودہ قانون سرکاری مسودہ قانون ہے یا کسی نجی رکن کا مسودہ قانون ہے، اراکین کو مسودہ قانون کی نقول کی فراہمی کے دن اور قاعدہ 93 کے تحت کسی تحریک کے لیے مسودہ قانون کے دن کے درمیان کم از کم پورے دو دن کا وقفہ ہوگا۔ اشد ضرورت کی صورت میں، میں اسے تین بار دہراؤں گا۔ اشد ضرورت کی صورت میں رکن انچارج تحریک پیش کرسکتا ہے کہ ذیلی قاعدہ (4) کی مقتضیات موقوف کر دی جائیں اور اگر تحریک منظور کر لی جائے تو اس مسودہ قانون کے بارے میں مذکورہ ذیلی قاعدہ کی تصریحات موقوف قرار پائیں گی اور رکن انچارج قاعدہ نمبر 93 میں درج تحریکات میں سے کوئی تحریک فی الفور پیش کرسکتا ہے۔

جناب والا: دنیا کی ہر پارلیمنٹ میں اور بالخصوص دنیا کے ہر متمدن معاشرہ میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب بھی قانون سازی کی جائے تو اس میں مکمل غور و خوض کیا جائے، قانون ہر چیز سے بالاتر ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متمدن اور مہذب معاشرہ میں جو مقام اور تقدس قانون کو دیا گیا ہے، یہ اسی کا تقاضا ہی ہوا کرتا ہے کہ قانون کو کبھی جلد بازی میں نہ بنایا جائے۔ قانون کو مکمل غور وخوض کے ساتھ بنایا جائے۔ کیونکہ قانون پھر وہ درجہ حاصل کر لیتا ہے کہ نہ تو پھر اس کی آنکھیں ہوتی ہیں نہ پھر اس کے کان ہوتے ہیں کہ وہ کسی کو دیکھ سکے کہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے، وہ یہ سمجھ سکے میں نے اس پر اطلاق کرنا ہے اور اسی پر اطلاق نہیں کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ دنیا کا ایک مسلمہ **proverb** ہے۔

"Law is always blind, justice is always blind"

یہ انتہائی ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک طرف تو ہم اپنے آپ کو مہذب معاشرہ کا فرد قرار دیتے ہیں۔ ایک طرف تو ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم دنیا کی مہذب ترین قوموں میں شمار ہونے کے قابل ہیں اور دوسری طرف ہم اس مہذب معاشرہ کے تقاضوں سے روگردانی کرتے ہیں۔ یہ انتہائی بدقسمتی کا مقام ہے کہ 39 سال کے عرصہ میں کبھی بھی قانون اس ملک میں افراد سے بالاتر نہیں رہا ہے۔ کبھی بھی قانون کو وہ تقدس حاصل نہیں رہا جو اس کا ایک اصل مقام ہے۔ پوری دنیا گھوم جایئے جو کہ اخلاق جو قانون پر یقین رکھتی ہے، کہیں بھی آپ نہیں دیکھیں گے کہ افراد قانون سے بالاتر ہوں۔ یہ خاصیت صرف اور صرف ہمارے ملک میں ہمارے افراد کو ہی حاصل ہے کہ وہ ہمیشہ قانون سے بالاتر رہتے ہیں۔ جناب والا! یہ انتہائی بدقسمتی کا مقام ہے کہ ہمارے ملک میں قانون تارِ عنکبوت بن کر رہ گیا ہے جو طاقت ور سے فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور کمزور کو اپنے شکنجہ اور پنجہ میں جکڑ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون بناتے وقت بھی ہم وہی روش اختیار کرتے ہیں جو قانون کو استعمال کرتے وقت ہمارے ملک کی ایک روایت بن چکی ہے۔ جناب والا! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں اس کی فوری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ آرڈیننس جو کہ اس اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے سے قریباً ایک دو ہفتے قبل دو ہفتے بھی نہیں بلکہ ایک ڈیڑھ ہفتہ قبل جلدی میں نافذ کیا گیا، اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور آج جس جلد بازی میں اس کو منظور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جناب والا! میں پھر ایک بار کہوں گا کہ بدقسمتی سے تمام دنیا میں قانون اندھا ہوتا ہے۔ تمام دنیا میں قانون کی کوئی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ تمام دنیا میں قانون قطعی طور پر یہ روا نہیں رکھتا کہ جس پر میرا اطلاق ہو رہا ہے، یہ صدر ہے یا پرائم منسٹر ہے، یہ ممبر ہے یہ وزیر ہے، یہ کوئی بڑا ہے یا کوئی چھوٹا ہے، وہ اس پر برابر کی سواری کرتا ہے۔ ہم نے دنیا کی مثالیں دیکھی ہیں، اگر قانون کے شکنجے میں ہندوستان کی وزیر اعظم آ جاتی ہے تو اس کے لیے قانون کو بدلنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس وزیر اعظم کو بھی behind the bar جانا پڑتا ہے۔ اسے بھی جیل کے اندر جانا پڑتا ہے کہ اس نے قانون کی خلاف ورزی کی۔ اسے

اپنی رکنیت تک سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے قانون کی خلاف ورزی کی اور اس قانون کی زد میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت ور ترین طاقت کا سربراہ جسے نکسن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اگر وہ اس کی زد میں آ جاتا ہے تو قطعی طور پر اس امر کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ اس کا status کیا ہے، اس کا درجہ کیا ہے۔ اس کو علیحدہ کرنے سے یا اس کو سزا دینے سے ملک میں کوئی بحران آئے گا یا نہیں آئے گا۔ مہذب قومیں اس چیز کی پرواہ نہیں کیا کرتیں۔

جناب ڈپٹی سپیکر: جی جناب رندھاوا صاحب!

چوہدری محمد بشیر رندھاوا: جناب والا! گزارش یہ ہے کہ جو قانون پیش کیا جا رہا ہے، یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پیش کیا جا رہا ہے تو یہاں جو حوالے دیئے گئے ہیں، وہ کسی اسلامی ریاست کے یا اسلامی خلفائے راشدین کے دیئے جائیں نہ کہ انڈیا کے حوالے دیئے جائیں نہ امریکہ کے حوالے دیئے جائیں۔ کیونکہ ان کی ضرورت نہیں ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: شکریہ! جمہوریت کے حوالے سے بات کریں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: ان پر بھی آؤں گا۔ میں تو صرف اس لیے آ رہا ہوں کہ مجھے یہ نہ کہا جائے کہ جناب اب وہ معاشرہ نہیں ہے۔ جناب اب وہ نظام نہیں ہے۔ جناب ان دنوں پارلیمنٹ نہیں ہوا کرتی تھی، ان دنوں منتخب نمائندے قانون نہیں بنایا کرتے تھے بلکہ اسلام پر آئیں گے تو اسلام میں تو وہاں تو خدا کا قانون ہوتا ہے۔ وہاں تو سربراہ پرولیجڈ نہیں ہوتا۔

(مداخلت)

اس پر بھی آؤں گا۔ اس کی مثالیں بھی دوں گا۔ اب اس دنیا کی مثالیں تو لے لیں۔

جناب ڈپٹی سپیکر: مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری صاحب۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: ہاں۔ تصحیح کر دیں۔ نہیں نہیں میں بہت شکر گزار ہوں۔

جناب ڈپٹی سپیکر: ہم نے تو نہیں سنا۔ حاجی صاحب آپ نے کس چیز کا شکریہ ادا کیا ہے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا! انہوں نے آیت کی تصحیح کی ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: اچھا جی۔ شکریہ!

حاجی محمد سیف اللہ خان: میں ان کا شکر گزار ہوں۔

(مداخلت)

حاجی محمد سیف اللہ خان: یار نہ پڑھیں گے تو پھر سیکھیں گے کیسے؟ ہمیں شرم نہیں آتی، سیکھنے میں۔

(مداخلت)

جناب ڈپٹی سپیکر: اچھا اب مہربانی کر کے تقریر جاری رکھیں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا تو میں عرض کر رہا تھا کہ قانون کو وہ تقدس حاصل ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی، طاقت ور ترین ریاست کا سربراہ بھی اگر اس کے شکنجے میں آجاتا ہے تو قانون نہیں دیکھتا کہ میرے سامنے کون ہے۔ اس طریقے سے یہ جناب والا ایک ہم بھی ہیں کہ جن کا قانون اندھا تو کیا اس کی ہمارے قانون کی دو کے بجائے چار آنکھیں ہوتی ہیں، دو آگے اور دو پیچھے۔ وہ دیکھتا ہے کہ میرے سامنے کون ہے، میرے پیچھے کون ہے۔ میں اس پر سواری کر سکتا ہوں یا نہیں کر سکتا اور اس پر اطلاق کرنے سے پہلے اسے کئی بار سوچنا پڑتا ہے۔ قانون خود اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے اور قانون نافذ کرنے والا پورے ماحول کا جائزہ لیتا ہے کہ اس کے اطلاق کے بعد میرا حشر کیا ہوگا۔ اگر میں نے قانون کا صحیح اطلاق کر دیا، اگر میں نے قانون کی پیروی کر لی اور قانون کی منشا کے بغیر قانون کو میں نے اطلاق کر دیا تو پھر میرا حشر کیا ہوگا۔ یہ ریت اور روایت صرف اور صرف ہمارے ملک میں ہے۔

جناب والا!

؎ ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

یہی وجہ ہے کہ چونکہ ہماری نگاہ میں قانون کا کوئی تقدس نہیں ہے۔ قانون کا کوئی احترام نہیں ہے۔ ہمارے ہاں قانون افراد کا محتاج ہے۔ ہمارے ہاں قانون خوشنودی طبع کو دیکھتا ہے۔ ہمارے ہاں قانون افراد کی حیثیت کو دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ آج بھی قانون کو بناتے وقت اسی قوت اور اسی حیثیت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، آج بھی قانون بنانے کے تمام طریق کار، تمام تر قواعد، تمام تر اسلوب جو ایک صحیح **لیجسلیشن** کے لیے ہماری اپنی کتابوں میں درج کر دیئے گئے ہیں، جنہیں ہم قواعد انضباطِ کار کہتے ہیں۔ آج ان کی معطّلی کی تحریکیں بھی ہم پیش کر رہے ہیں، مجھے اس سے کوئی انکار نہیں۔ مجھے کوئی انکار نہیں کہ ان قواعد کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ ہم ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ مجھے اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ ہم ان کو معطل نہیں کر سکتے، نہیں نہیں مجھے اطاعت ہے کہ انہی قواعد میں ہی درج کر دیا گیا ہے کہ انہیں معطل بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان میں رد و بدل بھی کیا جا سکتا ہے مگر کس وقت، کس طرح، کس بنا پر اس میں صاف لفظ لکھ دیئے گئے ہیں۔ ضرورت نہیں۔ اشد ضرورت کے وقت اب دیکھنا یہ ہے کہ صرف تحریک کے پیش کرنے سے تو کام نہیں بنا کرتا۔ میرے نزدیک جناب وزیر عدل کی یہ تحریک ہی خلاف ضابطہ ہے کیونکہ عمومی نوعیت میں یہ پیش ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف اور صرف اس وقت پیش ہوسکتی ہے جب وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کریں کیونکہ قواعد میں درج ہے کہ صرف اشد ضرورت کے وقت اور اشد ضرورت اپنے دل و دماغ میں نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے لیے دوسرے کو قائل کرنا پڑتا ہے اور جب تک اس کے پورے تقاضے مکمل نہ ہوں جب تک یہ ثابت کر دیا جائے کہ واقعی اس کی اشد ضرورت ہے واقعی اس کی بڑی سنگین ترین اہمیت اور ضرورت ہے، اس وقت تک تو اس موشن کو زیر غور نہیں لایا جا سکتا کیونکہ **specific requirement** اس کی ہے **generally** نہیں ہے۔ بہت سے قواعد ہیں جن میں عمومیت ہے۔ اس میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے اور جن میں قواعد یہ صراحت کر دی جائے کہ کس موقع پر کس وقت اور کس بنا پر ان کو معطل کر دیا جا سکتا ہے تو پھر ان تقاضوں کو پورا کرنا پہلے بہت زیادہ لازمی ہوا کرتا ہے۔ تو کیا اس کے لیے ضرورت نہیں تھی۔ چونکہ قواعد میں جو طریقہ کار تعین کیا گیا ہے، اس کے مطابق یہ تحریک پیش ہی نہیں کی گئی۔ اس کے لیے ہاؤس کو بتلانا ضروری تھا کہ اس میں کون سی شدت ہے، اس میں کون سی ضرورت ہے اور ابھی معیاد بھی پڑی ہے۔ آئین میں درج ہے کہ ایک

آرڈیننس کی مدت 120 دن ہوا کرتی ہے۔ ابھی تو جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے ابھی تو پورا ایک مہینہ نہیں ہوا۔ وہاں تو چار مہینے کی معیاد ہے۔ ہاں اگر معیاد ختم ہو رہی ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ جناب شدت بڑھ گئی ہے۔ ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اس کا ایک جواز تھا اور تحریک کو باضابطہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ خدانخواستہ جنگ کی صورت حال پیدا ہو جائے یہ provisions کیوں رکھی جاتی ہیں؟ میں پارلیمانی روایات کے مطابق عرض کر رہا ہوں کہ ان کا استعمال کس وقت کیا جاتا ہے۔ ان کا استعمال کس طرح ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جب جی میں آیا اور جب دل میں آیا، جب چاہا صرف اس بنا پر کہ ہمارے پاس اکثریت ہے، صرف اس بنا پر کہ ہم جو چاہیں گے اپنی من مانی سے کرالیں گے، قوانین وضوابط ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ اکثریت اور اقلیت کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اندر رکھے گئے مضمرات کا ہی محتاج ہوتا ہے اور اسی کا پابند ہوتا ہے۔ جب تک ان کی تکمیل نہ کی جائے جب تک وہ تقاضے پورے نہ کیے جائیں، اس وقت تک اس کا استعمال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اس کا کوئی جواز ہے؟ کیا کوئی جواز دیا گیا؟ پارلیمانی روایات کے تابع ان کا استعمال صرف اس وقت ہوتا ہے جب قوم خدانخواستہ کسی بہت بڑے ابتلا میں پھنس جائے، جب قوم پر کوئی ناگہانی آفت آ جائے۔ جب قوم کے لیے ناگزیر ہو جائے کہ اگر ہم نے یہ تمام ضابطے، تمام تکمیلات، تمام تر مقتضیات کو پورا کیا تو وقت گزر جائے گا۔

Syed Zafar Ali Shah: Point of Order, Sir.

جناب ڈپٹی سپیکر: جی سید ظفر علی شاہ صاحب۔

Minister for Industries (Syed Zafar Ali Shah): Sir, I want to draw your attention to Rule 226, It says that the subject matter of every speech shall be relevant to the matter before that Assembly and following that there is a rule regarding irrelevancy or repititions According to Rule 230, the Speaker after having called the attention of the Assembly to the conduct of a member who persists in irrelevance or a todious repitition, either of his own argument or argument of any other members in debate

may direct him to discontinue his speech.

Sir, I don't want to curtail the right of the member to speak and to the fullest of his desire Sir, But I simply want to say Sir, that there should not be repitition. We have heard the honourable member saying that the law is blind that justice is blind at least I remember three times and Sir, he says that urgency, in case of urgency

اگر کوئی جنگ لگے یا کوئی ایسے حالات تو کبھی اسمبلی میں پیدا نہیں ہوتے کہ آخر ضرورت کو قرار نہ دیا جائے۔ عام حالات میں اگر ویسے بھی even ذرا it Otherwise the word urgency does اشد ضرورت means not mean عجلت، جلدی اور جلدی ہے۔

and the Bill has been presented and has been discussed in the Standing Committee and even otherwise Sir, the meaning of urgency has been wrongly interpreted. I would Sir, expect from a member of the calibre of, the Deputy leader of the majority in the opposition Sir, that he should at least kindly inform the House correctly. The meaning of 'urgency' does not mean عجلت۔ جلدی Urgency means اشد ضرورت

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا! اگر واقعی میں اپنی تقریر کا وہی طریقہ کار اختیار کرتا جو فاضل وزیر صاحب نے اپنی تقریر کے دوران اختیار کیا تھا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے ٹوکنے میں یقیناً حق بجانب ہوتے۔ میں نے تو احتیاط برتی کہ وہ طریقہ کار نہیں اختیار کیا جو کہ انہوں نے کیا تھا اور میں اللہ کی مہربانی سے انتہائی قواعد اور قانون کے تابع اپنے آپ کو relevant کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ رہا سوال urgency کے معنی کا تو میں اپنی طرف سے نہیں دے رہا۔ وہ کتاب جو اس سیکرٹریٹ نے مجھے دی ہے، وہ ترجمہ جو اس قومی اسمبلی کے سیکرٹریٹ نے مستند طور پر کر کے اراکین اسمبلی کو دیا ہے، اس کے صفحہ 42 کو اگر کھول کر میرے محترم دوست پڑھنے

کی زحمت گوارا کرتے تو اس میں لکھا ہوا ہے کہ اشد ضرورت کی صورت میں رکن انچارج تحریک پیش کرسکتا ہے۔ یہ معنی میں نے نہیں کیے۔ یہ میری صراحت نہیں ہے۔ یہ وہی صراحت ہے اب پھر کہیں گے کہ صراحت کو تین دفعہ کہہ دیا۔

جناب ڈپٹی سپیکر: حاجی صاحب آپ اپنی تقریر پر آ جائیں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: وہ آ گئے ہیں نا بیچ میں!

Syed Zafar Ali Shah: I'll wait and reply on the basis of my right of reply or personal explanation.

حاجی محمد سیف اللہ خان: وہ right استعمال کر لیں۔

Mr. Deputy Speaker: Haji Sahib, please come to your mainstream.

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا! تو میں عرض کر رہا تھا کہ کیا mover نے اشد ضرورت کی تصریح کی ہے، کیا وہ متقضیات انہوں نے بتلائے ہیں کہ کس چیز کے پیش نظر، وہ یہ تحریک پیش کر رہے ہیں کیونکہ قواعد کے تابع تو صرف اس صورت میں (ii)92 کی تحریک آ سکتی ہے جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس کے پیش کرنے کے لیے اشد ضرورت لاحق ہے۔ چونکہ ایسی کوئی چیز نہیں بیان کی گئی ایسی کوئی ضرورت ایوان کے سامنے پیش نہیں کی گئی، اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک ہی سرے سے خلاف ضابطہ ہے اور یہ قواعد کے خلاف ہے۔ اب سوال رہ گیا کہ جب تحریک ہی سرے سے خلافِ ضابطہ ہو، جب تحریک ہی قانون و قواعد کے خلاف ہو تو پھر کیا ایوان اس پر کوئی فیصلہ دے سکتا ہے۔ کیا وہ ہاؤس میں put ہو سکتی ہے؟ میری ناقص رائے میں قطعاً نہیں اور جب یہ تحریک ہی baseless ہے، اس تحریک کا ہی کوئی سر پیر نہیں ہے۔ اس کے متقضیات ہی پورے نہیں کیے گئے تو اس کو move کیسے کیا جا سکتا ہے، اس پر فیصلہ کیسے دیا جا سکتا ہے، اس پر غور کیسے کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد اگر آپ اسے کسی بات پر باضابطہ بھی قرار دیں اور اس پر فیصلہ بھی کریں تو میں کہوں گا کہ کیا یہ روایت قانون سازی کے سلسلہ میں بلاضرورت قواعد کو معطل کر کے اور اراکین اسمبلی کو یہ موقع فراہم نہ کر کے کہ وہ اس کا جائزہ لے سکیں، اس

کو دیکھ سکیں۔ جناب والا! قواعد میں کیوں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ جب بل پیش ہو تو اسے سٹینڈنگ کمیٹی کے پاس بھیج دیا جائے اور جب سٹینڈنگ کمیٹی کی رپورٹ آ جائے تو پھر رپورٹ کے پیش ہو جانے کے سات دن کے اندر اندر اسمبلی کا سیکرٹری تمام اراکین کو اس کی نقول فراہم کرے گا۔ اس وقت تک کوئی نقول فراہم نہیں کی گئیں اور ان کو فراہم کرنے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ میں قانون سازی کے مضمرات بتا رہا ہوں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پھر اراکین اسمبلی کو اس قانون کو اچھی طرح دیکھنے اور پڑھنے کا موقع مل سکے اور پھر قواعد کے مطابق وہ اپنی تحریکات پیش کر سکیں۔ انہی قواعد میں لکھا گیا ہے کہ کسی قانون میں کوئی ترمیم دو clear days کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔ اسی قانون کے تحت کوئی تحریک جو کہ 95 کی موشن ہو دو clear days کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب اشد ضرورت بھی نہیں ہے اور اس کی کاپیاں آج فراہم کی گئی ہیں، تو (2)92 میں یہ واضح طور پر لکھ دیا گیا ہے کہ جس دن یہ رپورٹ پیش ہوگی، جس دن کاپیاں فراہم ہو جائیں گی، اس کے درمیان اور motion for consideration at one کے درمیان دو clear days کا وقفہ ہونا چاہیے اور دو دن سے قبل کوئی تحریک پھر ایسی پیش نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اراکین کو موقع دیا جائے کہ اس میں جو ترامیم دہ تجویز کر سکتے ہیں، وہ ترامیم تجویز کر لیں۔ اراکین کو موقع فراہم کیا جائے کہ وہ قاعدہ 95 کے تحت جو ان کو حق دیا گیا ہے۔

circulating for eliciting public opionion

اس حق کو وہ استعمال کر سکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس قانون کا بغور جائزہ اور مطالعہ کر سکیں۔ مجھے بتائیں کہ کیا کسی متمدن معاشرہ میں اس قسم کی قانون سازی کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکومتیں ہمارے ملک میں قانون بناتی ہیں تو وہ گھبرا جاتی ہیں، وہ بحث مباحثہ نہیں چاہتیں، وہ اس کے تمام عواقب کی طرف نظر نہیں دوڑانا چاہیں۔ جلدی میں قانون بنا دیتے ہیں، جلدی میں انہیں پاس کر دیتے ہیں اور یہ اسی جلد بازی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ پھر یا تو خود اس میں پھنس جاتی ہیں اور پھر جب پھنس جاتی ہیں تو پھر جلدی بازی میں آرڈیننس نکالتی ہیں اور جب آرڈیننس

جلد بازی میں نکالتی ہیں تو پھر ان آرڈیننس کو جلد بازی میں ایکٹ بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ پھر اٹارنی جنرل صاحب کی خدمات حاصل ہو جاتی ہیں کہ جناب اب آپ ہی ہماری مدد کو آیئے۔ اب آپ ہی ہمارے لیے کچھ کیجیے اور پھر راتوں رات ان کا ٹائپ رائٹر چلنے لگ جاتا ہے اور پھر اس میں ترمیمات ہوتی ہیں۔ یہ اسی جلد بازی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آج جا کر آپ لیگل سرکل سے پوچھیے، آج بار کونسل سے جا کر پوچھیے، یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ کون سی ترمیم ہوئی، کب ہوئی، کیسے ہوئی؟ دنیا میں تو کوئی ایک ترمیم شاذ و نادر ہی آتی ہے۔ قانون کیسے بنتے تھے۔ لارڈ میکالے کے قانون آپ کے پاس پڑے ہیں۔ آج صدی کا عرصہ گزر چکا ہے مجھے بتائیں کہ اس میں ایک دفعہ کا بھی اضافہ کر سکتے ہیں۔ مجھے بتائیں کہ اس میں زبر زیر کو بھی تبدیل کر سکے ہیں۔ کیونکہ قانون کو قانونی انداز سے بنایا جاتا تھا۔ قانون کو قانون کے تقاضے پورے کر کے لیجلیٹ کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے جناب والا! کہ کیوں رکھا گیا ہے کہ ایک دفعہ کمیٹی میں پیش ہو جائے، کمیٹی سے آ جائے، پھر اس کے بعد آپ اس کے لیے سیلیکٹ کمیٹی بنا سکتے ہیں۔ وہاں سے رپورٹ آ جائے، پھر اس کو رائے عامہ کے لیے مشتہر کر سکتے ہیں کہ وہاں سے آ جائے پھر سپیشل کمیٹی بنا سکتے ہیں، وہاں سے آ جائے پھر اس ہاؤس میں رکھیں، آپ اس کی پوری باریکیاں دیکھ سکتے ہیں۔ آج بھی جا کر دیکھیے امریکہ میں بعض قوانین ایسے پڑے ہیں جو ڈھائی سال سے، ڈھائی سال تو پہلے کی مدت تھی، اب میرے خیال میں تین ہو گئی ہے، تین سال سے قوانین پڑے ہوئے ہیں، ان پر غور و خوض ہو رہا ہے، بحث ہو رہی ہے، قانون مکمل نہیں ہو رہا۔ قانون قوموں کے لیے ہوا کرتے ہیں۔ خاص وقت کے لیے نہیں ہوا کرتے۔ قانون قوم کی زندگی تک کے لیے ہوا کرتے ہیں۔ وہ صرف نذر کرنے کے لیے یا وقتی ضرورت کے لیے یا اپنے آپ کو بچانے کے لیے نہیں بنا کرتے۔ اس ملک میں بھی بعض مثالیں ہیں۔ ویسٹ پاکستان لینڈ ریونیو ایکٹ دو سال میں بنا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے کم ترمیمیں اگر کسی قانون میں آئی ہیں تو وہ اس ویسٹ پاکستان لینڈ ریونیو ایکٹ میں آئی ہیں کیونکہ اس کی ہر چیز کی پورے طریقے سے چھان بین کی گئی تھی۔ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ بھی ہم نے راتوں رات جلد بازی میں منظور

کروائے، دوسرے قانون بھی ہم نے منظور کروائے اور پھر منظور ہو جانے کے بعد ہمیں ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ ہم ان کے لیے فوری طور پر آرڈیننس اور ترمیمات کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کار قطعی طور پر نامناسب ہے۔ جناب والا! جو صراحت قانون میں کر دی گئی ہے، جو صراحت قواعد میں کر دی گئی ہے۔ جو انداز قواعد میں لکھ دیا گیا ہے کہ قانون بناتے وقت کن کن چیزوں کو کن کن تقاضوں کو پورا کرنا ہے، وہ جب تک ہم پورے نہیں کریں گے، میں سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے فرائض سے کوتاہی کریں گے۔ ہم قطعی طور عوام کی خواہشات پر پورا نہیں اتریں گے اور ہمارے ملک میں قانون کا احترام نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

Syed Zafar Ali Shah: Sir, I didn't want to interrupt but there is something which compels me to say something.

ہمیں mental depression کا الاؤنس دیا جائے۔ ایسی تقاریر سننے کے بعد ممبران کو mental depression کا الاؤنس دیا جائے۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: ۔ گر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ چونکہ انڈسٹریز میں ان کا واہ ہی دن رات depression سے پڑتا ہے اور واقعی میں سمجھتا ہوں کہ انہیں لازمی طور پر اپنے دماغ کی depression دی جائے۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: جناب والا! جب یہ ہو جائے تو اس کا سائیکالوجسٹ سے علاج ہونا چاہیے نہ کہ............

جناب ڈپٹی سپیکر: یہاں لیگل مشورہ چاہیے۔ میڈیکل مشورہ نہیں چاہیے۔

ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری: پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا وزیر صنعت صاحب نے فرمایا ہے ڈپریشن الاؤنس، میں عرض کروں گا کہ وہ بیلنسنگ اینڈ ماڈرنائیزیشن الاؤنس بھی لے لیں، اس کی بھی اشد ضرورت ہوگی!

حاجی محمد سیف اللہ خان: آپ کا depression تو ایک سال کے بعد due ہوگیا ہے۔ جناب والا! کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں قانون تو بنتے ہیں، ہمارے ملک میں قانون کو قانونی حیثیت دی جاتی ہے، مگر قانون موثر نہیں ہوتے۔ اس کی واحد وجہ بھی یہی ہے کہ قانون بناتے وقت نہ تو ہم ایوان کو اعتماد میں لیتے ہیں اور نہ

عوام کو اعتماد میں لیتے ہیں اور جن قوانین کے پس پردہ ایوان کا اعتماد یا عوام کا اعتماد نہیں ہوا کرتا پھر وہ قانون ردی کے ایک ٹکڑے کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہوتے، پھر معاشرہ اور قوم اس کی عزت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ چونکہ موجودہ قانون واضح طور پر اہمیت کا حامل قانون ہے، یہ وہ قانون ہے جس کی طرف پوری قوم کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ وہ قانون ہے جس کے ذریعے سے یہ ایوان معرض وجود میں آیا تھا۔ اگر اس قانون میں ترمیم کرتے وقت ہم نے ماضی کی سی جلد بازی کو روا رکھا تو میں سمجھتا ہوں کہ عوام کو نہ صرف اس قانون سے جو یہ ایوان پاس کرے گا، اعتماد اُٹھ جائے گا بلکہ اس ایوان سے بھی اعتماد اُٹھ جائے گا کہ یہ تو ہمارے حقوق کے کسٹوڈین ہیں، یہ تو ہمارے حقوق کے محافظ ہیں، اگر یہ اپنے حقوق کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے تو ہمارے حقوق کی حفاظت یہ کس طرح کریں گے۔ جناب والا! چونکہ قواعد میں قطعی طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی معطّلی اشد ضرورت کے وقت ہو سکتی ہے اور اشد ضرورت کا کوئی بھی اشارہ نہ تو اس موشن سے ملتا ہے اور نہ اس کی وضاحت میرے انتہائی فاضل دوست وزیر عدل نے کی ہے، تو میری استدعا ہے کہ یہ موشن ہی خلاف ضابطہ ہے اور اس موشن کو پیش ہی نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ شرائط پوری نہ کریں جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ اگر آپ اس کو کسی بھی صورت میں **admissible** قرار دے دیں تو یہ قانون سازی کے طریق کار کے منافی ہے اور اس طرح سے جلد بازی میں ہمیں قطعی طور پر کوئی ایسا قانون نہیں بنانا چاہیے جو عوامی نوعیت کا ہو جو عوامی اہمیت کا ہو اور جس میں پورے نو کروڑ عوام کی دلچسپی وابستہ ہو۔ اس قانون کے ساتھ ہمیں ماضی کی روایات کو اپناتے ہوئے ماضی کا سا مذاق نہیں کرنا چاہیے اور اس قانون کو پوری چھان پھٹک، اطمینان کے ساتھ بلکہ اس کے ساتھ پورے قانون کا بھی جائزہ لینا چاہیے تا کہ ہم دیکھ سکیں کہ کس حد تک ریلیوینسی ہے، کس حد تک نہیں ہے۔ اس کی ضرورت ہے بھی سہی، اس کی ضرورت نہیں بھی ہے، کیا ہمیں اس کا جواز پہنچتا ہے کہ جب ہم نے انتخاب لڑا تو یہ شق موجود تھی اور آج جب انتخاب لڑنے کے بعد یہ شق ہم پر حاوی ہونے لگی تو ہم نے اپنی راہ کے روڑے کی طرح اس کو ہٹانے کو کوشش کی، یہ قانون سازی کا طریقہ کار نہیں ہے،

میں جناب وزیر عدل سے استدعا کروں گا کہ وہ قانون سازی کے ساتھ بھی عدل کریں اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اطمینان سے سکون سے تمام قواعد کے طریقہ کو اپناتے ہوئے قانون کو اہم بنائیں اور وہ قانون جب یہ ایوان بنا کر دے گا تو اس کے ساتھ عوام کا اعتماد بھی وابستہ ہوگا، اس ایوان کا اعتماد بھی وابستہ ہوگا اور وہ قانون اس ملک اور قوم کے لیے ایک موثر قانون کی حیثیت رکھے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ ماضی کی طرح فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اس موشن کو واپس لیں گے اور قانون سازی کو قانون سازی کے مروجہ طریقہ کے مطابق پاس کرانے کی کوشش کریں گے تا کہ ہم یہ ثابت کرسکیں کہ یہ ایوان کوئی بھی قانون جلد بازی میں بنانے کے حق میں نہیں ہے اور ہم جب بھی کوئی قانون بناتے ہیں تو وہ قوم، ملک اور ملت کے لیے ہوتا ہے اور اس کے تمام عواقب کو سامنے رکھ کر تمام چھان پھٹک کر کے ہم بناتے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ بڑی مہربانی۔

Syed Zafar Ali Shah: Sir, with your permission on a point of personal explanation. The honourable member who just spoke, mentioned that he was translating rules in Urdu and in Urdu urgency was written as Ashad Zaroori. Sir, I do not think that in the legal terminology the Urdu translation of legal and technical words is acceptable. I think, it is english terminology which is acceptable. There is urgency or not, Sir, the honourable Law Minister has moved it. Sir, the urgency is seen by the Government that is why the Government is moving the Bill. It is in this particular case, the Government is moving the Bill. The point is, Sir, that unnecessary urgency is not favourable to Government also because there might be something wrong in the Bill itself which might have escaped Government's attention. Therefore, it is not in favour of the Government itself to consider Bills and bring them here in urgency. So, it is both ways. It is not only for the Opposition, it is for the Government also. So, if the Government considers .it. necessary that it is urgent,

then they should be taken at their face value, Sir. the Last thing I want to say is that certain Bill, the honourable members will agree, run through the House in urgency, in haste and under pressure. I will say, Sir, similar is the case of a Bill which is on the Orders of the Day. Now, will the honourable member accept the suggestion in that respect that that the Bill should be circulated or should be sent to Standing Committee or should be given to Select Committee for consideration. Perhaps, he will drop the suggestion like a hot brick. Sir, I want to say that if you want to punish somebody for sacrilege, also punish somebody who is making the false accusation. You may always make a law which is against the orders of Islam. But you must punish a person who is making a wrong or false accusation. This is my humble submission we should balance ourself. That is why I want to say that if you want to make the thing even by all means make the objection on this issue, but then allow any reasonable objection to lie made, not objection, but a suggestion to be made in respect of other laws as well. Why not? Sir, this is my humble submission and I have submitted this with utmost humility at my command. Thank you

جناب ڈپٹی سپیکر: جی جناب حاجی محمد سیف اللہ خان۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: جناب والا! جناب وزیر صنعت نے جو **sermon** دیا ہے جس کو خدا کرے وہ خود بھی سمجھ گئے ہوں۔ انہوں نے مجھے یہ تلقین کرنے کی کوشش کی ہے کہ دوسرا بل جو ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدس کے سلسلے میں آ رہا ہے، انہوں نے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ ہم اس میں بھی اسی طریقے سے اپنا طریقہ کار اپنائیں اور اس میں جو معطّلی کی تحریک دی گئی ہے، اس کو بھی ہم مخالفت کریں۔ میں ان پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے۔

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

ناموس مقدس کے لیے ہمیں کسی قاعدے کی ضرورت نہیں ہے، ہمیں کسی طریقہ کار کی ضرورت نہیں۔ ہمیں کسی قسم کی، میں سمجھتا ہوں کہ رکاوٹوں کی ضرورت نہیں ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: یقیناً حاجی صاحب۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: جہاں ناموس رسول اللہ ﷺ آئے گا، اس میں پھر ہمارا طریقہ کار دنیاوی نہیں ہوگا، وہ طریقہ کار خالصتاً دین کے مطابق ہوگا، اس وقت جو طریقہ کار چل رہا ہے، وہ بنیادی طریقہ کار ہے اور جہاں دنیا کا قانون آئے گا، جہاں دنیا کے قانون پر دنیاوی طریقہ کار لاگو ہوگا، اس پر دنیاوی طریق پر بحث ہوگی اور جہاں ناموس رسول اللہ ﷺ کا سوال آئے گا، وہاں دینی طریقہ کار اختیار ہوگا اور وہاں ایک لمحہ پس و پیش بھی برداشت نہیں کیا جائے گا اور اس کے لیے کسی قسم کے قانون قاعدہ ہر چیز سے آقائے نامدار کی حیثیت اور ان کی ذات مقدس بالاتر ہے۔ اس بارے میں ہمیں مشورے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بارے میں ہم بہتر طور پر جان سکتے ہیں اور جو دوسرے بل کے بارے میں انہوں نے ہمیں provoke کرنے کی کوشش کی ہے، ہم قطعی طور پر ان چیزوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی جہاں آئے گا، وہاں ہماری گردنیں کٹ جائیں گی!

جناب ڈپٹی سپیکر: یقیناً حاجی صاحب آپ مہربانی کر کے تشریف رکھیں۔

حاجی محمد سیف اللہ خان: اور اس سلسلے میں ہم نے پہلے ہی پیش کش کی تھی کہ اس بل کو لائیں تا کہ ہم آقائے نامدار ﷺ سے سرخرو ہو سکیں اور اس میں بل کو ہم فوری طور پر پاس کریں۔ یہ دنیاوی بل ہیں، یہ اپنی حیثیت، اس کا موازنہ اس سے کرتے ہیں!

2 جولائی 1986ء

(ڈپٹی سپیکر جناب سردار وزیر احمد جوگزئی کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا۔)

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: پوائنٹ آف آرڈر پر مجھے تھوڑا سا ٹائم چاہیے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: ایسے تو پوائنٹ آف آرڈر پر ٹائم نہیں ملے گا۔ آپ تشریف رکھیں۔ بعد میں آپ وقت لے لیجیے۔

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: جناب میں کارروائی شروع ہونے پہلے ایک گزارش کرنا چاہ رہی ہوں۔ میری گزارش یہ ہے کہ تین دن پہلے ہمارے ڈیسک پر شانِ رسالت ﷺ پر ایک بل پیش ہوا تھا جو آرڈرز آف دی ڈے کی نذر ہوگیا۔ تو میری یہ درخواست ہے کہ ساری کارروائی روک کر پہلے اس بل کے بارے میں فیصلہ کیا جائے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: محترمہ! شکریہ۔ یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا۔

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: جو بھی بنتا ہے، جب تک اس بل پر کارروائی نہیں ہوتی......

جناب ڈپٹی سپیکر: وہ آجائے گا اپنے ٹائم پر۔

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: میں تو جی احتجاجاً واک آؤٹ کر رہی ہوں۔ جب اس بل پر بحث ہو تو پھر مجھے بتا دیا جائے، پھر میں ہاؤس میں آجاؤں گی، کیونکہ میں یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ اس بل کو آرڈر آف دی ڈے کی نذر کر کے ہم دوسری کارروائی چلاتے رہیں اور اتنی اہم اور اتنی اولیت والی چیز جو ہے اس کو مؤخر کر دیں۔ لہٰذا میں احتجاجاً واک آؤٹ کرتی ہوں۔ (بیگم نثار فاطمہ زہرہ واک آؤٹ کر گئیں)

9 جولائی 1986ء

The Minister of State for Justice and Paliamentary Affairs (Mr. Mir Nawaz Khan Marwat): Sir, I beg to introduce a Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898, [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986].

Mr. Speaker: The Bill has been introduced.

Mir Nawaz Khan Marwat.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: Sir, before I move

the second motion, I would like to see the mood of the House whether the House will continue, because this will be pertaining to the dispensation of the requirements of rule 91 and thereafter the subsequent one.

Mr. Speaker: You put the motion first then the House will decide itself.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: All right, Sir. I beg to move:

"That the requirements of rule 91 of the Rules of Procedure and Conduct of Business in the National Assembly, 1973, in regard to the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Cirminal Law (Amendment) Bill, 1986], be dispensed with.

Mr. Speaker: Motion moved:

"That the requirements of rule of the rules of Procedure and Conduct of Business in the National Assembly, 1973, in regard to the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be dispensed with."

Anybody to oppose?

مولانا گوہر رحمان: اس کی ہم تائید کرتے ہیں لیکن اس کی کاپی ہمیں نہیں ملی۔

جناب سپیکر: کاپیاں ہمارے پاس اور لائبریری میں موجود ہیں، ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آپ کے لیے لائیں۔

سید اسعد گیلانی: میں یہ عرض کروں گا کہ اس کے بارے میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس میں پورے ہاؤس کی consensus موجود ہے۔ اس کو formally گزار دینا چاہیے اور ہمیں اس کو پاس کر کے جانا چاہیے۔

جناب سپیکر: ہماری کوشش تو یہی ہے لیکن We have to go

تو دس **through the formalities and the procedure.** منٹ کی بات ہے۔ اگر سارا ایوان تعاون کرے تو اس میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

جی لیاقت بلوچ صاحب! پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب لیاقت بلوچ: جناب سپیکر! اگرچہ یہ پہلے **serve** کر دی گئی تھیں اور ابھی تک کاپیاں نہیں آئیں، یہ ایک ایسی بات ہے جس پر کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور اس کا فیصلہ ابھی ہونا چاہیے۔ لیکن اگر اس کا تھوڑا سا انٹروڈکٹری بتا دیا جائے کیونکہ جب اسے پہلے **serve** کیا گیا تھا اس ......

جناب سپیکر: جناب! اس وقت وہ سٹیج تو نہیں ہے، وہ تو **last** میں آئے گی۔

جناب لیاقت بلوچ: جناب والا! **last** میں تو آئے گی لیکن ابھی جو رولز کو **suspend** کرایا جا رہا ہے اور ساری چیزیں ہو رہی ہیں تو یہ ایک ایسا مرحلہ ہے کہ اگر اس وقت تھوڑا سا بتا دیا جائے، کیونکہ اس پر ایک میٹنگ ہوئی تھی اور میٹنگ کے بعد یہ فیصلہ ہونا تھا اور اسی پر محترم وزیر صاحب نے یہاں پر بتانا تھا تاکہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے۔

جناب سپیکر: جی یہ بالکل قواعد وضوابط کے خلاف ہے۔ مجھے اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اب اگر اجازت ہو تو میں کوئسچن پُٹ کروں؟

The question is:

"That the requirements of rule 91 of theRules of Procedure and Conduct of Business in the National Assembly, 1973, in regard to the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be dispensed with."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: Honourable Minister of State for Justice:

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: Sir, I beg to move:

"That the requirements of sub-rule (2) of rule 92 of the Rules of Procedure and Conduct of Business in the National Assembly, 1973, in regard to the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986] , be dispensed with."

Mr. Speaker: The question is:

"That the requirements of sub-rule (2) of rule 92 of the Rules of Procedure and Conduct of Business in the National Assembly, 1973,. in regard to the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be dispensed with."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: Honourable Minister of State for Justice.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: Sir, I beg to move:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be taken into consideration at once."

Mr. Speaker : Motion moved:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of,Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be taken into consideration at once."

Honourable Minister of State for Justice.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: As correctly pointed out by the honourable members of this august House, Mr. Liaqat Baluch and Maulana Gohar Rehman, it is correct that we had a meeting and wanted that this Bill pertaining to the Holy Prophet of Islam (peace be upon him) should be in a way that it should be

acceptable to every Muslim and it should meet the ends of justice; as the person who passes any derogatory remarks pertaining to the Holy Prophet, defiles the holy name of the Holy Prophet, he should be dealt with in a way! in a manner that lie is calpable of, because no person can be tolerated in Pakistan the base of which is Islam and which the Quaid-e-Azam, the Father of the Nation, had correctly stated that there will be an era of Islam and the future law of the country would be based on Quran and Sunnah.

Sir, the Holy Prophet is not only the Prophet of Pakistan but he is the Holy Prophet of Islam and the last of all the Prophets of God. No Prophet after the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) has to come. So, in the law, it was pointed out that there was no such appropriate section to meet the ends of justice pertaining to this offence. Thus this Bill was introduced and subsequently a meeting' was held in which the Ulema from different schools of thought in this august House and myself participated. In the Bill, we have proposed that the sentence would be imprisonment for life and fine, I mean, both. It is not 'or'. It was mutually agreed upon in the light of religion, the Quran, the Sunnah and the Shariah, and it was the mutual agreement of all of us that there will be an amendment in the Bill and and I introduce it, with your permission, Sir, here, which will satisfy every Muslim of this country, because we cannot tolerate anyone who passes any remarks against the Holy Prophet and he is not strongly dealt with.

Sir, the amendment would be to clause 2, the new section.

Mr. Speaker: Minister of State, before you proceed

any further, we have not received a copy of the amendment.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: The amendment can be proposed orally also.

Mr. Speaker: It cannot be proposed orally. I have to repeat it and, unless I have it, I cannot repeat it. All right, you read it and then I will read.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: Only a word is to be substituted, a word or two in one place and a word or two in another place. The Deputy Secretary can write that down. In cluase 2, where section 295-C concludes, the words are "punished with imprisonment for life, and shall also be liable to fine." Here, after "punished with", I would add the word "death", then comma, then "or imprisonment for life, and shall also be liable to fine."

Here, Sir,as in the murder case under 302 PPC, the punishment provided for the offence.

Mr. Speaker: If you permit me, I will have to move this amendment. I need a copy of the amendment.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: I will write it down in the Bill myself.

Mr. Speaker: Please continue. We can move it when we discuss this clause by clause.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: So, the amendment is that he "shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine."

Then again, Sir; there is an amendment in clause 3. In section 295-C, in column 7, for "imprisonment for life" there will be "death, or imprisonment for life" and fine." Similarly, Sir, in column 8, where the "Court of Session" is written and below is given "Ditto", it will be "Court of Session which will be presided over by a Muslim."

This is the entite amendment, Sir.

جناب والا! حضور سرور کائنات ﷺ سے اس کا تعلق ہے اور ہم تمام مسلمانوں کی یہ خواہش ہے، دلوں کی خواہش ہے، اس لیے یہ امنڈمنٹ مختصر نوٹس پر اس میں شامل کی گئی ہے اور میرے خیال میں اس سے گستاخانِ رسول ﷺ کے لیے مناسب سزا کا بندوبست کیا گیا ہے اور آئندہ کوئی بھی گستاخ رسول، حضور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

جناب سپیکر: جی شکریہ۔ جی مولانا گوہر رحمان! پوائنٹ آف آرڈر۔

مولانا گوہر رحمان: جناب! یہ بل جو پیش ہوا ہے، اس کے پیش کرنے کی تو ہم تعریف کرتے ہیں اور بڑا اہم بل ہے، لیکن اس سلسلے میں، میں یہ وضاحت کی اجازت چاہتا ہوں کہ ساری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ مجھے ایک قول بھی نہیں مل سکا، اس بات پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا موت نہیں ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں ہے۔ دلائل کیا ہیں؟ دلائل میرے پاس اب بھی موجود ہیں، اگر ضروری سمجھتے ہیں تو میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ (عربی) جو اللہ کے انبیا میں سے کسی نبی کو گالی دیتا ہے، گستاخی کرتا ہے، توہین کرتا ہے، اسے قتل کر دو، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی صحابیؓ کی توہین کرتا ہے، اسے کوڑے مارو۔ اس کے لیے قتل کا حکم نہیں ہے، سنگین سزا کا حکم ہے۔ صحابہؓ کی توہین کرنے والے کے بارے میں۔ اس سلسلے میں مشہور عالم محدث شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے، اس میں احادیث رسول ﷺ جمع کی گئی ہیں، تقریباً بیس سے زائد احادیث اور آیات قرآنیہ جمع کی گئی ہیں، اور میرے پاس وہ موجود ہیں۔ کتابیں میرے کمرے میں پڑی ہیں۔ ان سے ثابت کیا ہے، قرآن کی آیات و احادیث سے۔ اسی طرح مشہور عالم ابن عابدین شامیؒ جو فقہ حنفی کے محدث ہیں، اس نے کتاب لکھی ہے، وہاں بھی قرآن و حدیث کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا، سزائے موت ہے۔

اسی طرح تقی اللہ السبکی رحمۃ اللہ، امام السبکیؒ بہت بڑے محدث ہیں، اسلامی قانون کے ماہر ہیں، جس طرح کہ ہمارے جناب اقبال صاحب مروجہ قانون کے ماہر ہیں تو امام السبکیؒ اسلامی قانون کے ماہر ہیں۔ اس نے کتاب لکھی ہے۔ ان کتابوں میں قرآن و احادیث کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ گستاخی کرنے والے کی سزا اور کچھ نہیں ہے سوائے موت کے۔ اور اس پر شاذ قول بھی مخالف نہیں ہے۔ ساری امت متفق ہے اس بات پر۔ اس لیے ہم نے وزیر مملکت کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو منظور کیا جائے، لیکن جو سزا مقرر ہے، وہ سزا ہونی چاہیے اور کہا تھا ہم نے کہ یہ لکھنا چاہیے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا، سزائے موت ہے۔

ساتھ یہ کہا تھا کہ شق نمبر 2 آپ بڑھا دیں، شق نمبر 2 میں لکھ دیں کہ اگر پورے لوازمات کے ساتھ توہین ثابت نہ ہوئی اور جج کو کوئی شبہ پڑ گیا کہ توہین ہوئی ہے یا نہیں ہوئی تو شبہ کی بنیاد پر وہاں سزائے موت کے بجائے عمر قید یا عمر قید سے کچھ کم سزا بھی جج دے سکتا ہے، شبہ کی بنیاد پر۔ لیکن یہ شق نمبر 2 میں بڑھانا چاہیے۔ یہاں پھر انہوں نے وہ ''یا'' لکھ دیا ہے۔ تو اب میں قانون کا ماہر تو نہیں ہوں، اور ایک لحاظ سے اگر کہوں تو جس قانون کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے، اس قانون کا ماہر تو میں نہیں ہوں لیکن اس شریعت کے قانون کا ایک طالب علم میں ہوں اور شاید ہمارے وزیر مملکت کو تو اور بڑی مہارت حاصل ہے۔ لیکن امید ہے کہ شریعت کے قانون میں مجھے جو تھوڑا بہت اللہ نے علم دیا ہے، وہ کچھ کم نہیں ہوگا۔ لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں کہ ان کے مروجہ قانون کا میں ماہر نہیں ہوں۔ لیکن ''یا'' کے معنی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ سزا، سزائے موت بھی ہو سکتی ہے اور سزا عمر قید بھی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ سزا تو سزائے موت ہے۔ اس پر تو اتفاق ہے۔ تو ''یا'' کا مفہوم میں تو یہ سمجھا ہوں۔ اگر کوئی اور مفہوم ہے تو ہمیں مطمئن کیا جائے۔ سزا تو سزائے موت ہے۔ البتہ شبہ کی بنیاد پر جج سزائے موت کی جگہ دوسری سزا دے سکتا ہے، لیکن سزا موت ہے۔

پھر ہم نے یہ تیسری شق (ب) بڑھائی جس میں یہ لکھنا پڑے گا کہ اس

مقدمے کی سماعت، توہین رسول ﷺ کے مقدمے کی سماعت مسلمان جج کرے گا۔ (مداخلت) یہ ہے اس میں؟ اچھا۔شکریہ! تو اس ''یا'' کے مفہوم کو میں نہیں سمجھا۔سزا تو سزائے موت ہے۔البتہ اگر لوازمات کے ساتھ یہ جرم ثابت نہ ہو تو شبہ کی بنیاد پر دوسری سزا دی جاسکتی ہے اسلام میں۔لیکن اصل سزا سزائے موت ہے۔تو اگر اس کا مفہوم یہی ہے جو میں نے تقریر میں بیان کیا تو پھر تو اس میں بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور ہم اتفاق رائے سے منظور کرلیں گے۔

جناب سپیکر: جی شاہ تراب الحق صاحب!

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: یہ بالکل درست ہے، جناب سپیکر! کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا ارتکاب کرے، اس کی سزا فقہ اسلامی میں سوائے سزائے موت کے اور کچھ نہیں ہے۔علامہ تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ دلائل اور براہین سے مزین ومرقع ہے۔اس میں بھی اسی قسم کے دلائل ہیں۔حنفی فقہا کے بہت بڑے امام علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ، فتاویٰ عالمگیری و دیگر فتاویٰ کی کتب میں بھی یہی بات موجود ہے کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا ارتکاب کرے، سزائے موت کے علاوہ اس کی کوئی سزا نہیں، اور اس میں کسی قسم کا امت میں کوئی اختلاف نہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ، جیسا کہ مولانا گوہر رحمان صاحب نے فرمایا، محترم وزیر قانون صاحب سے ہماری اس سلسلے میں نشست ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی کہا گیا تھا کہ اس میں شق نمبر 2 کا اضافہ کر کے وہ جرم جب اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت نہ ہو تو اس سلسلے میں عمر قید یا جرمانے کی سزا دی جاسکتی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہی ترمیم اس میں بھی ہونی چاہیے اور ہم نے جس ضرورت کو محسوس کیا، اگر یہ قانون جو آپ نے پڑھ کر سنایا، یہ اگر اس ضرورت کو پورا کرتا ہو، اس سے کوئی راہ فرار نہ نکلتی ہو کہ ہم نے کسی منصف کو یہ اجازت دے دی کہ جو شخص بھی گستاخی رسول ﷺ کا ارتکاب کرے تو چاہے اس سے جرمانہ لے لیا جائے یا عمر قید کر دی جائے، اگر وہ چاہے تو اسے سزائے موت دے، اگر اس کی تعبیر یہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلط ہوگا اور بحث کا ایک

طویل سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ جس پر ہم نے اتفاق کیا وہ یہی ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا صرف اور صرف سزائے موت ہے۔

میں محترم سپیکر! آپ کے توسط سے یہ گزارش کروں گا کہ اس میں دفعہ 295 ج کا جو اضافہ کیا گیا، پیغمبر اسلام اور انبیا کرام علیہ السلام، اگر یہ ہو، اتنا اضافہ بھی اس میں اور ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت مناسب ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا ماضی الضمیر وزیر قانون یقیناً سمجھ گئے ہوں گے۔

جناب سپیکر: لیاقت بلوچ صاحب!

جناب لیاقت بلوچ: جناب سپیکر! میں نے پرائیویٹ ممبر کی حیثیت سے تعزیرات پاکستان میں ترمیم کے لیے یہ بل دیا تھا اور اس میں جو میری تجویز تھی اور جو میں نے اپنی ناقص رائے کے مطابق دیا تھا، اس میں سزائے موت اور عمر قید کا ذکر تھا۔ لیکن جب میں نے مزید اس پر کچھ مطالعہ کیا، محترم علمائے کرام سے اس سلسلے میں رابطہ کیا تو اس میں بالکل یہ بات واضح ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے سزائے موت کے سوا کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ اس میں قرآن کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس طریقے سے ابھی محترم وزیر مملکت برائے قانون کی طرف سے جو ترمیم پیش کی گئی ہے، ایک تو میں سمجھتا ہوں کہ جس انداز میں یہ ترمیم پیش کی گئی ہے، شاید یہ ہماری پارلیمانی روایات کا کوئی اچھا حصہ نہیں ہے، اس لیے ہم قرآن وسنت کے مطابق اس میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ مظاہرہ ہونا چاہیے تھا۔ اسی طریقہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو سزائے موت اور عمر قید اور جرمانے کا ذکر کیا جا رہا ہے، وہ بالکل ایک روائتی انداز میں ہے کہ جیسے پہلے تعزیرات کے اندر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب آپ اس نئی ترمیم کو قرآن وسنت کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں، دین کی تعلیمات کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں، اس لیے بالکل اس کی الگ سے وضاحت ہونی چاہیے اور اس میٹنگ میں جس کا مولانا تراب الحق صاحب نے ذکر کیا ہے، یہ طے ہو گیا تھا کہ سزائے موت کا واضح طور پر الگ سے اس کے اندر حصہ ہونا چاہیے اور دوسری شق کا اضافہ کرتے ہوئے اس کے اندر اس کی وضاحت کی جانی

چاہیے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح خوش اسلوبی سے یہ معاملہ طے کیا گیا تھا۔ محترم وزیر مملکت اس کا اسی کے مطابق یہاں اعلان کریں تاکہ پورا ہاؤس پورے اعتماد کے ساتھ اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس فیصلے کے اندر حصہ لے سکے۔ بہت شکریہ۔

جناب سپیکر: جناب حمزہ!

جناب حمزہ: جناب سپیکر! علمائے کرام اور حکومت کے درمیان اس بارے میں جو مذاکرات ہوئے ہیں، مجھے تو ذاتی طور پر اس کا علم نہیں، لیکن جس انداز میں ایوان میں گفتگو کی جا رہی ہے، ایک طرف تو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ بہت ہی بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ جس تیزی سے اسے پاس کیا جاتا ہے، یعنی جو حضرات اس پر معترض ہیں وہ تمام کی تمام ذمہ داری، سوچ وفکر اور عقل کی یا قانون دانی کی، وہ ہمارے وزیر قانون یا وزیر مملکت برائے قانون پر ڈالتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو بات وہ فرما رہے ہیں، جب وہ کہتے ہیں کہ یہ بہت ہی بڑی اہمیت کا حامل ہے تو مناسب یہ ہے کہ اس بل کو جس تیزی سے پاس کیا جاتا ہے، یہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا اور اسے رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کر دیا جائے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ جب آپ دیکھتے ہیں کہ اتنی اہمیت کا حامل ہے تو کیوں نہ جو لوگ باہر بیٹھے ہیں یا اس ایوان کے جو حضرات اس کے بارے میں شکوک وشبہات رکھتے ہیں یا اس کو بہترین بنا سکتے ہوں، ہر نقطہ نظر سے، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی آراء اس ایوان کے سامنے پیش ہونی چاہئیں۔ ایک طرف فرماتے ہیں کہ یہ کام بہت ہی اہم ہے اور پھر انتہائی جلد بازی سے کیا جا رہا ہے، میں ان دونوں کو آپس میں ملا نہیں سکتا اور سمجھتا ہوں کہ اس انداز سے نہیں کیا جانا چاہیے۔ تو میں ان معروضات کے پیش نظر جناب وزیر مملکت سے، جناب وزیر قانون سے اور علمائے کرام سے بھی یہ کہوں گا کہ اسے رائے عامہ کے لیے مشتہر کیا جائے۔

جناب سپیکر: حمزہ صاحب! میں معذرت سے عرض کروں گا کہ وہ سٹیج گزر چکی ہے۔ اب یہ رائے عامہ کے لیے نہیں بھیجا جا سکتا۔

جناب حمزہ: اگر رائے عامہ کے لیے نہیں بھیجتے تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس حالت میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اسے پاس کیا جائے۔ جب تک ہم اس قانون کو اچھی

طرح سے دیکھتے نہیں اور پورے طور پر سکریننگ نہیں کرتے، اس کا موازنہ نہیں کرتے، اس کے نتائج وعواقب سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں، اس انداز سے اس کو پاس کرنا میں اس کو پسند نہیں کرتا، اس کے حق میں نہیں ہوں۔

جناب سپیکر: شاہ تراب الحق قادری صاحب!

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: محترم سپیکر! تشہیر کے لیے اس وقت بھیجا جائے جب اس معاملے میں دو رائے ہوں۔ اس معاملے میں قطعی دو رائے نہیں ہیں۔ کوئی بھی اگر اس کا تشنہ پہلو ہے، اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس وقت تقریباً ہر مکتب فکر کے علما یہاں موجود ہیں، ہم نے آپس میں بھی اس کو طے کیا۔ اور یہ نہیں کہ یہاں ہم نے یہ بات پوری یوں ہی کہہ دی آپ سے کہ وہ واجب القتل ہے۔ ہم نے اپنے مدارس میں پوری جانچ پڑتال کر کے، جتنے علمائے کرام ہیں، ان سے مزید مشورہ کر کے یہ ساری چیز ہم نے یہاں پیش کی ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حکومت کسی بل کو تشہیر کرنے کا پروگرام بناتی ہے تو یہی ساڑھے چھ فٹ کے حمزہ صاحب ہیں جو اس کی مخالفت کرتے ہیں کہ اس کو تشہیر کرنے کے لیے نہ بھیجا جائے اور فوراً پاس کیا جائے۔ یہ مسئلہ تو بڑا سیدھا سادھا ہے۔ اور اگر کوئی پہلو اس میں تشنہ نظر آتا ہے تو ہم پورے دلائل اور براہین کے ساتھ اب بھی لیس ہیں، اس کے کسی نکتہ پر بحث کی جائے تو ہم اس کے لیے بالکل تیار ہیں۔ محترم سپیکر! اس لیے اس کی تشہیر کرنا اس کو کھٹائی میں ڈالنا ہے۔ یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے زید کے لیے کہا جائے کہ زید کا باپ بکر۔ تو زید کا؟ نہیں، صاحب! اس کو تشہیر کے لیے بھیجا جائے کہ آیا بکر زید کا باپ ہے یا نہیں۔ اس میں دو رائے موجود نہیں۔ تو اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ وقت بھی بچے گا اور اگر جتنے حضرات یہاں موجود ہیں اگر اس کا کوئی پہلو تشنہ سمجھتے ہیں تو اس کے دلائل کے لیے ہم یہاں بالکل موجود ہیں۔ ہر بات کا جواب آپ کو دلیل سے ملے گا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ تشہیر کے لیے اسے بھیجنا کھٹائی میں ڈالنا ہے اور کھٹائی میں ڈالنے کی مثال میں آپ کو بتا دوں کہ کسی زمانے میں جب کسی برتن کو نکل وغیرہ کرنے کے لیے کوئی ایسڈ یا ایسی چیزیں موجود نہیں تھیں تو املی کی بہت سی کھٹائی کر کے اس برتن میں ڈال دی جاتی تھی، تو

یہ اسی طریقے سے کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے حمزہ صاحب کو اپنی رائے بدلنی چاہیے۔ اس ایوان میں اس وقت جتنے بھی علمائے کرام بیٹھے ہیں، ان کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس میں کوئی دو رائیں نہیں ہیں۔ اس لیے فی الفور جو ترمیم علما نے پیش کی ہے، اسے قبول کرتے ہوئے اسے پاس کیا جائے۔ اور اگر اس کی مخالفت کی گئی تو اگر یہاں **50** ہزار کا مجمع ہوسکتا ہے تو دو لاکھ کا مجمع بھی اسمبلی کے باہر ہوسکتا ہے۔ جناب سپیکر! اس خطرے کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

جناب سپیکر: مولانا گوہر رحمان صاحب!

مولانا گوہر رحمان: پوائنٹ آف آرڈر جناب! حمزہ صاحب ہمارے محترم ہیں، ان کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ مشتہر کرنے کی تجویز آپ کے ذہن میں کیسے آئی؟ یہ اسلام کا اجماعی مسئلہ ہے۔ دوسری بات میں یہ عرض کرتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا کہ جلد بازی میں نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بات ان کی ٹھیک ہے۔ ہم ساری رات بیٹھنے کے لیے تیار ہیں۔ جب یہاں اس سے پہلے آٹھویں ترمیمی بل کے لیے ساری رات بیٹھے تھے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کے خلاف بل بنانے کے لیے ہم ساری رات بیٹھنے کے لیے تیار ہیں۔

اصل سوال صرف اتنا ہے کہ جو ترمیم وزیر قانون نے یہاں پیش کی ہے، اس ترمیم میں ''یا'' کا لفظ ہے، اس کی وضاحت کریں۔ اس ''یا'' والی بات کو شق نمبر **2** قرار دے دیں۔ باقی ہمارے معاہدے کے مطابق ہے بشرطیکہ ''یا'' والی شق کو شق نمبر **2** بنا دیا جائے تو ہمارا معاہدہ پورا ہو جاتا ہے۔ سارے ارکان اسمبلی مسلمان ہیں۔ یہ دین کو جاننے والے ہیں، اس لیے میری تجویز یہ ہے، آپ کے توسط سے، سارے ایوان سے، کہ اس وقت تک نہ اٹھا جائے جب تک یہ بل منظور نہیں کیا جاتا اگرچہ ساری رات گزر جائے۔

جناب سپیکر: چوہدری امیر حسین صاحب! پوائنٹ آف آرڈر۔

چوہدری امیر حسین: جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ حمزہ صاحب نے جو بات کی ہے، اس میں ان کی نیک نیتی شامل ہے، لیکن جو طریقہ انہوں نے تجویز کیا ہے کہ اس کو رائے عامہ کے لیے بھیجا جائے، میں اس سے بالکل اتفاق نہیں کرتا۔ رائے

عامہ کے لیے وہ بل بھیجا جاتا ہے، وہ چیز بھیجی جاتی ہے جس کے معاملے میں بڑا واضح ایک نظریہ سامنے نہ ہو۔ اس معاملہ میں رسول پاک ﷺ کا جو گستاخ ہو، جو رسول پاک ﷺ کے خلاف بات کرتا ہے، اس کی سزا چونکہ اسلام میں دی ہوئی ہے کہ وہ واجب القتل ہے، اس کی سزا موت ہے، اس لیے اس کو مشتہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کے علاوہ اب یہ سٹیج نہیں ہے جس کے لیے یہ کہا جا سکے کہ اس کو رائے عامہ کے لیے بھیجا جائے۔

دوسرا جناب والا! میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے فاضل بھائیوں نے جس بات کی تشریح چاہی ہے، وہ اس میں حق بجانب ہیں۔ وہ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اصل میں سزا کیا ہے؟ جناب والا! اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا اس بل میں سزائے موت دی گئی ہے۔لیکن اگر کسی وجہ سے تمام لوازمات پورے نہ ہوں اور اتنے گواہ جتنے کہ اسلام کے مطابق چاہئیں، پورے میسر نہ ہوں تو کسی حد تک، یعنی مکمل طور پر جرم ثابت نہیں ہوتا تو پھر اس میں عمر قید تجویز کی گئی ہے۔لیکن جہاں تک جرمانے کا تعلق ہے وہ ''یا'' کا لفظ نہیں، جرمانہ ہر حالت میں دینا ہے، یعنی صرف جرمانے کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس میں اول نمبر پر سزائے موت ہے جو کہ دینا لازمی ہے اگر گستاخی ثابت ہو جائے دوسرے نمبر پر اگر مکمل طور پر ثابت نہیں ہوتی، کسی حد تک ثابت ہوتی ہے تو پھر سزا عمر قید دینی ہے۔لیکن دونوں صورتوں میں جرمانہ ضروری ہے اس کے ساتھ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سزائے موت نہ دی جائے، عمر قید نہ دی جائے اور صرف جرمانے کی سزا دی جائے، اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس بل میں تعزیرات پاکستان میں، لیگلی اور ٹیکنیکلی سپیکنگ جو یہ ترمیم کی گئی ہے بڑی درست ہے اور اس سے اور کسی طریقے سے ترمیم آ نہیں سکتی۔

جناب والا! تیسری بات جو یہاں فرمائی گئی کہ یہ ترمیم بڑی جلد بازی میں کی گئی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیاوی طور پر ترمیم جب کی جاتی ہے تو کسی آدمی نے اپنا مفاد دیکھنا ہوتا ہے، کسی آدمی نے اپنی پارٹی کا مفاد دیکھنا ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک کا مفاد دیکھنا ہوتا ہے، قوم کا مفاد دیکھنا ہوتا ہے۔لیکن اس میں ہمارے عقیدے کا

سوال ہے، ہمارے اسلام کا سوال ہے، ہمارے رسول پاک ﷺ کا سوال ہے۔ تو اس میں ترمیم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اور زیادہ تاخیر کیے ہوئے جو پیش کی گئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ متفقہ طور پر اس میں ترمیم کر کے جتنا جلدی ہو، بل پاس ہونا چاہیے۔ اس میں بحث کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس لیے جناب والا! میں گزارش کرتا ہوں کہ اس بل کو ترمیم کے ساتھ منظور فرمایا جائے۔ شکریہ!

جناب سپیکر: جی میاں زمان صاحب!

میاں محمد زمان: جناب سپیکر! اس سلسلے میں میری جانب سے ایک پرائیویٹ بل پیش کیا گیا تھا جس میں یہی سزائے موت تجویز کی گئی تھی اور 6 تاریخ کے پرائیویٹ ممبرز ڈے میں میرا بل پرائرٹی کے ساتھ درج تھا۔ میں نے اس سلسلے میں تقریر کرنے یا پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑا ہونے کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں کی تھی کہ کارخیر کے راستے میں خواہ مخواہ کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرنی چاہیے اور وقت کا ضیاع نہیں ہونا چاہیے اور جتنی جلدی پاس ہو جائے بہتر ہے۔ لیکن ایک مقولہ ہے کہ ''خدا مجھے میرے دوستوں سے بچائے''۔ بعض اصحاب نے، میں نہیں سمجھتا کہ کس وجہ سے، بلا وجہ پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑے ہو کر اس معاملے میں ایک دیر کی صورت پیدا کی۔ جہاں تک امینڈمنٹ کا تعلق ہے، اس سے زیادہ بہتر صورت میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دوست نے اُٹھ کر رائے عامہ کے لیے مشتہر کرنے کا سوال پیدا کر دیا جو کہ میں سمجھتا ہوں کسی لحاظ سے مناسب نہیں۔ یہ گستاخان رسول ﷺ کا مسئلہ جو ہے اس پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس سلسلے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں اس بل کو آج اسی سٹنگ میں اور فوری طور پر ہونا چاہیے، اور اس کے لیے اگر ہمیں ساری رات بھی بیٹھنا پڑے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

جناب سپیکر: جی شکریہ! جناب بیگم نثار فاطمہ زہرہ صاحبہ!

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: شکریہ، جناب سپیکر! میں آپ کے توسط سے پورے ہاؤس کو اور خاص طور پر اپنے وزیر قانون کو مبارک باد پیش کرتی ہوں کہ ہمارے اس اجلاس میں یہ بل پیش ہو گیا اور یہ میرے پورے یقین کے ساتھ احساسات تھے کہ اگر

ہم اس بل پر فیصلہ کیے بغیر عوام میں جائیں گے تو کم از کم جن عوام میں مجھے واپس جانا تھا وہ تو کبھی مجھے نہ چھوڑتے۔ تو اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس بل کو پاس کر کے اس ہاؤس سے نکلیں گے اور جہاں تک مشتہر کرنے کا سوال ہے تو مشتہر کرنے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آج سے یہ ہاؤس فیصلہ کرے کہ پورے ملک میں پانچ وقت کی نماز لازم قرار دے دی جائے اور ہم اٹھ کر مطالبہ کریں کہ ہم اس کو مشتہر کریں کیونکہ بہت سے بے نمازی ہیں، وہ اس کے لیے تیار ہیں یا نہیں۔ تو بہر حال جہاں قرآن و سنت کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی معاف کرنے کی، بلکہ آئمہ نے یہاں تک کہا ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی معافی بھی قبول نہیں ہے، اگر وہ معافی بھی مانگنا چاہے تو یہ کسی انسان کے پاس جرأت نہیں ہے کہ وہ اس کو معاف کرے اور اس کے علاوہ جناب سپیکر یہ مسئلہ آج نہیں اٹھا، کئی سالوں سے تھا۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے اللہ کا شکر ہے کہ خدا نے یہ اعزاز اس اسمبلی کو دیا ہے۔ ان ممبران کو دیا ہے، اس وزارت قانون کو دیا ہے کہ یہ فیصلہ ہمارے وقت میں ہو۔ ورنہ دو سال پہلے اسلامی نظریاتی کونسل کا جو فیصلہ تھا، وہ میں آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں۔ یہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش دو سال قبل 1984ء میں ہے کہ جو کوئی شخص دانستہ ایسا کلام یا ایسی کوئی حرکت کرے گا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے بارے میں اہانت آمیز ہو یا اہانت کی طرف مائل ہو یا سوئے ادبی ظاہر کرتی ہو مستوجب سزائے موت ہوگا۔

یہ ثابت کرنا کہ اس کی طرف سے دانستہ ایسی حرکت نہیں کی گئی یا کلام نہیں کیا گیا۔ اس کا ثبوت ملزم ہذا پر ہوگا اور اس کے علاوہ 1984ء میں فیڈرل شریعت کورٹ میں ایک پٹیشن کی گئی تھی جس میں ایک سو پچیس علما کے دستخط تھے جس میں نہ صرف پاکستان کے بلکہ ہندوستان کے علما بھی شامل تھے تو 125 علما کا متفقہ فیصلہ تھا کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا جو ہے، یہ موت کی سزا ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی یہ مسئلہ اُٹھا ہے، آپ نے اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ تمام مکاتب فکر نے چھوٹی مساجد سے بڑی مساجد سے تمام دینی مدرسوں سے یہ آواز اُٹھی ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا موت ہے اور اس کے باوجود کچھ اور بھی ثبوت آپ چاہیں تو جناب سپیکر اندرون ملک اور بیرون ملک

سے آئے ہوئے سینکڑوں خطوط میرے پاس موجود ہیں جن پر تمام لوگوں نے یہ تقاضا کیا ہے کہ بی بی آپ نے اس مسئلے کو اُٹھا کر پوری قوم کو سرخرو کیا ہے لیکن خدا کے لیے اس بل کو پاس کرائے بغیر ہاؤس سے مت نکلنا اور وہ بطور ثبوت خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ جن میں سے ایک خط آج میں نے جناب سپیکر کی خدمت میں پیش بھی کیا تھا جو لندن سے آیا تھا تو لوگوں کے جذبات اس میں اتنے شدید ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی سزا پاس کر کے ہم نکلیں گے تو پھر یہاں کوئی ہماری پناہ کی جگہ بھی بنا دیجیے، خدا سے تو پناہ بھی نہیں مل سکتی لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ عوام بھی ایسے انسان کو پناہ نہیں دیں گے تو میں سمجھتی ہوں یہ فیصلہ جس میں ہم سب متفق ہیں، بہت مناسب ہے اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا اس سے کم تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ علامہ اقبال نے کتنا اچھا کہا ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جناب سپیکر: جی عبداللہ غازی صاحب! میرے پاس سپیکرز کی اتنی لمبی لسٹ ہو گئی ہے کہ شاید میں سب کو وقت نہ دے سکوں۔ آپ حضرات تشریف رکھیں۔ میں نے فلور عبداللہ غازی صاحب کو دیا ہے۔

جناب محمد عبداللہ غازی: جناب سپیکر! مجھے افسوس ہے کہ میں پوائنٹ آف آرڈر پر بول اٹھا ہوں اور بڑے بڑے پرانے پارلیمنٹیرین تین تین بار بول رہے تھے۔ جناب والا! جہاں تک اس کی اہمیت کا تعلق ہے اور اسلامی تاریخ قانون کا تعلق ہے، وہ ہمارے علمائے کرام تفصیل سے کہہ چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج یہ اسمبلی اس فرض سے سرخرو ہوئی اور جب سے پاکستان بنا ہے، اس اسمبلی کو ہی یہ نصیب ہوا ہے کہ وہ گستاخ رسول ﷺ کے خلاف ایک واقعی سزا جو ہے وہ اس کا بل پاس کر رہی ہے اور یہ بھی کوئی اتفاق نہیں ہے کہ جس جماعت نے اسلام کے نفاذ کے لیے ملک حاصل کیا تھا، آج اسی جماعت کی حکومت کے تحت آج گستاخ رسول ﷺ کے لیے سزا مقرر کی جا رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ در و دیوار ہی نہیں، زمانہ گواہ رہے گا کہ مسلم لیگ کے علاوہ کسی

کو توفیق حاصل نہ ہوئی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کو پوری طرح سے سیف گارڈ کرنے کے لیے تا کہ ماحول ٹھیک رہے، میرے خیال کے مطابق جو غلط قسم کے الزامات ہیں، ان سے بچنے کے لیے بھی اگر اس میں علمائے کرام ترمیم سوچ لیں۔ یہ ترمیم میرے خیال میں علمائے کرام کی منظوری ضروری ہوگی۔

I beg to make an amendment to the Bill in question that, in case the complainant fails to prove the charges, he should be given the same punishment.

جناب والا! میں اس بارے میں چونکہ علمائے کرام کی مدد چاہتا ہوں، اگر وہ سمجھتے ہیں کہ غلط قسم کے چارجز سے بچانے کے لیے یہ امینڈمنٹ پیش کی جائے تو یہ پیش کی جاسکتی ہے، لیکن اگر وہ اس کو منظور نہیں کرتے تو میں اس پر سٹریس نہیں کرتا۔

جناب سپیکر: جی ملک سرفراز صاحب!

ملک سرفراز احمد: جناب سپیکر! بہت بہت شکریہ۔ لیکن معلوم یہ ہوا ہے کہ جس کی آواز اونچی ہو اور زور زیادہ لگا لے، اس کو وقت آپ جلدی دے دیتے ہیں۔ میری حالت تو یہ ہے کہ

؎ تا تریاق از عراق آور وہ شود مار گزیدہ مردہ شود

حضور والا! میں ایک ترمیم آپ کے توسط سے **suggest** کر رہا ہوں، اگر جناب وزیر مملکت عدل و پارلیمنٹری افیئرز مناسب سمجھیں تو یہ موو کر دیں۔ اس میں ایک خانہ ہے ''ناٹ بیل ایبل''۔ ''ناٹ بیل ایبل'' والے معاملے میں دفعہ **302** میں بھی ملزمان کی ضمانت ہوسکتی ہے۔ یہ گستاخان رسول ﷺ والا ایسا جرم ہے جس میں کوئی رعایت ممکن نہیں ہے۔ اس میں میری تجویز یہ ہوگی کہ اس میں بجائے ''ناٹ بیل ایبل'' کے ''شیل ناٹ بی بیلڈ'' ہو۔ شکریہ!

جناب سپیکر: پیر محمد صابر شاہ!

پیر محمد صابر شاہ: جناب سپیکر! میں حیران ہوں کہ آج حمزہ صاحب نے اس فلور پر......

جناب سپیکر: کوئی نئی بات کہیے، **repeat** نہ کیجیے۔

پیر محمد صابر شاہ: میں نئی بات کہہ رہا ہوں۔ پرانی بات تو میں بھول چکا ہوں۔

Mr. Speaker: Let me be the judge of that.

پیر محمد صابر شاہ: یہاں منتخب ممبر بیٹھے ہوئے ہیں، ایک ایک ایم این اے بہتر بہتر ہزار ووٹ لے کر یہاں آئے ہوئے ہیں تو آج گستاخ رسول ﷺ کے لیے سزائے موت کا بل یہاں پیش کیا گیا ہے تو انہیں کیا اعتراض ہے؟ صرف حمزہ صاحب کو اعتراض ہے۔ ہم منتخب ممبر ہیں ہم اگر اس کو پاس نہیں کر سکتے۔ ایک امینڈمنٹ کے لیے ساری ساری رات ہم بیٹھے رہتے ہیں اور اس بل پر انہیں اعتراض ہے! ہر بات پر انہیں اعتراض ہونا چاہیے لیکن اس بل کے بارے میں، میں اُن سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لیں۔

جناب سپیکر: جی جناب حمزہ!

جناب حمزہ: جناب سپیکر! میں نے جو کچھ بھی عرض کیا ہے وہ اس مسودۂ قانون کی اہمیت کے پیش نظر کیا ہے جو اس ایوان میں پیش ہوا ہے۔ میں بحیثیت مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا اہانت کرنے والے ''گستاخ'' کو کبھی برداشت نہیں کرتا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی نرمی برتنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور نہ کوئی مسلمان سوچ سکتا ہے لیکن جملہ اراکین جو اس وقت موجود ہیں، ان کی خدمت میں التجا کروں گا کہ جو بل آپ کے سامنے پیش ہوا ہے، اس میں اہانت، گستاخی، توہین، اس قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے تو اس بات کی تھوڑی بہت وضاحت بھی ہونی چاہیے کہ ہم توہین یا اہانت یا گستاخی کس کو کہتے ہیں، اس کی کوئی **definition** ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ جو قانون یہاں پیش کیا گیا ہے، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کو موت کی سزا دی جا سکتی ہے، اس کو عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے اور جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح عدالت کی صوابدید پر چھوڑنا درست نہ ہوگا۔ خصوصی طور پر پاکستان میں عدالتوں کی جو

کیفیت ہے اور جس طرح میں نے لوگوں کو ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایک معمولی مسئلے کی مخالفت پر لوگ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب ایک دوسرے سے چھوٹا موٹا اختلاف ہو اور وہ مسئلہ عدالت میں چلا جائے۔

قانون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بالکل واضح ہو، اس سے دو مطلب اخذ نہ کیے جا سکیں۔ عدالت کو اتنا بڑا اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ ایک شخص کو وہ موت کی سزا دے دے یا اس کو عمر قید یا جرمانے کی سزا دے۔ اس کے لیے قانون واضح ہو اور عدالت کی ہر ممکن حد تک راہنمائی کرے۔ میں نے جب یہ بات اپنے بزرگ اور بھائی مولانا گوہر رحمان کی زبان سے سنی کہ یہ فیصلہ کریں کہ آپ کس کو موت کی سزا اور عمر قید یا جرمانے کی سزا دیتے ہیں، انہوں نے یہ بات جناب وزیر مملکت پر چھوڑی۔

جناب سپیکر! میں اپنے مسلمان بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ یہاں اتنی دیر سے زندہ ہیں، اتنے عرصہ سے یہ ملک معرض وجود میں آیا ہے، یقیناً نیک کام میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اتنی دیر سے یہ چیز یہاں موجود رہی ہے، یہ خلاء موجود تھا۔ اگر آپ نے اس کو پورا کرنا ہے تو میں دست بستہ کہتا ہوں کہ خدا کے لیے اس کو اس انداز سے پورا کیجیے کہ کل کو کوئی آدمی، ہمارا بدترین مخالف بھی اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ جس انداز سے آپ یہ کام کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں جلد بازی کا یا جذبات کا اتنا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ عقل و فہم کو اور ایمان کے تقاضوں کو سامنے رکھیے، ملکی حالات کو بھی سامنے رکھیے، عدالتوں کی کیفیت کو بھی سامنے رکھیے اور فرقہ واریت کے جس فتنے میں یہ قوم مبتلا ہے، گھری ہوئی ہے، اس کو بھی پیش نظر رکھیے۔

جناب سپیکر: آپ سے بہتر کون جانتا ہے، ہمارے ہاں لوگ مسائل پہ جھگڑا کرتے ہیں اور مسائل پر جھگڑا کرتے وقت ایک دوسرے کو کافر بنانا تو بالکل معمولی بات ہے۔ عمل کی طرف تو کوئی جاتا نہیں۔ اگر عمل کی طرف جاتے ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت پاکستان میں جتنا مظلوم اسلام ہے شاید کوئی چیز یہاں اتنی مظلوم نہیں ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اگر مجھے یقین ہو کہ جو کام ہم کر رہے ہیں، اس سے گستاخ رسول ﷺ کو سزا دینے کا اہتمام ہوتا ہے تو میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں چاہتا۔ لیکن میں اس کو اس انداز میں نہیں چھوڑنا چاہتا جس سے عدالتوں میں بعض غیر ذمہ دار لوگوں یا رشوت خوروں کے ہاتھ مضبوط ہوں یا یہاں ہم اس چیز کو متنازع بنا دیں۔ آپ نے اتنا لمبا عرصہ وقفہ کیا ہے، انتظار کیا ہے، اتنا لمبا عرصہ گزر گیا ہے، میں کہتا ہوں کہ چلیے، آپ کہتے ہیں کہ آپ یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتے تو آپ اسمبلی کے اجلاس کو وقتی طور پر ایڈجرن کیجیے، رات کا کوئی وقت مقرر کیجیے، تاکہ یہ تمام لوگ، وکلاء، قانون دان، تجربہ کار لوگ، سیاسی آدمی، مذہبی آدمی، علما بیٹھ کر اس کو دوبارہ دیکھ لیں اور اس کو ایسی صورت میں پیش کریں جس سے اس کے دو معنی نہ لیے جا سکیں، اور جو گستاخی کا مرتکب ہو اسی کو سزا دی جائے اور خواہ مخواہ ہم تمام دنیا کے سامنے اس سے تماشا نہ بنیں۔ یہ میری معروضات ہیں۔

جناب سپیکر: جناب شاہ تراب الحق قادری صاحب! اس بحث کو ختم کرنے کی طرف آئیں۔ آپ ذرا وائنڈ نگ اپ کریں۔

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری صاحب: میں بحث بالکل نہیں کرنا چاہتا، بحث برائے بحث میں پسند بھی نہیں کرتا، دو تین چیزیں جو سامنے آئی ہیں، صرف وہ آپ کے گوش گزار نہایت آسانی سے کر دیتا ہوں۔

جناب عبداللہ غازی صاحب نے فرمایا کہ جہاں اسے سزا دی جائے جس نے گستاخی کی ہے اور اگر وہ بری ہو جائے تو اسے سزا دی جائے جس نے جھوٹا الزام لگایا۔ یہ تو اسلام میں حد قذف پہلے ہی سے موجود ہے کہ کوئی کسی پر اگر الزام لگائے تو اسے اسی 80 درے لگیں گے۔ اس لیے اس کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حمزہ صاحب نے جو طریق کار بنایا، وہ پورا طریق کار انہوں نے ایٹم بم بنانے کا بتایا۔ کیسے بنے گا اور کہاں مارا جائے گا اور کیا ہوگا۔ محترم سپیکر! بالکل سیدھی بات ہے، جب آپ نے اپنی زبان سے ارشاد فرما دیا کہ اس بل کی تشہیر کرنے کا وقفہ ختم ہو گیا تو میں سمجھتا ہوں کہ بات بالکل ختم ہو گئی۔ آپ نے اس کی تمام نوک پلک کو دیکھ کر ارشاد فرما دیا کہ اب یہ جس سٹیج پر ہے، اب یہ تشہیر کے لیے نہیں

جا سکتا تو میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ بحث بالکل ختم ہو جانی چاہیے۔

محترم حمزہ صاحب کو جو چند شکوک اور شبہات ہیں اسی اعتبار سے میں نے، مولانا گوہر الرحمان صاحب نے، لکھوی صاحب نے اور دیگر حضرات نے اس میں شق نمبر2 کا اضافہ اسی لیے کیا کہ کسی پر اگر ذرا سا بھی شبہ ہو کہ اس نے گستاخی کی ہے، اسے پھانسی پر چڑھا دیا جائے، یہ منشاء ہرگز نہیں۔ شق نمبر2 کی منشا یہی ہے کہ اگر وہ الزام اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت نہ ہو تو تب اسے دوسرے نمبر کی سزا دی جائے۔ ایک بات۔

دوسری چیز یہ ہے کہ کیا آپ نے اس میں یہ طے کر لیا کہ ''توہین'' کسے کہتے ہیں؟ یہ تو آپ کورٹ اور کچہری کا کام، اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔ تو آپ مجھے بتائیے کہ کیا یہ ممکنات میں سے ہے کہ ہم اسمبلی میں بیٹھ کر یہ طے کریں کہ کون کون سے الفاظ توہین کے ہیں تو یہ کہانی کبھی ختم ہوگی؟ یہ کام کورٹ کا ہے جو میرے بزرگوار حمزہ صاحب یہاں آپ سے لینا چاہتے ہیں۔

تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی دو رائیں نہیں ہیں۔ اس لیے اس میں شق نمبر2 کا اور جو میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا، دفعہ 295 میں ''پیغمبر اسلام اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں توہین'' کا اضافہ کر دیا جائے۔ شق نمبر2 کا اضافہ کر کے اس بل کو فی الفور منظور کرا دیا جائے۔ اس میں قطعی دو رائیں نہیں ہیں۔ اگر ایک دو آدمی اس سے اختلاف کریں تو آپ جانتے ہیں کہ دو آدمی تو ویسے ہی ان کی مرضی و منشاء کے خلاف ہو جائے تو وہ ویسے ہی باہر چلے جاتے ہیں۔ تو اس میں کوئی ایسی حرج کی بات نہیں ہے۔

جناب سپیکر: آنریبل منسٹر فار جسٹس اینڈ پارلیمنٹری افیئرز!

I have given the floor to honourable Minister.

بیگم صاحبہ! اب ضرورت نہیں ہے، بہت باتیں ہو چکی ہیں، اب ان کی بات سنیے۔

بیگم نثار فاطمہ زہرہ: Inaudible لہٰذا پوری قوم پر سے اللہ کی رحمت

سے یہ ذمہ داری اتر گئی ہے کہ کوئی مسلمان گستاخی کرنے والا نہیں تھا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی کبھی کوئی مسلمان یہ جرأت نہیں کرے گا۔

جناب سپیکر: شکریہ، بیگم صاحبہ! آپ تشریف رکھیے۔ آنر یبل منسٹر آف سٹیٹ۔

وزیر مملکت برائے عدل و پارلیمانی امور (جناب میر نواز خاں مروت):

جناب سپیکر! پیشتر اس کے کہ میں اس کی وضاحت کروں، میں اس فاضل ایوان کے فاضل اراکین جس میں جید علمائے دین بھی شامل ہیں، کہنہ مشق سیاستدان بھی ہیں، زیرک پارلیمنٹیرین بھی ہیں، ممتاز ماہرین قانون بھی ہیں، ان سب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے نہایت عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے کوشش کی ہے کہ کوئی بھی گستاخی رسول کا مرتکب سیاہ بخت سزا سے کسی طریقے سے نہ بچ سکے، یہ سب کا جذبہ اور سب کی کوشش ہے۔ دین میں تجسس کے لیے حق کو پانے کے لیے ہے، اختلاف رائے باعث رحمت ہوا کرتی ہے۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں بلکہ برابر کا شریک ہوں، جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے اور جہاں تک میری وابستگی کا تعلق ہے میں ایک شعر میں عرض کروں گا۔

؎ ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

یہ میرا عقیدہ ہے، میں مسلمان ہوں اور مولانا گوہر رحمان صاحب نے صحیح فرمایا کہ ہماری میٹنگ ہوئی تھی اور اس میں مولانا لکھوی صاحب بھی تھے، سید اسعد گیلانی صاحب بھی تھے، مولانا عنایت الرحمٰن صاحب بھی تھے، مولانا ازہری صاحب بھی تھے، شاہ تراب الحق صاحب نہیں آئے تھے اور جو فیصلہ ہوا تھا، میں نے ان سے دستخط بھی لیے تھے، میں وہ آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ اور پھر ان ترامیم کی روشنی میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا۔ گوہر الرحمٰن صاحب نے بجا فرمایا کہ آیا اس ترمیم سے مطلب پورا ہوسکتا ہے یا نہیں۔

یہ فیصلہ ہوا تھا کہ گستاخی رسول ﷺ کی سزا، سزائے موت ہے۔ جرم کے لحاظ سے اور نوعیت کے لحاظ سے عمر قید بامشقت اور جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ اور مقدمہ کی

سماعت کرنے کا مجاز مسلمان جج ہونا چاہیے۔ اس پر ان کے دستخط بھی ہیں اور میرے خیال میں وہ موجود بھی ہیں۔

اب جناب والا! یہ جو فیصلے ہوئے تھے میں نے ان سے انحراف نہیں کیا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ میرے سمجھانے میں کوئی کمی ہوئی ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ بل انگریزی زبان میں بنا ہے ہوسکتا ہے میں اس کے مطابق نہ سمجھا سکا ہوں یا اس کے شد و مد سے ہم سب واقفیت حاصل نہ کر سکے۔

جناب والا! یہ کہا گیا کہ جلدی کیوں؟ کارخیر میں تاخیر کرنی پڑتی ہے۔ میں نے تو کھڑے ہو کر آپ کو ترامیم دیں اور کھڑے ہو کر تمام ارشادات کو اس میں سمویا اور یہ کہا کہ کوئی گستاخ رسول بچ نہ سکے۔ اب گزارش یہ ہے کہ پہلا فقرہ یہ ہے کہ گستاخی رسول ﷺ کی سزا، سزائے موت ہے۔ میں نے جو ترمیم تجویز کی پہلے تھا۔

"with imprisonment for life, and shall also be liable to fine."

''یا سزائے موت یا عمر قید اور جرمانہ'' نہیں تھا، یہ **"death"** کے بعد **comma** ہے۔ **"shall be punished with death."** یہاں مقصد مکمل ہو گیا ہے جیسے علمائے کرام نے میری راہنمائی فرمائی تھی اور میں ان کا بڑا مشکور و ممنون ہوں، واقعی انہوں نے اسلام کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ثواب دے گا۔ میری گزارش یہ ہے کہ یہاں مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ **"shall be punished with death,"** سزا، سزائے موت ہے۔ وہ آ گیا ہے۔ اب دوسرا ہے **comma** اور اس کے بعد **"or"** یعنی جس کا اردو ترجمہ ''بصورت دیگر'' ہے۔ بصورت دیگر عمر قید کی سزا اور جرمانہ بھی ہوسکتا ہے۔

اب یہاں یہ فرمایا گیا کہ اگر جرم ثابت نہ ہو تو عمر قید کی سزا، ورنہ موت۔ جناب والا! نہ تو یہ اسلامی قوانین کی روح ہے اور نہ تعزیرات پاکستان میں ہے۔ اگر جرم ثابت نہیں ہوگا تو آدمی چھوڑا جائے گا۔ اسلام میں بھی یہی ہے۔ لیکن شبہ کا فائدہ ملزم کو ملتا ہے۔ لیکن ہم نے یہاں یہ رکھا ہے اور علما نے میری راہنمائی فرمائی تھی کہ حقوق العباد

میں معافی کا حق قاضی کو نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کے منہ سے ایک فقرہ نکلا، وہ پچھتا رہا ہے اور توبہ کر رہا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ اور ایک آدمی گستاخی رسول ﷺ کا روز مرتکب ہوتا ہے، اس کے لیے غازی علم الدین شہید چاہیے۔ اس کے لیے قاضی عبدالقیوم شہید چاہیے، اس کے لیے تقریر نہیں چاہیے۔ وہ مجھ سے پوچھیں۔ نو کروڑ مسلمانوں کا ملک ہے اور تعزیرات پاکستان کا سہارا لیا جا رہا ہے! یہ تو ہماری غیرت کا امتحان ہے۔ چونکہ اس ملک کی بنیاد نبی ﷺ کی تعلیمات اور اسلام ہے، آج قائد اعظمؒ کی روح بھی خوش ہوگی، ارواحِ شہدائے پاکستان بھی خوش ہوں گی۔ ہم اس منزل کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں جس کے لیے یہ ملک معرضِ وجود میں آیا تھا۔ تو میری گزارش یہ ہے کہ اس سے میرے خیال میں جوان کی راہنمائی تھی، وہ پوری ہوتی ہے، اصلاح ہر وقت کی جا سکتی ہے۔ قانون میں ہمیشہ ترمیم ہو سکتی ہے۔ آپ میری راہنمائی کریں۔ میری سمجھ کے مطابق، اور یہاں جتنے بھی قانون دان موجود ہیں، ان سب کو معلوم ہے کہ قانون کی اپنی زبان ہوتی ہے اس کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں، اس پوائنٹ آف ویو سے میرے خیال میں ان کا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ یعنی جرم کی نوعیت کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ بصورت دیگر دفعہ 302 میں حضور والا! جس میں قتل کی سزا تجویز کی گئی ہے اس کے **words** بھی یہی ہیں۔

"Whoever commit, murder shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine."

اب جناب والا! خود دیکھیں کہ قتل کی سزا بھی قتل ہے۔ اس صورت میں نہیں کہ قتل کرو یا عمر قید دو۔ ان کو شاید یہی غلط فہمی پیدا ہوئی۔ ہرگز اس قانون کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کی سزا ہو گئی قتل، **comma** آ گیا، ''بصورت دیگر'' جہاں تک میں سمجھا ''عمر قید کی سزا'' جیسے جرم کے حالات اور نوعیت پر منحصر ہے۔

ان کی میرے لیے تیسری راہنمائی یہ تھی کہ جج مسلمان ہونا چاہیے۔ یہ صحیح بات ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو نہ پہچان سکے۔ جناب

والا! یہ ان کا بجا ارشاد تھا، اور وہاں آپ دیکھیں گے جو میں نے ترمیم پیش کی ہے۔

"triable by Court of Session which shall be presided over by a Muslim."

تو جج بھی مسلمان ہوگا۔ یہ ترامیم ان کے مشورے اور راہنمائی سے تجویز کی گئی تھیں، میرے نزدیک، میرے نظریہ کے مطابق، میری پہنچ کے مطابق، میری جو قانونی سوجھ بوجھ ہے، اس کے مطابق پورا مقصد حل ہوتا ہے اور یہ کہنا کہ اگر جرم ثابت نہ ہوتو میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ بعض تقاریر میں کہا گیا ہے۔ وہ اس میں نہیں، سزا سزائے موت ہے، اور بصورت دیگر عمر قید کی سزا اور جرمانہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے علاوہ مسلمان جج اس کی سماعت کرے گا۔ اس کا یہ مقصد ہے۔ اب پورا پینل کوڈ آف پاکستان اٹھائیں، اس کے یہی الفاظ ہوتے ہیں۔ ایک جرم قابل ضمانت ہوتا ہے۔ جرم نا قابل ضمانت، جرم قابل دست اندازی، وارنٹ کیس رکھا ہے۔ اس سے سنگین نوعیت ہو ہی نہیں سکتی۔

جناب والا! ہمیں کچھ تو جوڈیشری پر بھی اعتماد رکھنا ہوگا۔ جن کے پاس کیس جائے گا، وہ بھی مسلمان ہوگا، وہ بھی قانون کی وضاحت کرے گا، مقدمے کی سماعت وہ بھی کرے گا، وہ بھی انصاف کے تقاضے پورے کرے گا اور غازی صاحب نے جو فرمایا ہے وہ بھی اس زمرے میں نہیں آتا اور میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک محترم نے فرمایا کہ پانچ ہزار کا مجمع جمع ہوگا۔ ہم تو خود مجمعے والے ہیں اور اس حکومت نے تو اسلام کا بیڑا اٹھایا اور اسلام کی طرف ہم خود جا رہے ہیں اور اس میں من جملہ کوشش ہے۔ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون میں رکاوٹ ڈالے گا، اس میں ہم بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔ ہم پیچھے نہیں ہوں گے۔ ہم پہلے مسلمان ہیں چاہے میں حکومت میں ہوں یا کہیں اور ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں سب کا مطمع نظر ایک ہے۔ اس میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سے غلط فہمی رفع ہو گئی ہوگی۔ اس سے قانون اور انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

جناب سپیکر: لیاقت بلوچ صاحب! بہت بات ہو چکی ہے، اب اس کو ایوان کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے۔ میرے پاس اٹھارہ نام موجود ہیں، اگر آپ کو وقت دوں تو دوسروں کو اعتراض ہوگا۔

جناب لیاقت بلوچ: جناب سپیکر! میں یہ سمجھتا ہوں کہ محترم حمزہ صاحب نے جس بات کو کہا، شاید اس کو اس طرح سے لیا جائے۔ محترم حمزہ صاحب میرے لیے دینی اعتبار سے بھی اور ان کی شخصیت کے اعتبار سے بھی محترم ہیں۔ انہوں نے ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنا دکھ اور درد بیان کیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ گستاخی رسول ﷺ کے سلسلے میں قرآن و سنت کے اندر یہ چیزیں وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے اگرچہ ملک کے اندر ایک ایسی فضا موجود ہے لیکن اگر ہم اس کو مشتہر کریں گے تو مسائل اُلجھ جائیں گے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں......

جناب سپیکر: لیاقت بلوچ صاحب! بحث کا وقت گزر چکا ہے، تشریف رکھیے۔ ترمیم پیش کرتا ہوں۔

آوازیں: ترامیم موصول نہیں ہوئیں۔

جناب سپیکر: میں نے بھی اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ طبع شدہ مجھے بھی موصول نہیں ہوئی، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں موو کر دوں۔ آپ تشریف رکھیے۔

The question is:

"That in clause 2 of the Bill, between the words "with" and "imprisonment for life," the word and comma "death, or" he added."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: Now I will put the clause. The question is:

"That clause 2, as amended, do form part of the Bill."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: I will now move the amendment in

clause 3. "Against "295C", in column 7, the words and comma "death, or" be added ahead of "imprisonment for life, and fine"; and, in column 8, after "Court of Session" the words "which shall be presided over by a Muslim" be added."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: Now I will put the clause. The question is:

"That clause 3, as amended, do form part of the Bill."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: Now we come to clause 1, preamble and short title. The question is:

"That clause 1, preamble and short title do form part of the Bill."

The motion was adopted.

Mr. Speaker: Honourable Minister of State for Justice and Parliamentary Affairs.

Mr. Mir Nawaz Khan Marwat: Sir, I beg to move:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be passed."

Mr. Speaker: It has been moved:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be passed."

Mr. Hamza: Opposed.

جناب سپیکر: جی حمزہ صاحب!

جناب حمزہ: جناب سپیکر! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے اس قانون کو جو کہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، ایک عام قانون جتنی بھی اہمیت

نہیں دی۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جتنی صلاحیت دی ہے، عقل وفہم کی یا تجربے کی، اس ایوان کے اندر یا اس ایوان سے باہر ہم اس سے استفادہ کرتے، قانون سازی کرتے وقت یہ جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ مسودۂ قانون کی کاپیاں بھی ہمیں مہیا نہیں کی گئی کہ ہم سنجیدگی سے غور کے ساتھ اس کا مطالعہ کر سکتے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ قانون کو بنایا جا رہا ہے، اہمیت سے بھی کوئی انکار نہیں، تقدس سے بھی کوئی انکار نہیں، لیکن قانون کی طرف جو ہم نے توجہ دینی تھی یکسوئی کے ساتھ اور............

Mr. Speaker: Hamza Sahib, I would like to make one small correction. Copies of the Bill were distributed on the 30th.

اس کی کاپیاں تمام اراکین کو **30** جون کو تقسیم کر دی گئی تھیں۔

I would like to clarify for the record.

جناب حمزہ: میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ جو مسودۂ قانون بھی ہو، چاہے وہ ماضی میں مشتہر ہی کیوں نہ گیا ہو اور اس کی کاپی ہمیں مہیا ہی کیوں نہ کر دی گئی ہو، جس دن وہ زیر غور آتا ہے اس دن پھر وہی مسودۂ قانون کی کاپیاں ہمیں مہیا کی جاتی ہیں، میں جناب سپیکر! جب یہاں حاضر ہوا ہوں۔ میرے خیال میں یہ چیز آپ کے آج کے ایجنڈے میں بھی شامل نہیں تھی۔ اگر تھی تو مجھے فرمائیے۔

جناب سپیکر: جناب! اگر آپ آرڈرز آف دی ڈے پڑھیں گے تو اس میں موجود ہے اور یہ بڑے دنوں سے آرڈرز آف دی ڈے پر آ رہے ہیں۔

جناب حمزہ: جناب سپیکر! مجھے اتنا فرما دیجیے کہ جس دن کوئی بل زیر غور ہوتا ہے، آیا اس دن اس کی کاپیاں ایوان میں مہیا کی جاتی ہیں یا نہیں کی جاتیں؟

جناب سپیکر: میں نے یہ سیکرٹریٹ سے دریافت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ جو بل ایک دفعہ سرکولیٹ ہو جائے اسے دوبارہ **on request** سرکولیٹ کیا جا سکتا ہے **normally** نہیں کیا جاتا۔ آپ نے **request** کی ہوتی تو ضرور سرکولیٹ ہوتا۔ جب **request** آئی تو ہم نے سرکولیٹ کر دیا۔

جناب حمزہ: تو میں آپ سے عرض کروں گا کہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن جس جلد بازی سے منظور کیا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

Mr. Speaker: Now I will put the question to the House all over again. The question is:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986], be passed."

The motion was adopted.

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: جناب والا! میں اس موقع پر آپ کو اور اس معزز ہاؤس کے تمام معزز ممبران کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں نازل ہوں گی۔

جناب سپیکر: شکریہ! مولانا گوہر رحمٰن صاحب!

مولانا گوہر رحمٰن: جناب سپیکر! میں سب سے پہلے اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہم سب کو توفیق دی کہ توہین رسول ﷺ کرنے والے کے لیے سزا شریعت کے مطابق مقرر ہوئی۔ اس کے بعد یہ فراخ دلی کے خلاف بات ہوگی، یہ فراخ دلی نہیں ہوگی، اگر میں جناب سپیکر! آپ کو، اس ایوان کو، پاکستان کے عوام کو اور وزیر مملکت کو مبارکباد نہ دوں۔ میں ان کو مبارک باد دیتا ہوں اور تیسری بات میں یہ عرض کرتا ہوں کہ گستاخِ رسول ﷺ کے بارے میں سزا کی منظوری یا بل کی منظوری اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان میں سیکولر نظام نہیں آئے گا، یہاں ان شاء اللہ اسلامی نظام آئے گا۔

پیر محمد صابر شاہ: میں جناب والا! سب کو مبارک باد دیتا ہوں۔ بس معاملہ ختم۔

جناب سپیکر: بیگم قمر النساء قمر صاحبہ!

بیگم قمر النساء قمر: جناب سپیکر! آپ نے بڑی تاخیر سے دیکھا اور مجھ سے پہلے بہت ساروں کو بلوا دیا۔ خیر۔ بہر حال اس بل کے پاس ہونے پر تمام ممبر صاحبان

کے ساتھ آپ کو مبارک باد دیتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں اور......

(مداخلت)

جناب سپیکر: آرڈر ریلیز۔ یہ کوئی طریق کار نہیں ہے۔ ابھی کچھ اور بزنس ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کرنی ہے۔ دو منٹ لگیں گے۔ اگر آپ تشریف رکھیں۔

بیگم قمر النساء قمر: اور جناب! مجھے یقین ہے، جیسا کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس بل کے پاس ہونے سے ہمارے اوپر یقیناً برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں گی۔

ساتھ ہی میں اس بل کے پاس ہونے کی خوشی میں ایک اہم مسئلے کے اوپر آپ کی توجہ دلاؤں گی۔ جیسا کہ ہمیشہ بجٹ اجلاس کے بعد اسمبلی کے کارکنان کو، انتظامیہ کے لوگوں کو الاؤنس دیئے جاتے ہیں۔ ان کو الاؤنسز دیئے جائیں جو انہوں نے بعد از وقت کام کیا۔

جناب سپیکر: پہلے ہی آپ کا حکم ہم تک پہنچ چکا ہے اور ہم نے منظور کر لیا ہے۔

بیگم قمر النساء قمر: بہت بہت شکریہ، جناب!

(اس مرحلہ پر متعدد اراکین کھڑے ہوئے)

جناب سپیکر: جی میرا خیال ہے کہ اب اس موضوع پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں مختصراً..................

(مداخلت)

Mr. Speaker: **Please let me continue I think we should give an opportunity to the Minorities respresentative.**

جناب عمانویل ظفر: جناب سپیکر! میں جناب اقبال احمد خان اور باقی سب دوستوں کو اس بات کی مبارک باد دیتا ہوں کہ گستاخ رسول ﷺ کے بارے میں جو بل پاس کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کروں گا اور اس اسمبلی سے یہ بھی چاہوں گا کہ اسلام میں دیگر انبیا کے متعلق گستاخی کے بارے میں جو سزا ہے، اس کو بھی رائج کریں۔ شکریہ۔

....

9 جولائی 1986ء کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قانون توہین رسالتﷺ منظور کیا۔ تعزیرات پاکستان کی دفعات میں نیا اضافہ کرتے ہوئے 295 سی کے تحت حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کرنے والے ملزم کو موت یا عمر قید کی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ یکم اکتوبر 1986ء کو ایوان بالا یعنی سینیٹ نے بھی اس قانون کو متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ یوں پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق تعزیرات پاکستان میں قانون توہین رسالتﷺ 295 سی کا نیا اضافہ ہوا جو مندرجہ ذیل ہے۔

295-C. Use of derogatory remark etc., in respect of the Holy Prophet. whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace by upon him) shall be punished with death or imprionment for life, and shall also be liable to fine.

دفعہ 295 سی: رسولِ پاک کے لیے اہانت آمیز الفاظ کا استعمال

''کوئی شخص بذریعہ الفاظ زبانی، تحریری یا اعلانیہ، اشارتاً، کنایتاً، بہتان تراشی کرے اور رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی بے حرمتی کرے، اسے سزائے موت یا سزائے عمر قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔''

اس سلسلہ میں سینٹ میں یکم اکتوبر 1986ء کی کارروائی ملاحظہ فرمائیں۔

سینٹ آف پاکستان کی کارروائی
یکم اکتوبر 1986ء

(سینٹ کا اجلاس قائم مقام چیئرمین جناب محمد علی خاں ہوتی کی زیرصدارت

شروع ہوا۔ درمیان میں انہیں ایک ضروری کام کے سلسلہ میں جانا پڑا تو اجلاس کی بقیہ کارروائی کی صدارت پریزائیڈنگ آفیسر جناب حسن اے شیخ نے کی)

جناب پریزائیڈنگ آفیسر: منسٹر صاحب آئٹم نمبر 4 لینا چاہتے ہیں، اگر ہاؤس کی اجازت ہو تو میں پیش کروں۔

THE CRIMINAL LAW (AMENDMENT) BILL,1986

میر نواز خان مروت: میں پوزیشن واضح کرتا ہوں کہ گستاخانِ رسول کا جو بل ہے جس کو نیشنل اسمبلی نے پاس کیا ہے، اس میں قانوناً 90 دن ہوتے ہیں جو 6 تاریخ کو ختم ہو رہے ہیں۔ اس میں جمعہ اور ہفتہ چھٹی ہوگی، سنڈے کو پھر پرائیویٹ ممبرز ڈے ہوگا، لہٰذا میری گزارش ہے کہ اس کو لیا جائے، اگر ہاؤس Approve کرے۔

متعدد اراکین: کل لے لیں۔

میر نواز خان مروت: کل کا کیوں رسک لیتے ہیں، کل کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ کیونکہ لاء اینڈ آرڈر تو پھر بھی چل سکتا ہے۔ یہ نظام مصطفےٰ ﷺ کی بات ہے ویسے مرضی آپ کی ہے۔

متعدد اراکین: ٹھیک ہے۔

جناب پریزائیڈنگ آفیسر: اب اجازت ہے۔

قاضی عبداللطیف: جناب والا! میں کچھ عرض کروں، اس کا مکمل مسودہ ہمارے سامنے آیا نہیں ہے، وہ اُردو میں ہمیں مہیا کر دیا جائے، اس کے بعد ہم اس پر بحث کریں گے۔

میر نواز خان مروت: یہ ان کی ٹیبل پر آ چکا ہے۔ آج بھی ہے اور کل بھی تھا۔ اسی لیے تو موو کر رہا ہوں۔ یہ سر مسودہ ہے۔

Mr. Presiding Officer: Mr. Ahmed Mian Soomro, in Clause 2, is there any amendment?

Mr. Ahmed Mian Soomro: Sir, there is no amendment.

Mr. Presiding Officer: So, the motion before the House is:

"That Clause 2 forms part of the Bill"

(The motion was carried)

Mr. Presiding Officer: Now, Clause 3. Mr. Soomro, have you any amendment?

Mr. Ahmed Mian Soomro: Yes, Sir.

I have given an amendment that in Clause 3 of the Bill, as passed by the National Assembly, in the proposed new entry 295 B.

in column 8, after the words "Court of Session" the words "Which shall be presided over by a Muslim" be added.

And with your permission, I would just explain my amendment.

Mr Presiding Officer: Yes.

Mr. Ahmed Mian Soomro: Sir, I have given this amendment because I feel that the bill, as passed by the National Assembly. Shows that where there is use of derogatory remarks against the Holy Prophet (Peace be upon Him) section 295/C it is to be trialed only by a Court of Session which shall be presided over by a Muslim. Whereas under 295/B, defiling etc, of copy of Holy Quran is could be trialed by a Court of session even headed by a non-Muslim. The reason for the amendment is Sir, the non-Muslim can not say whether a remark is derogatorty or not. It is not a question of knowing Islam or knowing the Holy Quran properly. Whereas in the case of defiling of Holy Quran, it is only a person who is conversant with the Holy Quran, who could know whether the interpretation is correct or not. We cannot expect every non-Muslim Judge to declare what has been said is correct according to the Holy

Quran or not. In fact, there must be a Muslim Judge in this context otherwise it was not so important. But here, there is definitely a lapse in getting this Bill passed in the National Assembly. And it is the duty of the Senate to point out if there is any lapse in a Bill sent to it by the National Assembly and that is why I have pointed out this lapse and brought this amendment.

Mr. Presiding Officer: The amendment moved is:

"That is clause 3 of the Bill, as passed by the National Assembly, in the proposed new entry 295 B, in column 8 after the words "Count of Session" the words "which shall be presided over by a Muslim" by added".

Mir Nawaz Khan Marwat: Sir, I have to appose it.

سر! جہاں تک میرے بھائی احمد میاں سومرو صاحب کی ترمیم کا تعلق ہے، یہ بھی قانون دان ہیں۔ جہاں تک جس سیکشن کا انہوں نے حوالہ دیا ہے کہ اس میں سیکشن 295 جو ہے اس کے شیڈول 2 میں **actually** پہلے ترمیم ہونا تھی جو نہ ہوسکی۔ 1982ء میں پاکستان پینل کوڈ میں ایک آرڈیننس کے ذریعے یہ **add** ہوئی تھی، تو یہ اس وقت شیڈول 2 میں کریمنل پروسیجر کوڈ میں نہیں ہوئی تھی جو ضروری تھی۔ وہ اس بل کے ساتھ اس میں شامل کیا گیا تھا۔

جہاں تک ان کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ اس میں بھی ایک مسلمان جج ہونا چاہیے، وہ اپنی جگہ پہ بہت معتبر بات ہے۔ اس میں یہ ترمیم بعد میں دوبارہ بھی لائی جاسکتی ہے لیکن اس وقت چونکہ وہ ایک الگ قانون تھا، پہلے یہ سیکشن 82ء میں آچکا ہے جیسے میں نے عرض کیا ہے۔ صرف ان سے **Slip** ہو گیا تھا کہ اس کی شیڈول اس زمانے میں **amend** نہیں ہوئی جبکہ شیڈول 2 میں ترمیم ضروری تھی۔

Whether it would be triable by the Court of Session to be presided by whom? Whether it would be bailable, non-bailable, congnizable, non-cognizable, warrant case or a summons case?

یہ ترمیم اس وقت ہوئی تھی۔ میری گزارش یہ ہے کہ اس وقت چونکہ آئین کے آرٹیکل 70 میں اس کے لیے 90 دن provided ہیں جو کہ expire ہو رہے ہیں جیسے میں نے شروع میں وضاحت کر دی تھی لہٰذا اگر ہم اس سٹیج پر ترمیم لائیں گے تو آئین کی رو سے، یہ پھر واپس نیشنل اسمبلی جائے گا اور پھر joint sitting کی ضرورت ہو گی۔

اس قانون سے ہماری اور ہر پاکستانی کی یہ خواہش ہے کہ جلد سے جلد ہم نفاذِ اسلام میں آگے بڑھیں اور اس کی تکمیل ہو سکے۔ ناموس مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ ہر مسلمان کا فرض ہے اور یہ ہمارے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ بحیثیت مسلمان کوئی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آقائے نامدار ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کا مرتکب ہو اور اگر ہو تو اسے سخت سے سخت سزا دی جا سکے تا کہ آئندہ کوئی بھی ایسی جرأت کرنے کی جسارت نہ کر سکے۔

میری گزارش یہ ہے کہ پہلے ترمیم میں یہ بات رہ گئی تھی، میں ان کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ اس کو ہم الگ ایگزمن کریں گے۔ میں ذاتی طور پر اس ترمیم سے اتفاق کرتا ہوں۔ یہ ترمیم ہم علیحدہ لا سکتے ہیں، اس لیے میں آپ کی وساطت سے ان سے گزارش کروں گا کہ اس وقت اس ترمیم کو یہ پریس نہ کریں تا کہ ہم اس بل کو پاس کر سکیں ورنہ تمام بل کا جو مقصد ہے، وہ فوت ہو جائے گا۔ بڑی مہربانی۔

جناب احمد میاں سومرو: جناب یہ مانیں تو سہی کہ یہ غلطی ہے اور ہو گئی ہے۔ اچھا آپ نے مانا ہے۔

میر نواز خان مروت: جی، جی، بالکل!

قاضی عبداللطیف: جناب والا! ہمارے سامنے ہمیشہ یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ قومی اسمبلی سے سے یہ بل پاس ہو چکا ہے، اس لیے آپ اس کو پاس کریں چاہیے اس کے اندر جتنی بھی غلطیاں ہوں۔ میں یہ گزارش کروں گا کہ آپ قواعد کے اندر یہ ترمیم کر دیں کہ جو قومی اسمبلی کے اندر پاس ہو چکا ہے، وہ یہاں سرے سے آئے

ہی نہیں، ہم سے آپ غلط چیزوں کی تصدیق کیوں کراتے ہیں جب کہ یہاں ان کے آنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ وہاں اگر کوئی خامی رہ گئی ہے تو یہاں آ کر ان کی اصلاح کرائی جائے اور جب کہ یہاں وہ تسلیم کرتے ہیں ہمارے محترم وزیر صاحب، کہ واقعتاً یہ خامی اور غلطی ہے اور جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی ناموس کا تحفظ، ان کی عزت کا تحفظ وہ تو تقریباً مجروح ہو کر رہ جائے گا۔ اس لیے کہ جو شخص ان کے تحفظ پر ایمان ہی نہیں رکھتا، وہ ان کا تحفظ کیسے، کس جذبے سے اور کیونکر کرے گا، تو اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترمیم انتہائی ضروری ہے اور آپ یہ روایت قائم کریں کہ یہاں اصلاح ہو کر کے دوبارہ اس کو وہاں بھیجنا چاہیے۔ وہاں انہوں نے بڑے جذبے سے اسے منظور کیا ہے تو اس کے اندر کوئی اشتعال پیدا نہیں ہو گا۔ اگر یہاں آپ ان کی اصلاح کر کے وہاں بھیجتے ہیں تو یقینی بات ہے کہ وہ چند دنوں کے اندر ہی اس کو پاس کر دیں گے۔

میر نواز خان مروت: نہیں جناب! وہ میرا مقصد ہی نہیں سمجھے۔ جہاں تک اس بل میں حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے مرتکب ہونے کا تعلق ہے، وہ تو صحیح ہے، مسلم جج ہونا چاہیے، اس کے لیے میں نے ابھی وضاحت کر دی کہ defiling of the Holy Quran کے بارے میں 1982ء میں ترمیم ہوئی تھی لیکن سومرو صاحب نے جو ارشاد فرمایا ہے، میں نے صاف کہا ہے کہ ان شاء اللہ ہم اس ترمیم کو لائیں گے لیکن اس وقت نہیں۔

جناب پریزائیڈنگ آفیسر: جناب شاد محمد خان صاحب!

جناب شاد محمد خان: جناب چیئرمین! وزیر صاحب کی اس وضاحت کے بعد کہ چونکہ اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ ناموسِ رسول ﷺ کے سلسلے میں فی الفور سزا دینا چاہتے ہیں۔ اس میں تاخیر کرنا اور اس بل کو دوبارہ اسمبلی میں بھیجنا، تو ضیع اوقات ہے۔

جناب والا! یہ بل جس طرح انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ خود ترمیم لائیں گے۔ ہمارا کام بھی ہو جائے گا اور ابھی یہ سوال مولانا کوثر نیازی صاحب نے اٹھایا تھا

کہ کیا آپ اس بل کے پاس ہونے کے بعد ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے رسول ﷺ کے خلاف گستاخی کی ہے، ان کے خلاف ایکشن لیں گے، لہٰذا اس کا مطلب بھی اس طرح حل ہوسکتا ہے، لہٰذا میں درخواست کروں گا کہ وہ اس وقت اس پر زور نہ دیں چونکہ وہ وعدہ کر رہے ہیں کہ وہ ترمیم لائیں گے، لہٰذا یہ بہتر ہوگا کہ اسے پاس کیا جائے گا۔ شکریہ!

جناب احمد میاں سومرو: جناب عالیٰ! محترم رکن سینٹ نے شاید میری ترمیم کا مقصد ہی نہیں سمجھا۔ مروت صاحب نے پہلی دفعہ واپس لینے کی اپیل کی ہے، لیکن میں واپس لینے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سینیٹ کے مقصد کو آپ لوگ ختم کر رہے ہیں۔ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے، پھر آپ یہی بہانہ کرتے ہیں کہ صحیح ہے آپ کا کہنا، ہم سے غلطی ہوگئی۔ اگر آپ ترمیم کریں گے تو پھر بل واپس نیشنل اسمبلی میں جائے گا۔ تو پھر سینیٹ کو صرف ''دھوبی مار'' تو نہ بناؤنا۔ لیکن چونکہ پہلی دفعہ انہوں نے مجھے حکم کیا ہے تو دوستی میں، میں اسے ان کا حکم سمجھتا ہوں لیکن یہ بڑی خراب روایات پیدا کر رہے ہیں کہ اگر ایک غلطی بھی محسوس کریں تو اسے لاسٹ مومنٹ پر لے آتے ہیں کہ یہ واپس نہ جائے۔ آئندہ یا تو وہ بل سینیٹ میں ہی انٹروڈیوس کریں کہ ان کی غلطی کی ہم نشاندہی کریں تاکہ وہ صحیح بل پاس کر کے نیچے بھیجیں۔

Mr. Presiding Officer: So you have withdrawn the amendment.

Nawabzada Jahangir Shah Jogezai: I want to know one thing.

Mr. Presiding Officer: Sir, the amendment is withdrawn now.

نوابزادہ جہانگیر شاہ جوگیزئی: میں اس کے متعلق اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔

Mr. Iqbal Ahmad Khan: An amendment can be withdrawn with the permission of the House.

Mr. Presiding Officer: Does the House grant leave to Mr. ahmed Mian Soomro to withdraw the

amendment?

Honourable Members: Yes.

نوابزادہ جہانگیر شاہ جوگیزئی: میں ایک وضاحت کرنا چاہتا تھا۔ وضاحت یہ ہے کہ جب یہ بل پاس ہو گیا تو جو جرائم پہلے ہو چکے ہیں، کیا اس کا retrospective effect ہو گا یا نہیں ہو گا۔ اس کو بھی مدنظر رکھا جائے، کیونکہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو پہلے لوگوں نے ایسی گستاخیاں کی ہیں، اس کو اس قانون میں لائیں تو اس بات کو کلیئر کرنا پڑے گا۔

جناب احمد میاں سومرو: اگر اجازت دیں تو عرض کروں کہ کون چلائے گا اس جرم کو۔ that is the amendment here which has empowered

جناب پریزائیڈنگ آفیسر: جوگیزئی صاحب! یہ سوال تو پھر کورٹ کو determine کرنا ہو گا۔ whether with retrospective or prospective effect

Mir Nawaz Khan Marwat: It lies with prospective effect.

Mr. Presiding Officer: Yes it always lies with prospective effect.

Then I will put Clause (3). The question is:

"That clause (3) of the Bill stands part of the Bill".

(The motion was adopted)

Mr. Presiding Officer: Now we take clause (1), short title and commencement and preamble, of the Bill.

Now the questions is:

"That clause (1), short title and commencement and the preamble stand part of the Bill.

(The motion was adopted)

Mir. Nawaz Khan Mrawat: The next motion is Sir, I beg to move:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986] be passed".

Mr. Presiding Officer: The question is:

"That the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure 1898 [The Criminal Law (Amendment) Bill, 1986] be passed".

(The motion was adopted)

Mr. Presiding Officer: The bill is passed.

میر نواز خان مروت: سر! میں ایک فقرہ کہہ دوں اگر اجازت ہو تو! میں آپ کی وساطت سے جناب احمد میاں سومرو صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس ایوان کے تمام فاضل ممبران کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کے متعلق بل نہایت جلدی سے پاس کیا تا کہ ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے جو اس قسم کی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ قانون کے پاس ہونے سے ان شاء اللہ آئندہ کوئی بھی روسیاہ، کوئی بھی ناعاقبت اندیش اس جرم کے ارتکاب کی کوشش نہیں کرے گا۔ میں اس ایوان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات ان سے خوش ہو گی اور رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس ان سے خوش ہو گی اور شہدائے پاکستان کی ارواح ان سے خوش ہوں گی جنہوں نے نظام مصطفیٰ اور نفاذِ شریعت کے لیے اپنی زندگیاں قربان کی تھیں تا کہ اس ملک میں اس قانون کا ضرور راج ہو جو قرآن وسنت پر مبنی ہو، قرآن وسنت نبوی (ﷺ) کے مطابق قوانین ہوں گے۔ آج تمام تحریک پاکستان کے شہداء کی ارواح خوش ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس قوم اور ملک پر اپنی تمام نعمتیں نچھاور فرمائے اور جنہوں نے اس میں حصہ لیا، اللہ ان کو اس دنیا اور آخرت کی تمام خوشیاں نصیب کرے۔

....

1987ء میں سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ جناب محمد اسماعیل قریشی نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک پٹیشن دائر کی کہ قومی اسمبلی اور سینیٹ نے قانون توہین

رسالت منظور کرتے ہوئے تعزیرات پاکستان میں 295 سی کا اضافہ کیا۔ یہ دفعہ اس لیے قابل اعتراض ہے کہ اس میں ملزم کو دی جانے والی متبادل سزا، سزائے عمر قید ان احکامات اسلامی کے خلاف ہے جو قرآن مجید اور سنت رسول کریم ﷺ میں دیئے گئے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں کسی قسم کی کوئی بے ادبی یا اہانت آمیز بات شرعی حد کے دائرہ میں آتی ہے اور اس کی سزا میں حکومت ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ بھی سوئی کے نوک کے برابر کوئی تبدیلی یا ترمیم کرنے کا اختیار نہیں رکھتی اور یہ نا قابل معافی جرم ہے۔ لہٰذا تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی میں درج سزا ''یا عمر قید'' کو ختم کیا جائے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت یکم اپریل 1987ء کو شروع ہوئی جس میں تمام مکاتب فکر کے علما کو بھی معاونت کی دعوت دی گئی۔ مختلف اوقات میں اس کیس کی کئی روز تک سماعت ہوتی رہی۔ چنانچہ 30 اکتوبر 1990ء کو وفاقی شرعی عدالت نے متفقہ طور پر مذکورہ پٹیشن منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کی متبادل سزا ''سزائے عمر قید'' کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا اور حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295 سی سے حذف کیا جائے، جس کے لیے 30 اپریل 1991ء کی مہلت حکومت کو دی گئی۔ مزید کہا گیا کہ اگر 30 اپریل 1991ء تک ایسا نہ کیا گیا تو ''یا عمر قید'' کے الفاظ دفعہ 295 سی تعزیرات پاکستان سے اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے جو نفاذِ اسلام اور قرآن وسنت کے قانون کی بالادستی کا منشور دے کر برسر اقتدار آئی تھی، سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس پر پورے ملک میں حکومت کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ وزیر اعظم پاکستان نے عوامی احتجاج کے پیش نظر برسر عام اعلان کیا کہ اس اپیل کا انہیں قطعی علم نہیں تھا، ورنہ ایسی غلطی کبھی سرزد نہ ہوتی اور اس جرم کی سزائے موت بھی کم تر سزا ہے، چنانچہ حکومت نے یہ اپیل سپریم کورٹ سے فوری طور پر واپس لے لی، جس کے بعد بفضل تعالیٰ اب پاکستان میں توہین رسالت ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت حتمی اور قطعی طور پر جاری ہو چکی ہے۔

اب تمام قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد جرم ثابت ہونے پر توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے گی۔ ذیل میں تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے سلسلہ میں وفاقی شرعی عدالت کا مکمل فیصلہ دیا جارہا ہے۔

فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان

(فیصلہ قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(ابتدائی معلومات)

- جناب جسٹس گل محمد خاں چیف جسٹس۔
- جناب جسٹس عبدالکریم خاں کندی۔
- جناب جسٹس عبادت یار خاں۔
- جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھیم۔
- جناب جسٹس فدا محمد خاں۔

شریعت پٹیشن نمبر 6۔ایل۔سال 1987ء منفصلہ 30 اکتوبر 1990ء

محمد اسماعیل قریشی .... پٹشنر

بنام

حکومت پاکستان بذریعہ سیکرٹری قانون و پارلیمانی امور...... ریسپانڈنٹ

تاریخ ہائے سماعت: 26 تا 29 نومبر 1989ء، 4 تا 7 مارچ 1990ء

تاریخ فیصلہ: 30 اکتوبر 1990

فیصلہ

جناب جسٹس گل محمد خاں چیف جسٹس

یہ فیصلہ درخواست شریعت نمبر 1 / ایل 1984 اور درخواست ایس ایس نمبر

87/106 میں اٹھائے گئے (شرعی اور آئینی) نکتہ کے بارے میں صادر کیا جاتا ہے۔
درخواست گذار محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295 سی کو ان درخواست ہائے شریعت کے ذریعہ چیلنج کیا ہے جو بذریعہ آرڈیننس 1988ء پاکستان میں نافذ کی گئی۔قبل ازیں ایسی ہی ایک درخواست شریعت' سائل درخواست گذار نے عدالت ہذا میں دائر کی تھی (1) مگر اس کا فیصلہ ہونے سے پیشتر قانون ساز اسمبلی نے ازخود قانون (توہین رسالتﷺ) میں ترمیم کر دی اور متذکرہ بالا 295 سی پاکستان پینل کوڈ میں شامل کر دی گئی' جس سے درخواست گذار مطمئن نہیں' اس لیے عدالت ہذا سے رجوع کیا گیا ہے (2) دفعہ 295 سی کا متن حسب ذیل ہے۔

دفعہ 295 سی: رسولِ پاک کے لیے اہانت آمیز الفاظ کا استعمال

- ''کوئی شخص بذریعہ الفاظ زبانی' تحریری یا اعلانیہ' اشارتاً' کنایتاً' بہتان تراشی کرے اور رسول اکرم حضرت محمدﷺ کے پاک نام کی بے حرمتی کرے' اسے سزائے موت یا سزائے عمر قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔''

2۔ اس دفعہ کے خلاف صریح اعتراض یہ ہے کہ اس میں متبادل سزا' سزائے عمر قید ان احکاماتِ اسلامی کے خلاف ہے جو قرآن حکیم اور سنت رسول اللہﷺ میں دیئے گئے ہیں۔ جو نکتہ اعتراض اٹھایا گیا ہے' وہ یہ ہے کہ رسالت مآبﷺ کی شان میں کسی قسم کی کوئی بے ادبی یا اہانت آمیز بات شرعی حد کے دائرہ میں آتی ہے اور اس کی سزا قرآن اور سنت میں بطور حد مقرر ہے جس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ فاضل ایڈووکیٹ نے اس سلسلہ میں سورۂ انفال کی آیت 13 اور سورۂ نساء کی آیت 65 پر حصر کیا ہے اور اپنے اس موقف کی تائید میں کہ توہین رسالت کی سزا صرف سزائے موت ہے اور کسی عدالت کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اس سے کم تر سزا یعنی عمر قید کی سزا دے۔ قرآنی آیات کے علاوہ احادیث نبوی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

3- عدالت ہذا نے اس مقدمہ کی سماعت کے لیے عوام الناس کے نام نوٹس جاری کیے اور فقہا حضرات سے بھی معاونت طلب کی۔ مقدمہ مذکور کی لاہور' کراچی اور اسلام آباد میں متعدد تاریخوں پر سماعت ہوئی اور عدالت کو مندرجہ ذیل فقہا

حضرات کا تعاون حاصل رہا۔

1- مولانا سبحان محمود صاحب

2- مولانا مفتی غلام سرور قادری صاحب

3- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

4- مولانا محمد عبدہ الفلاح صاحب

5- مولانا سید عبدالشکور صاحب

6- مولانا فضل ہادی صاحب

7- مولانا سعید الدین شیر کوٹی صاحب

مندرجہ بالا میں سے درج ذیل نے سائل کے موقف کی تائید کی‘ کہ اس جرم کی سزا صرف سزائے موت ہی ہے۔

1- مولانا سبحان محمود صاحب

2- مولانا مفتی غلام سرور قادری صاحب

3- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

4- مولانا محمد عبدہ الفلاح صاحب

5- مولانا سید عبدالشکور صاحب

6- مولانا فضل ہادی صاحب

مندرجہ ذیل نے مزید کہا کہ اگر مجرم توبہ کرے تو سزا موقوف کر دی جائے گی۔

1- مولانا سبحان محمود صاحب

2- مولانا مفتی غلام سرور قادری صاحب

3- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

تاہم مولانا سعید الدین شیر کوٹی نے کہا کہ کم تر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

-4 مولانا سبحان محمود نے قرآن مجید کی آیات 65:9 اور 66‘57:33‘ 2:49‘ 217:2‘ 75:5‘ 1:39 اور 65‘ 28:47 پر اعتماد کیا۔ انہوں نے کچھ احادیث اور فقہی آراء بیان کیں جن میں شاتم کو مرتد تصور کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید

اس حدیث پر اعتماد کیا جو ابو قلابہؒ سے مروی ہے جس میں شاتم کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے قاضی عیاضؒ سے مروی حدیث پر بھی اعتماد کیا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''ہلاک کر دو اس شخص کو جو پیغمبر کو گالی دے اور اسے دُرے لگاؤ جو ان کے اصحاب کو گالی دے۔'' انہوں نے ان احادیث پر بھی اعتماد کیا جن کے مطابق رسول پاک ﷺ نے شاتم کو سزائے موت دی۔ انہوں نے فقہا کے اجماع کا بھی حوالہ دیا کہ شاتم کی سزا موت ہے۔ انہوں نے مزید موقف اختیار کیا کہ عمر قید کی سزا شاتم رسول عورت یا غیر مسلم کو دی جا سکتی ہے۔

5۔ مولانا مفتی غلام سرور قادری نے آیاتِ قرآنی 57:49، 65:9 اور 61:9,62 اور 42، 8:58، 57:33، 65:4، 104:2 اور بعض احادیث پر اعتماد کیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ شاتم کے لیے صرف سزائے موت ہی مقرر ہے، انہوں نے ان احادیث کے حوالے بھی دیئے جن میں رسول پاک ﷺ نے شاتم کو معاف کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے آیاتِ قرآنی اور احادیث رسول پاک ﷺ پیش کیں، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اس نکتہ پر واضح ہیں کہ کس جرم میں توبہ قابل قبول ہے۔ مقتدر حنفی فقہا خصوصاً ابن عابدینؒ کے اقوال کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ شاتم کی توبہ قابل قبول ہے اور یہی فقہائے حنفیہ کا ترجیحی نظریہ ہے۔

6- مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے حنفی فقہا کے نظریہ پر اعتماد کیا کہ شاتم کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد اسے سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے آیاتِ قرآنی اور رسولِ پاک ﷺ کی احادیث کے حوالے بھی دیئے، بالخصوص ایک حدیث جو ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کو قتل کر دو جو اپنا مذہب (اسلام) بدل دے۔'' ان کے مطابق شاتم چونکہ مرتد ہو جاتا ہے پس اسے سزائے موت دی جانی چاہیے۔ انہوں نے ابن تیمیہؒ کی رائے کا بھی حوالہ دیا کہ شاتم کی سزا موت ہے۔ انہوں نے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے فتویٰ پر بھی اعتماد کیا (جس کے مطابق شاتم کی سزا قتل قرار دی گئی ہے)۔

7- مولانا محمد عبدہ الفلاح نے دوسری آیات کے ساتھ ساتھ اس قرآنی آیت 46:4 اور احادیث رسول پاک ﷺ پر اعتماد کیا جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاتم کی سزا موت مقرر فرمائی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

8- مولانا سید عبدالشکور نے آیات 24:9' 57:33 اور 12:9 کا حوالہ دیا۔ انہوں نے احادیث رسول پاک ﷺ بھی پیش کیں کہ شاتم کی سزا موت ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے گستاخانِ رسول کو سزائے موت دی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کتاب ''الفقہ علیٰ مذاہب الاربعہ'' مصنفہ عبدالرحمٰن الجزیری جلد پنجم صفحات 274، 275 اور ''ردالمختار'' جلد سوم صفحات 290، 291 سے مختلف فقہا کی آراء بھی پیش کیں۔

9- مولانا فضل ہادی نے آیات 2:49' 57:33' 28' 22:58' 12:9' 65:9 اور 66 پر اعتماد کیا۔ انہوں نے رسولِ پاک ﷺ کی کچھ احادیث کا حوالہ بھی دیا جن میں شاتم رسول کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے فقہا کی آراء بھی پیش کیں کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

10- مولانا سعید الدین شیر کوٹی نے قرآن شریف کی آیات 9:48 - 49:' 3' 53-4:13-2:187' 229 اور 57:33 کے حوالے دیئے۔ انہوں نے متعدد احادیث بھی پیش کیں' جن میں رسول پاک ﷺ نے بعض گستاخانِ رسالتؐ کو سزائے موت دی اور بعض کو معاف بھی فرمایا۔ انہوں نے فقہا کی بہت سی آراء کا حوالہ بھی دیا خصوصاً جن کا ذکر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب امداد الفتوٰی جلد پنجم صفحات 166-168 پر کیا ہے۔

11- تقریباً تمام فقہا نے مندرجہ ذیل آیات پر اعتماد کیا ہے جو یوں ہیں:

''57:33۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔''

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

❑ ''ہر چیز جو رسول پاک ﷺ کی ایذا کا سبب بن جائے' خواہ وہ مختلف معنی کے حامل الفاظ کے حوالہ سے ہو یا ایسے عمل سے جو آپ کی اذیت کے تحت آتا ہے۔''

(الجامع الاحکام جلد 14 صفحہ 238)

علامہ اسماعیل حقیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

❑ ''اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دینے کا مطلب' دراصل صرف رسول کو اذیت دینا ہے اور اللہ کا ذکر صرف عظمت اور سرفرازی کے لیے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ رسول کو اذیت دینا' دراصل اللہ کو اذیت دینا ہے۔''

12- دوسری آیت جس پر اعتماد کیا گیا ہے' اس طرح ہے:

❑ ''61:9' 62۔ ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنی باتوں سے نبی ﷺ کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔ کہو وہ تمہاری بھلائی کے لیے ایسا ہے' اللہ پر ایمان رکھتا ہے' اور اہل ایمان پر اعتماد کرتا ہے اور سراسر رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایماندار ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ دیتے ہیں' ان کے لیے دردناک سزا ہے۔'' (61:9)

❑ ''یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں' تا کہ تمہیں راضی کریں' حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں''۔

(62:9)

ابن تیمیہؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

❑ ''آیت 62:9 اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا' اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ہے۔'' (الصارم المسلول ص 21,20)

13- ابن تیمیہؒ مزید لکھتے ہیں ''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب شاتمانِ رسول ﷺ کے گروہ میں سے ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا ''تم اور تمہارے دوست مجھ پر کیوں سب و شتم کرتے ہیں جس پر وہ شخص چلا گیا اور اپنے دوستوں کو لے آیا اور ان سب نے اللہ کی قسم کھائی اور کہا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو برا بھلا نہیں کہا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:۔

18:58 ''جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا' وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں' اور اپنے نزدیک یہ سمجھیں گے کہ اس سے ان کا کچھ کام بن جائے گا۔ خوب جان لو' وہ پرلے درجہ کے جھوٹے ہیں۔''

19:58 ''شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے خدا کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو' شیطان کی پارٹی والے ہی خسارہ میں رہنے والے ہیں۔

یہ آیات مندرجہ ذیل آیت **20:58** سے منسلک ہیں۔

20:58 ''یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں۔''

14- اس طرح ان آیاتِ قرآن پاک سے بھی ظاہر ہے کہ یہ گالی دینے والے اور شاتم' اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں' جن کے متعلق قرآن کہتا ہے:

- ''اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو' میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں' پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور پور پور پر چوٹ لگاؤ'' **(12:8)**
- ''یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرے، اللہ اس کے لیے نہایت سخت گیر ہے۔''(13:8)
- ''اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔'' **(3:59)**
- ''یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو بھی اللہ کا مقابلہ کرے' اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔'' **(4:59)**

چنانچہ یہ آیات واضح طور سے سزائے موت مقرر کرتی ہیں' ان لوگوں کے لیے

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں، جن میں شاتمانِ رسول ﷺ شامل ہیں۔

15- قرآن پاک اس ضمن میں مزید بیان کرتا ہے:

❑ ''اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تمہیں اٹھا کھڑا کریں گے پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے۔'' **(60:33)**

❑ ''ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی، جہاں کہیں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔'' **(61:33)**

16- قرآن پاک نے رسول ﷺ کی تعظیم اور تکریم ایک دوسرے طریقہ سے بیان کی ہے اور مسلمانوں کو اسے قائم رکھنے اور اس معاملہ میں احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے ورنہ ان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ قرآن کہتا ہے:

❑ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبی ﷺ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔'' **(2:49)**

ابن تیمیہؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اس آیت میں مومنین کو اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ان کی بلند آوازی ان کے اچھے اعمال کو غارت نہ کر دے اور وہ اس سے بے خبر ہوں۔''

17- قرآن کی مختلف آیات سے یہ واضح ہے کہ کفر اور ارتداد انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

❑ ''لوگ پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو: اس میں لڑنا بہت برا ہے، مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک، اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ، خونریزی سے شدید ہے۔ وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے، حتی کہ اگر ان کا

بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں۔ (اور خوب سمجھ لو کہ) کہ تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا' اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔'' (217:2)

- ''آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں' اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں' خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی' بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ ہو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو۔ اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامۂ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہوگا۔'' (5:5)

- ''یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ' وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے' راہنمائی کرتا ہے' لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔'' (88:6)

- ''تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاءؑ کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔'' (65:39)

- ''کیونکہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے' لہذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔'' (9:47)

18- جناب رسالت مآب ﷺ کے خلاف الزام تراشی کو روکنے کے لیے قرآن پاک نے مومنوں کو ذومعنی الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا ہے' جیسا کہ یہودی رسولِ اکرم ﷺ کی اہانت کے لیے کرتے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے:

- ''اے ایمان لانے والو'' راعنا نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہو اور توجہ سے بات کو سنو' یہ کافر تو عذابِ الیم کے مستحق ہیں۔'' (104:2)

مولانا محمد علی صدیقی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''یہود یہ لفظ رسولِ اکرم ﷺ کی اہانت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لفظ ''راعنا'' کے دو معنی ہیں' اچھے اور برے۔ اس کے اچھے معنی ہیں ''ہم پر مہربانی اور توجہ فرمائیے۔''

برے معنی ہیں جو یہود راعینا کہتے تھے یعنی ''اے ہمارے گڈریے'' اور وہ یہ لفظ رسول ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ پس یہ ایک طنزیہ اشارہ ہے جو توہین رسالت کے برابر ہے' اس لیے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا تھا' تا کہ وہ تمام راستے بند ہو جائیں جو رسول ﷺ کی اہانت کا باعث ہوں۔

-19 یہود لفظ راعنا کو راعینا کی طرح استعمال کرتے تھے' تا کہ اسلام کو عیب لگائیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

❑ ''جو لوگ یہودی بن گئے ہیں' ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر کہتے ہیں **سمعنا و عصینا** اور **اسمع غیر مسمع** اور **راعنا** حالانکہ اگر وہ کہتے **سمعنا و اطعنا** اور **اسمع** اور **انظرنا** تو یہ انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ راستبازی کا طریقہ' مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے' اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔'' **(46:4)**

علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ ''مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا' تا کہ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے راستے مسدود ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محرومی مذہب سے انحراف ہے۔''

(معالم القرآن از محمد علی صدیقی' جلد اول' صفحات **463** تا **468**)

-20 حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ بشار نامی' ایک منافق کا ایک یہودی سے کسی معاملہ میں تنازعہ تھا۔ یہودی نے فیصلہ کے لیے اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور منافق نے اسے کعب بن اشرف کے پاس جانے کے لیے کہا۔ بہر حال دونوں رسول پاک ﷺ کی خدمت میں گئے اور آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ منافق اس فیصلہ پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ وہ تنازعہ حضرت عمرؓ کے پاس لے

گئے۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو بتا دیا کہ رسول پاک ﷺ پہلے ہی میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں، یہ شخص اس پر راضی نہ تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے منافق سے کہا۔ کیا یہ ایسا ہی ہے؟'' اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ اندر گئے، اپنی تلوار لی اور منافق کو قتل کر دیا اور کہا اس شخص کے لیے میرا یہی فیصلہ ہے جو رسول پاک ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس پر آیت 65:4 نازل ہوئی جو مندرجہ ذیل ہے:

❑ ''نہیں، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔'' **(65:4)**

(روح المعانی، جلد پنجم صفحہ 67)۔ حضرت عمرؓ کے اس عمل کی قرآن کریم نے توثیق کی اور یہ اہانت رسول پاک ﷺ کے لیے سزائے موت کی نظیر ہے۔

21۔ قرآن پاک نے مزید اعلان کیا ہے کہ اہانت رسول ﷺ ارتداد ہے خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

❑ ''اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے، تو جھوٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو، کیا تمہاری ہنسی اور دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟'' **(65:9)**

❑ ''اب عذر نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیا تو دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے، کیونکہ وہ مجرم ہے۔'' **(66:9)**

22- ابن تیمیہؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔'' یہ بات اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑانے کے بارے میں ہے۔ پس اہانت کو کفر سے بھی شدید تر گردانا جائے گا، جیسا کہ اس آیت سے اخذ ہوتا ہے کہ جو کوئی رسول ﷺ کی توہین کرتا ہے، مرتد ہو جاتا ہے۔'' (الصارم المسلول صفحہ 31)

ابوبکر بن عربی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''منافقین یہ لفظ دانستہ بولتے تھے یا بطور استہزا، بہر حال صورت جو بھی ہو، یہ کفر ہے، کیونکہ کفریہ الفاظ

سے مذاق کرنا بھی کفر ہے۔'' (احکام القرآن جلد دوم صفحہ 924)

23- قرآن نے رسول پاک ﷺ کی عظمت و شان کے پیش نظر ذرا سی بھی وجہ ناراضی سے منع کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا مومنوں کے لیے ممنوع ہے' تاکہ اہانت رسول ﷺ کا ذریعہ نہ بن سکے۔قرآن کہتا ہے:

❑ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ' مگر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ' باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں' مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ نبی ﷺ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو' یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔تمہارے لیے ہرگز یہ جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دو' اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو' یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔''(53:33)

24- رسول پاک ﷺ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت کے بہترین شارح ہیں اور یہ آپ کی سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ کا شاتم' سزائے موت کا مستوجب ہے۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے:

(1) حضرت علیؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کو قتل کرو جو ایک نبی کو گالی دیتا ہے اور جو میرے صحابہؓ کو گالی دے، اسے درے لگاؤ۔'' (الشفاء' قاضی عیاض جلد دوم صفحہ 194)

(2) ابن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا شخص کے پاس ایک لونڈی تھی جو رسول پاک ﷺ پر سب و شتم کیا کرتی تھی۔اس نابینا شخص نے اسے اس حرکت سے باز رہنے کا حکم دیا اور اسے ایسا نہ کرنے کی تنبیہ کی' مگر اس نے پروا نہ کی۔ ایک شب جب وہ حسب معمول

رسول پاک ﷺ کو گالیاں دے رہی تھی' اس نابینا شخص نے چھری اٹھائی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اگلی صبح جب اس عورت کے قتل کا مقدمہ رسولِ پاک ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا ''یہ کام کس نے کیا ہے؟ کھڑا ہو جائے اور اقبال (جرم) کرے' کیونکہ جو کچھ اس نے کیا ہے، اس کے باعث میرا اس پر حق ہے۔'' اس پر نابینا شخص کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو چیرتا ہوا رسول پاک ﷺ کے سامنے آیا اور بولا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس لونڈی کو قتل کیا ہے' کیونکہ اس نے آپ کو گالیاں دی تھیں۔ میں نے مسلسل اسے منع کیا' مگر اس نے کوئی پروانہ کی۔ اس سے میرے دو خوبصورت بیٹے ہیں اور وہ میری بہت اچھی ساتھی تھی' مگر کل جب اس نے آپ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں تو میں نے اپنی چھری اٹھائی اور اس کے پیٹ پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا۔'' رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! گواہ رہنا اس عورت کا خون رائیگاں گیا۔'' (ابو داؤد جلد دوم صفحات 355-357)

(3) حضرت علیؓ کی سند سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت رسول پاک ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی' اس کو ایک شخص نے قتل کر دیا۔ رسول پاک ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔ (مندرجہ بالا)

(4) ابو برزہؓ کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ''میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس بیٹھا تھا جب وہ ایک شخص پر برہم ہوئے' میں نے ان سے کہا ''اے خلیفہ رسول اللہ! مجھے حکم دیجئے' میں اسے قتل کر دوں۔ اتنی دیر میں ان کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ اندر گئے اور مجھے بلایا اور کہا ''تم نے کیا کہا تھا؟'' میں نے عرض کی ''مجھے حکم دیجئے اسے قتل کرنے کا۔'' آپ نے فرمایا ''اگر میں تمہیں حکم دے دیتا تو کیا تم اسے قتل کر دیتے؟'' میں نے کہا ''ہاں'' انہوں نے کہا ''نہیں'' میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول پاک ﷺ کے سوا کوئی شخص اس حیثیت میں نہیں کہ اس کو برا کہنے والا قتل کیا جائے۔'' (مندرجہ بالا)

(5) حضرت جابر ابن عبداللہؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''کعب بن اشرف کے خلاف کون میری مدد کرے گا؟ بلاشبہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی۔'' اس پر محمد ابن مسلمہ کھڑے ہوئے اور بولے ''اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کر دوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' چنانچہ وہ عباس ابن جابرؓ اور عباد ابن بشرؓ کے ہمراہ گئے اور اسے قتل کر دیا (بخاری جلد دوم صفحہ 88)

(6) حضرت براء ابن عاذب سے سند کے ساتھ روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول پاک ﷺ نے انصار کے کچھ آدمی عبداللہ ابن عتیق کی سرکردگی میں ایک یہودی ابو رافع نامی کے پاس بھیجے جو رسولِ پاک ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔'' (الصارم المسلول از ابن تیمیہ صفحہ 152)

(7) حضرت عمیر ابن امیہ کی سند سے روایت ہے کہ اس کی ایک مشرکہ بہن تھی جو اس کو رسولِ پاک ﷺ سے ملاقات پر طعنے دیتی تھی اور رسولِ پاک ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ آخر کار ایک دن انہوں نے اپنی تلوار سے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بیٹے چلائے اور بولے ''ہم ان قاتلوں کو جانتے ہیں جنہوں نے ہماری ماں کو ہلاک کیا اور ان لوگوں کے والدین مشرک ہیں۔'' عمیر نے سوچا کہ اس عورت کے بیٹے کہیں غلط اشخاص کو قتل نہ کر ڈالیں' وہ رسول پاک ﷺ کی خدمت میں آئے اور پورے معاملہ کی اطلاع آپ کو دی۔ نبی ﷺ نے ان سے کہا ''کیا تم نے اپنی بہن کو مار ڈالا؟ انہوں نے جواب دیا ''ہاں''۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا ''کیوں''؟ انہوں نے کہا کہ وہ مجھے آپ ﷺ کے تعلق کی وجہ سے نقصان پہنچا رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے بیٹوں کو بلایا اور قاتلوں کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے دوسرے لوگوں کی بطور قاتل نشان دہی کی۔ اس پر اللہ کے رسولؐ نے انہیں بتایا اور اس کی موت کو رائیگاں قرار دیا۔ (مجموعہ الزوائد و منابع الفوائد جلد پنجم صفحہ 260)

(8) بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول پاک ﷺ نے عام معافی کے اعلان کے بعد ابن خطل اور اس کی لونڈیوں کے قتل کا حکم دیا جو رسول

پاک ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھیں۔

(الشفاء از قاضی عیاضؒ جلد دوم صفحہ 284 اردو ترجمہ)

(9) قاضی عیاضؒ نے الشفاء میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا "اس شخص کو کون ہلاک کرے گا؟" اس پر خالد بن ولیدؓ نے کہا۔ "میں اسے قتل کروں گا۔" رسول پاک ﷺ نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

(الشفاء از قاضی عیاضؒ جلد دوم ص 284)

(10) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص رسول پاک ﷺ کے پاس آیا اور بولا "اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے باپ نے آپ کو برا بھلا کہا' میں برداشت نہ کر سکا اور انہیں قتل کر دیا" رسول پاک ﷺ نے اس کے اس عمل کی توثیق فرمائی۔

(الشفاء از قاضی عیاض جلد دوم صفحہ 285)

(11) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت جو بنی ختمہ سے تعلق رکھتی تھی' رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا "اس بدزبان عورت سے کون انتقام لے گا؟" اس کے قبیلہ کے ایک شخص نے یہ ذمہ داری اٹھائی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ رسول پاک ﷺ کے پاس آیا' آپ نے فرمایا "اس قبیلہ میں دو بکریاں بھی نہیں لڑیں گی اور لوگ اتحاد اور یگانگت سے رہیں گے۔" (الشفاء از قاضی عیاض دوم صفحہ 286)

-25 حضرت عبدالرزاق نے اپنی "تصنیف" میں مندرجہ ذیل احادیث توہین رسول پاک ﷺ اور اس کی سزا کے متعلق بیان کی ہیں:

(1) حدیث نمبر 9704= حضرت عکرمہؓ کی سند سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ کو گالی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے اس دشمن کے خلاف کون میری مدد کرے گا؟" زبیر نے کہا "میں" پس وہ (حضرت زبیرؓ) اس سے لڑے اور اسے قتل کر دیا۔

(2) حدیث نمبر 9705 = عروہ ابن محمد کی سند سے روایت ہے کہ (جو نبی ﷺ کے ایک صحابی کے حوالہ سے کہتے ہیں) ایک عورت رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی۔ آپ نے فرمایا ''میری اس دشمن کے خلاف کون میری مدد کرے گا؟'' اس پر خالد بن ولیدؓ اس کے تعاقب میں گئے اور اسے قتل کر دیا۔

(3) حدیث نمبر 9706 = عبدالرزاق کی سند سے بیان کیا جاتا ہے (جو اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں) کہ جب ایوب ابن یحییٰ' عدنان کے پاس گئے' ان کو ایک آدمی کی نشاندہی کی گئی جو رسول پاک ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ انہوں نے اس معاملہ میں علما سے صلاح مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن ابن یزید سنانی نے انہیں مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں ایک حدیث سنائی تھی کہ وہ حضرت عمرؓ سے ملے اور ان سے بہت علم حاصل کیا۔ ایوب نے اس عمل کا ذکر عبدالملک (یا ولید ابن عبدالملک) سے بھی کیا۔ انہوں نے جواباً ان کے عمل کی تعریف کی۔

(4) حدیث نمبر 9707 = سعید ابن جبیر کی سند سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ کی نقل کی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا اور ان سے کہا ''جب تم اسے پاؤ تو قتل کر دو۔''

(5) حدیث نمبر 9708 = ابن تیمی کی سند سے روایت ہے جو اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اس آدمی کے قتل کا حکم دیا جس نے رسول پاک ﷺ پر الزام لگایا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد پنجم صفحات 377-378)

-26 یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے بعض شاتمین کو معاف فرما دیا تھا' لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ رسول ﷺ کو بذاتِ خود ہی معافی کا اختیار تھا' لیکن امت کو' آپ ﷺ نے شاتمین کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔

(الصارم المسلول' ابن تیمیہ صفحات 222-223)

27- ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ ابو سلیمان خطابی نے کہا ''اگر شاتم رسول ﷺ مسلمان ہوتو اس کی سزا موت ہے اور اس میں میرے علم کے مطابق مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ (الصارم المسلول صفحہ 4)

28۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں۔ ''اس نکتہ پر آئمہ کا اجماع ہے کہ ایک مسلمان مرتکب توہین رسالتؐ کی سزا موت ہے۔'' (الشفاء جلد دوم صفحہ 211)

قاضی عیاضؒ مزید رقم طراز ہیں ''ہر وہ شخص جو رسول پاک ﷺ کو گالی دے آپ ﷺ میں کوئی نقص نکالے یا آپ ﷺ کے نسب میں یا آپ کی کسی صفت میں یا آپ کی طرف کوئی کنایہ کرے یا کسی دوسری چیز سے آپ کی مشابہت کرے بطور آپ ﷺ کی توہین، بے عزتی، تذلیل، بے لحاظی یا نقص کے، تو وہ آپ ﷺ کا شاتم ہے اور وہ قتل کیا جائے گا اور علما و فقہاء کا اس نکتہ پر اجماع' صحابہ کے زمانہ سے آج تک ہے۔'' (الشفاء از قاضی عیاضؒ جلد دوم صفحہ 214)

29- ابو بکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں۔ ''مسلمانوں میں اس امر میں کوئی اختلافِ رائے نہیں کہ ایک مسلمان جو دانستہ رسول پاک ﷺ کی تضحیک و توہین کرتا ہے' مرتد ہو جاتا ہے اور سزائے موت کا مستوجب ہوتا ہے۔'' (احکام القرآن' جلد ہشتم صفحہ 106)

یہاں ایک اور حدیث بیان کرنا مفید ہوگا۔

''عبداللہ ابن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو قتل کر دو جو اپنا مذہب (اسلام) تبدیل کرتا ہے۔'' (بخاری جلد دوم صفحہ 123)

30- قاضی عیاضؒ نے بیان کیا ہے کہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے شاتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ عراق کے کچھ فقہاء نے اس کو دُرے لگانا تجویز کیا ہے۔ اس پر امام مالکؒ غضب ناک ہو گئے اور کہا ''اے امیر المومنین! اس امت کو زندہ رہنے کا کیا حق حاصل ہے' جب اس کے رسول کو گالیاں دی جائیں۔ پس اس شخص کو جو رسول ﷺ کو برا بھلا کہے' قتل کرو اور اس کے دُرے لگاؤ جو آپ کے صحابہؓ کو برا بھلا کہے۔'' (الشفاء جلد دوم' صفحہ 215)

31- ابن تیمیہؒ اس ضمن میں فقہاء کی آراء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''ابوبکر فارسی شافعی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا موت ہے' اگر وہ مسلمان ہے۔'' (الصارم المسلول صفحہ 3)

32- مندرجہ بالا بحث سے کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا کہ قرآن پاک کے مطابق جب رسول پاک ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور اس کے بعد امت میں تواتر سے اسی پر عمل ہو رہا ہے کہ رسول پاک ﷺ کی توہین کی سزا موت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے بعد کسی نے سزا میں کمی یا معافی کا حق استعمال نہیں کیا اور نہ کسی کو اس کا اختیار تھا۔ اس طرح مقدمہ میں پیدا ہونے والا دوسرا سوال اہانت رسول ﷺ کا تعین یا اس کی واضح تعریف کرنا ہے۔

33- سب' شتم کے الفاظ اور اذی' توہین رسول ﷺ کے لیے قرآن پاک اور سنت میں استعمال ہوئے ہیں۔ سب کے معنی تکلیف اٹھانے' نقصان پہنچانے' تنگ کرنے' اہانت کرنے' بے عزتی کرنے' ناراض کرنے' مجروح کرنے' تکلیف میں مبتلا کرنے' بدنام کرنے' درجہ گھٹانے اور طنز کرنے کے ہیں۔ (Arabic English E. W. Lane, Book I, Part I, Page24) لفظ شتم کے معنی ہیں بے عزتی کرنا' گالی دینا' ملامت کرنا' جھڑکنا' بددعا دینا' بدنام کرنا' (مندرجہ بالا صفحات 212, 249)

علامہ رشید رضا' لفظ ''اذی'' کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس کے معنی کوئی ایسی چیز ہے' جس سے زندہ شخص کے جسم یا ذہن کو تکلیف پہنچے خواہ ہلکی ہی ہو۔

(المنار جلد دہم' صفحہ 445)

علامہ ابن تیمیہؒ توہین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اس کے معنی رسولؐ کو لعنت کرنے' ان کے لیے کسی مشکل کی دعا کرنے' یا ان کی طرف کسی ایسی چیز کو منسوب کرنا ہے جو ان کے رتبہ کے لحاظ سے نازیبا ہو' یا کوئی توہین آمیز' جھوٹے اور نامناسب الفاظ استعمال کرنا' یا ان سے جہالت منسوب کرنا یا ان پر کسی انسانی کمزوری کا الزام لگانا وغیرہ۔'' (الصارم المسلول' ابن تیمیہ' صفحہ 526)

34- ابن تیمیہ توہین رسالت ﷺ کے جرم کے دائرہ اور لوازمات پر بحث سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں ’’بعض اوقات ایک حالت میں ایک لفظ ہی ضرر اور توہین بن جاتا ہے‘ جبکہ دوسرے موقع پر ایسا لفظ ضرر بنتا ہے نہ توہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ذومعنی اور مختلف مطالب والے لفظ کی توضیح‘ حالات اور مواقع کے ساتھ بدل جاتی ہے‘ جبکہ سب (توہین و تذلیل) کی تعریف شرع میں دی گئی نہ لغت میں‘ تو اس کی توضیح کے لیے رواج اور محاورہ پر انحصار کیا جائے گا‘ وہی شرع میں توہین وتذلیل قرار پائے گا اور اس کے برعکس بھی۔‘‘
(الصارم المسلول ابن تیمیہ‘ صفحہ 540)

35- فوجداری مسئولیت کے لیے خطا کاری دانستہ طور پر ارادتاً ہونا چاہیے یا کسی مجرمانہ غرض سے کی جائے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ غفلت سے کی گئی ہو۔ اور ہر موقع پر فاعل کی ذہنی کیفیت ایسی ہو جو سزا کو مؤثر بنا سکے۔ اگر ایک شخص دانستہ غلط کاری اختیار کرتا ہے تو تعزیری نظام آئندہ کے لیے اسے راہ راست اختیار کرنے کے لیے وافر قوتِ محرکہ فراہم کرے گا۔ اگر دوسری طرف سے اس سے ممنوعہ فعل خطا کارانہ نیت کے بغیر سرزد ہوا ہے‘ تب بھی نقصان دہ نتائج کے امکان کو محسوس کرتے ہوئے سزا آئندہ کے بہتر طرزعمل کے لیے مؤثر ترغیب ہوسکتی ہے۔

36- تاہم دوسرے ایسے مواقع بھی ہو سکتے ہیں جہاں کافی یا ناکافی وجوہ کی بنا پر قانون ایک کم درجہ کے مجرمانہ ذہن پر مطمئن ہو۔ یہ صورت غفلت کے جرائم کی ہے۔ ایک شخص کو کسی جرم کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اگر اس نے وہ فعل ایک معقول انسان کی طرح متوقع نتائج سے بچنے کے لیے نہ کیا ہو۔ دوسرے معاملہ میں قانون اس سے آگے جاسکتا ہے اور ایک شخص کو بلا لحاظ کسی مجرمانہ ذہنی کیفیت یا قابل مواخذہ غفلت کے‘ اس کے فعل کا ذمہ دار قرار دے سکتا ہے۔ ایسی خطا کاریاں جو غلطی سے مبرا ہوں‘ شدید ذمہ داری والی خطا کاری سے ممیّز کی جاسکتی ہیں۔

37- خطا کاریاں تین قسم کی ہیں:

(1) دانستہ یا غفلت کی خطا کاریاں جن میں مجرمانہ نیت‘ مقصد‘ منصوبہ یا کم از کم پیش بینی شامل ہو۔

(2) غفلت کی خطا کاریاں جہاں مجرمانہ ذہن محض غفلت کی کم اہم شکل اختیار کر لیتا ہے جو مجرمانہ نیت یا پیش بینی سے متضاد ہے ایسی خطا کاریوں میں غلطی جیسا دفاعی موقف صرف مجرمانہ ذہن کی نفی کرے گا اگر غلطی بذات خود غفلت نہ ہو۔

(3) شدید ذمہ داری کی خطا کاریاں جن میں مجرمانہ ذہن کی ضرورت نہیں اور نہ مجرمانہ نیت یا قابل مواخذہ غفلت کو ذمہ داری کی لازمی شرط تصور کیا جائے گا۔ یہاں اس قسم کے دفاعی موقف جیسے غلطی' سے کسی فعل کا سرزد ہونا قابل قبول نہیں۔

38- اس طرح نیت وہ مقصد یا منصوبہ ہے جس کے تحت ایک فعل کیا گیا ہو۔ فرض کریں ایک آدمی بندوق خریدتا ہے۔ اس کی نیت' شکار کھیلنے کی ہوسکتی ہے' اپنے دفاع کے لیے استعمال کی ہوسکتی ہے یا کسی پر گولی چلا کر اسے جان سے مار دینے کی ہوسکتی ہے۔ تاہم اگر موخر الذکر فعل ذاتی مدافعت ثابت نہیں ہوتا' بلکہ قتل ثابت ہوتا ہے' تب نیت ایسا ہی کرنے کی کہی جاسکتی ہے' یعنی جان سے مار دینے کی۔

39- ایک غیر ارادی فعل وہ ہے جس میں ایسا مقصد یا منصوبہ مفقود ہو۔ ایک فعل جیسے جان سے مارنا جو ایک وجہ اور اثر کا حامل ہے' اس وقت غیر ارادی ہوسکتا ہے جب کہ فاعل ایسے نتائج برآمد کرتا ہے جو اس کی نیت نہ تھے۔ کوئی شخص غلطی سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے جیسے شکار پر گولی چلاتے ہوئے یا غلط فہمی سے' اس کو کوئی اور شخص تصور کرتے ہوئے' پہلے بیان کردہ صورتوں میں وہ عواقب کا اندازہ نہیں لگا سکتا' جبکہ موخر الذکر صورت میں وہ بعض حالات سے ناواقف ہے۔

40- تاہم نظام قانون یہ اصول فراہم کرسکتا ہے کہ ایسے نتائج کے لیے آدمی کو قابل مواخذہ قرار دیا جائے' چاہے یہ اس کی نیت نہ رہے ہوں۔ اولاً ایسا اصول ذہنی عناصر کی مشکل تفتیش کا تدارک کرے گا' دوم اور زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ اصول اس بنا پر معقول ہوگا کہ کسی شخص کو ایسے افعال نہیں کرنے چاہئیں' جن کو وہ سمجھتا ہو کہ دوسروں کے لیے باعث آزار ہوں گے' خواہ اس کی نیت یہ آزار پہنچانے کی ہو یا نہ ہو۔ ایسا رویہ بظاہر غیر محتاط اور موردِ الزام ہے' تاوقتیکہ خطرہ کا جواز خود فعل کے معاشرتی مفاد کی بنا پر نہ پیش کیا جاسکے۔

41- اس خاص تعلق سے اور عموماً ہر دو صورتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ قانون میں یہ اختیار ہو سکتا ہے اور بعض اوقات ہوتا ہے کہ نیت کی محدود تعریف سے باہر اس بنا پر ذمہ داری منسوب کی جائے جس کو تاویلی نیت کہا جاتا ہے۔ وہ نتائج جو دراصل محض غفلت کی پیداوار ہیں' قانون میں بعض اوقات دانستہ گردانے جاتے ہیں۔ پس جو کوئی کسی دوسرے کو شدید جسمانی نقصان پہنچاتا ہے' خواہ اسے ہلاک کرنے کی خواہش یا اس کی یقینی موت کی توقع کے بغیر ہی کیوں نہ ہو' موت واقع ہو جانے کی صورت میں وہ قتل کا مجرم ہوگا۔

42- اگرچہ کہ قانون اکثر بلا استثناء ہمیشہ اس قسم کے تغافل سے پیدا ہونے والے عواقب کو' جسے بے احتیاطی سے ممیّز کیا جا سکے' دانستہ گردانتا ہے یعنی جہاں فاعل اپنے خطا کارانہ فعل کے متوقع عواقب کی پیش بینی کر سکتا ہے۔ بے شک ایک معقول آدمی کی پیش بینی بظاہر ایک مفید شہادتی کسوٹی ہے جس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فاعل نے خود کیا بھانپ لیا تھا' لیکن متذکرہ اصول نے اسے ایک قانونی قیاس کی شکل دے دی ہے جو بظاہر رد نہیں کی جا سکتی۔ یوں نیت کے تحت وہ افعال آتے ہیں جو صریحاً مدنظر ہوں یا جو غفلت سے کیے گئے ہوں۔

43- شریعت میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مجرمانہ نیت پہلے سے تھی یا جرم کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی۔ دونوں صورتوں میں سزا یکساں ہے۔ اس اصول کی تائید درج ذیل حدیث رسول پاک ﷺ سے ہوتی ہے:

❑ ''اللہ تعالیٰ وہ تمام خیالات معاف فرما دیتا ہے جو میری امت کے افراد کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جن کو وہ ظاہر نہیں کرتے یا جن پر وہ عمل نہیں کرتے۔''

یہی وجہ ہے کہ شریعت پہلے سے طے شدہ قتل انسانی اور ایذا رسانی اور بغیر سوچے سمجھے قتل یا ایذا کے درمیان کوئی خط تفریق نہیں کھینچتی اور دونوں صورتوں میں بعینہٖ وہی سزا مقرر کرتی ہے۔ قتل کی مقررہ سزا قصاص ہے' خواہ وہ سوچا سمجھا ہوا ہو یا نہ ہو۔

44- نیت پختہ یا غیر پختہ ہو سکتی ہے۔ کسی مجرم کی کسی بھی شخص کو صاف ضرر پہنچانے کی نیت ایک واضح نیت سمجھی جائے گی۔ اگر مجرم اپنے نتائج پیدا کرنے کی نیت رکھتا ہے

تو باوجود غیر واضح نتائج کے‘ اس کا جرم ایک واضح فعل گردانا جائے گا‘ خواہ اس سے کچھ بھی نتائج پیدا ہوں۔ حنفیہ‘ حنابلہ اور بعض شافعی فقہاء مجرمانہ معاملات بشمول قتل کی واضح اور غیر واضح نیت میں کوئی تمیز روا نہیں رکھتے‘ لہٰذا اگر مجرم کا فعل قتل پر منتج ہوتا ہے تو وہ دانستہ قاتل ہے‘ خواہ اس کی نیت کسی خاص مقتول کی نہ ہو۔

مزید برآں مجرم کی ذمہ داری کا تعین اور اس جرم کی قسم طے کرنے کے لیے جس کا وہ مرتکب ہے‘ فقہاء پختہ اور غیر پختہ نیت کو ایک سطح پر رکھتے ہیں اور انہیں ایک ہی حکم کے تابع خیال کرتے ہیں‘ سوائے اس کے کہ جرم میں قتل اور ناپختہ نیت جرم شامل ہو۔

-45 شریعت نے مجرمانہ نیت اور مقصد جرم کے فرق کو ابتداء ہی سے پیش نظر رکھا ہے‘ مگر ارتکاب پر مقصد کے اثر اور طرز جرم اور اس پر عائد سزا کو تسلیم نہیں کیا۔ یوں شرع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مقصد جرم پسندیدہ ہے جیسے اپنے کسی قریبی عزیز کے قصاص یا مجرم کے ہاتھوں اس کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے‘ یا یہ کہ مقصد جرم غیر پسندیدہ ہے جیسے روپے کے لالچ یا سرقہ کے لیے قتل کرنا۔

-46 دوسرے الفاظ میں مقصد جرم کا مجرمانہ نیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس سے طرزِ جرم یا اس کی سزا متاثر ہوتی ہے۔ پس عملاً یہ ممکن ہے کہ جہاں تک حد اور قصاص کے جرائم کا تعلق ہے‘ مقصد کے اثر کو مسترد کر دیا جائے‘ مگر ایسا کرنا تعزیری سزاؤں کے معاملات میں ممکن نہیں۔ مقصد‘ حد اور قصاص کے جرائم کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ‘ قانون ساز ہستی نے ارتکابِ جرم کے پس پردہ مقصد پر غور کو قبول نہ کر کے عدالت کے اختیار کو مقررہ سزاؤں تک محدود کر دیا ہے‘ لیکن تعزیری سزاؤں کے مقدمات میں اس نے عدالت کو مقدار سزا اور قسم سزا متعین کرنے کا اختیار دیا ہے‘ تاکہ عدالت کے لیے مقدارِ سزا کے تعین میں مقصد جرم کو پیش نظر رکھنا ممکن ہو۔

-47 دوسرے الفاظ میں رائج الوقت‘ انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور شریعت اسلامی میں یہ فرق ہے کہ موخر الذکر ان مقدمات میں جو حدود اور قصاص کے زمرہ میں آتے ہیں‘ مقصد کے اثر کو تسلیم نہیں کرتا۔ شریعت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو عدالت کے لیے مقصد جرم پر غور کرنے میں مانع ہو‘ اگرچہ اصولاً یہ سزا پر اس کے اثر کو تسلیم نہیں کرتی۔

48- مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہے کہ شریعت کسی جرم کو صرف اس وقت قابل حد تسلیم کرتی ہے جب اس کے ساتھ واضح نیت موجود ہو۔ شریعت سزائے حد موقوف کر دیتی ہے اگر اس امر میں کوئی شک ہو' کیونکہ شبہات حد کو زائل کر دیتے ہیں۔

49- چنانچہ پیرا 37 کی صرف پہلی قسم کی خطائیں سزائے حد کو اپنی طرف متوجہ کریں گی اور اس کا اطلاق شاتم رسول پاک ﷺ پر ہوگا۔ مزید یہ کہ چونکہ نیت کا پتہ وقوعہ کے گرد کے حالات سے چل سکتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم کے اعمال حدود کی سزاؤں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کریں گے' بشرطیکہ ملزم یہ ثابت کرے کہ اس کا ارادہ کبھی بھی جرم کرنے کا نہ تھا اور وہ نادم ہو' اگر کہے گئے الفاظ' کیے گئے اشارے یا عمل مبہم ہوں یا وہ مجرمانہ ذہن یا بغض کے کچھ رجحانات ظاہر کرتے ہوں۔ یہاں ہم یہ بھی واضح کر دیں کہ توہین رسول پاک ﷺ کے جرم میں ندامت کا فائدہ یہ ظاہر کرنے کے لیے اٹھایا جا سکتا ہے کہ مجرم کے ذہن میں کوئی مجرمانہ خیال یا بغض نہ تھا اور سزا اسی بنا پر موقوف کر دی جائے گی' اس لیے نہیں کہ ندامت ایک سوچی سمجھی توہین کو ختم کر دے گی۔

قرآن پاک کہتا ہے:

- ''نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے' لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو' اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (5:33)
- ''جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو' تم پر سلامتی ہے' تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔'' (54:6)
- ''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر)' مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا' اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔'' (106:16)
- ''اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں

نے چھپا رکھے ہیں۔'' (19:40)

50- حضرت عمرؓ کی سند سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے نبی ﷺ کو کہتے سنا ''اعمال کی جزاء کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو جو اس کی نیت رہی ہوگی' اسی کے مطابق جزا ملے گی۔ پس جنہوں نے دنیاوی فائدے کے لیے ہجرت کی' اس کی ہجرت اس فائدے کے لیے تھی' جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔''

(بخاری جلد اول صفحہ 1 حدیث نمبر 1)

51- ابی ابن کعب کی سند سے روایت ہے کہ ''انصار میں ایک شخص تھا' جس کا گھر مدینہ کے آخری سرے پر تھا' لیکن اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی کوئی نماز قضا نہ ہونے دی۔ ہمیں اس پر ترس آیا اور اس سے کہا اے بھلے آدمی! تم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کوئی گھر کیوں نہیں خرید لیتے' تاکہ تم گرمی اور اتنی دُور سے آنے کی تکلیف سے بچ سکو۔ اس نے کہا سنو' اللہ کی قسم' میں نہیں چاہتا کہ میرا گھر رسول اللہ کے گھر کے قریب واقع ہو۔ مجھے اس کے یہ الفاظ برے لگے اور اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو (ان الفاظ کی) اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے اسے طلب فرمایا اور اس نے بالکل وہی کہا جو اس نے ابی ابن کعب سے کہا تھا' مگر یہ بھی کہا کہ وہ اپنے ہر قدم کی جزا چاہتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حقیقت میں تمہارے لیے وہ جزا ہے جس کی تم نے نیت کی۔'' (مسلم جلد اول انگریزی ترجمہ از عبدالحمید صدیقی صفحات 323-324 حدیث نمبر 1404) مندرجہ بالا حدیث صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ بظاہر جو الفاظ کہے گئے' وہ توہین آمیز معلوم ہوتے ہیں' مگر یہ کہنے والے کی نیت نہ تھی' پس اسے سزا سے مبرا قرار دیا گیا۔

52- یحییٰ ابن سعید کی سند سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے' جبکہ مدینہ میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک آدمی نے اچانک قبر میں جھانکا اور بولا ایک مومن کی بری آرام گاہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پلٹ کر فرمایا' کیا بری شے تم نے دیکھی ہے! اُس شخص نے بات کھول کر کہی' میرا یہ مطلب نہ تھا' بلکہ میرا مطلب تھا کہ اللہ کی راہ میں جہاد بہتر ہے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے تین مرتبہ کہا ''اللہ کی راہ میں مرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ دنیا میں کوئی دوسرا خطۂ زمین ایسا نہیں' سوائے جہاد کے'

جہاں میں اپنی قبر پسند کروں۔‘‘
(مشکوۃ جلد سوئم‘ صفحات 663-662 انگریزی ترجمہ از فضل الکریم حدیث نمبر 575)

53- یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ صرف یہ حقیقت کہ کہے گئے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بے ادبی ہیں‘ جرم نہیں‘ جب تک کہ یہ پرخاش یا تذلیل پر مبنی نہ ہوں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے روبرو بلند آواز سے بولنا منع ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو‘ اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو‘ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو‘ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔‘‘ (2:49)

اس ضمن میں علامہ قرطبی آیت 2:49 کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

- ’’چیخنے اور اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے کی ممانعت ہے‘ کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی۔ تاہم یہ جرم نہیں‘ اگر بغرضِ جنگ یا دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔‘‘

54- علامہ آلوسی آیت 2:49 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’جب یہ آیت نازل ہوئی‘ ثابت ابن قیس جس کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی‘ اپنے گھر گئے اور دروازہ بند کر کے رونا شروع کر دیا۔ جب انہوں نے نبی ﷺ کی مجالس میں لمبے عرصہ تک حاضری نہ دی تو رسولِ پاک ﷺ نے ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ صحابہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا ہے اور گھر کے اندر رو رہے ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے انہیں بلوایا اور پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، اے اللہ کے نبی! جب سے یہ آیت نازل ہوئی‘ بلند آواز کا مالک ہونے کی وجہ سے مجھے خوف آیا کہ میں ان میں سے ایک نہ ہوں‘ جن کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جائیں۔‘‘ رسول پاک ﷺ نے ان سے کہا ’’تم ان میں سے نہیں‘ تم برکتوں کے ساتھ زندہ رہو گے اور برکتوں کے ساتھ ہی وفات پاؤ گے۔‘‘...... اس کی بنیاد یہ تھی کہ اس کی بلند آوازی قدرتی چیز تھی‘ کیونکہ وہ بہرے تھے اور بہرے اکثر بلند آواز سے بولتے ہیں اور ان کی بلند آواز رسول پاک ﷺ کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے نہ تھی‘ جیسا کہ منافقین کی جن کے متعلق یہ

آیت نازل ہوئی۔(روح المعانی، جلد 26 صفحات 124-125)

55- علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں "نبی ﷺ کے سامنے ان کا چیخ کر بولنا دو طرح کا ہے (1) جو اچھے اعمال کو غارت نہیں کرتا۔ (2) جو نیک اعمال کو ضائع کرنے کے برابر ہے۔اول بغض اور توہین کرنے والے عمل پر مبنی نہیں جیسے کہ جنگوں میں چیخنا اور اونچی آواز سے بولنا، دشمنوں کے ساتھ جھگڑے کے دوران ضرب اور توہین کے لیے جیسے رسول ﷺ نے یوم غزوہ حنین پر حضرت عباسؓ کو لوگوں کو بلند آواز سے پکارنے کا حکم دیا اور انہوں نے لوگوں کو ایسی بلند آواز سے پکارا کہ اس سے حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑے۔ دوسری قسم بغض اور توہین آمیز اعمال پر مبنی ہے، جیسا کہ منافقین اور کفار کرتے تھے (مندرجہ بالا)

56- قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا آخری حصہ ایک شخص کے متعلق نازل ہوا جو کہتا تھا "اللہ کے نبی ﷺ کی وفات کے بعد میں حضرت عائشہؓ سے نکاح کروں گا۔" جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت اذیت ہوئی۔ اس موقع پر وہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیشہ کے لیے جناب رسالت مآب ﷺ کی ازواج سے نکاح ممنوع قرار دیا اور رسول پاک ﷺ نے فرمایا "اس دنیا میں میری ازواج آخرت میں بھی میری ازواج ہوں گی۔" لیکن اس آیت کے نزول سے قبل عملاً یہ ہوا کہ رسول پاک ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی زوجہ کلبیہ کو طلاق دے دی اور انہوں نے عکرمہ ابن ابوجہل سے نکاح کر لیا اور بعض کے نزدیک، انہوں نے ابن قیس کندی سے نکاح کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ان کے خیال میں آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سے نکاح آپ ﷺ کی وفات کے بعد نکاح کا اظہار باعث اذیت رسول ﷺ نہ تھا، کیونکہ یہ ممنوع نہ ہوا تھا۔(مندرجہ بالا صفحہ 230)

57- رسول پاک ﷺ نے مسطحؓ، حسانؓ اور حمنہؓ جنہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام تراشی میں حصہ لیا تھا، سزا نہیں دی اور آپ ﷺ نے انہیں منافق بھی قرار نہیں دیا۔ ابن تیمیہؒ اس صورتحال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ان کی نیت اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی نہ تھی اور اس کی کوئی علامت بھی موجود نہ تھی، جبکہ ابن اُبی ایذا کی نیت رکھتا تھا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اس وقت یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ کی اس دنیا میں

ازواج دوسری دنیا میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور یہ ان کی بیویوں کے لیے عرفِ عام میں ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ان کے معاملہ میں تذبذب فرمایا اور علیؓ وزیدؓ (3) سے مشورہ کیا اور بریرہؓ سے دریافت کیا اور نتیجتاً ان لوگوں کو منافق قرار نہیں دیا جن کی نیت نبی ﷺ کے ایذا کی نہ تھی۔ ان کے ذہن میں اس امکان کی بنا پر کہ شاید رسول پاک ﷺ اپنی متہم بیوی کو طلاق دے دیں' لیکن اس حکم کے بعد کہ اس دنیا میں آپ ﷺ کی ازواج آخرت میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور یہ کہ امہاتِ مومنین ہیں' ان پر الزام لگانا ہر قیمت پر نبی ﷺ کی اذیت ہوگا (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول ﷺ، صفحہ 49)

-58 مولانا احمد یار خاں بدایونی لکھتے ہیں ''شاتم کی نیت اہانت رسول پاک ﷺ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اگر ایک شخص نے کہا' رسول پاک ﷺ غریب تھے اور خوش قسمت نہ تھے' تو وہ صرف اس وقت کافر ہو جائے گا' جب اس سے اس کی نیت اہانت رسول ﷺ ہو۔'' (نور العرفان حصہ دہم صفحہ 74)

-59 تاہم بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اگر اہانت رسول پاک ﷺ واضح اور صریح الفاظ میں ہے تو شاتم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس کی نیت کیا تھی' لیکن اگر الفاظ ایسے ہیں جو مختلف معنی اور مفہوم رکھتے ہیں یا اس امر کی صلاحیت رکھتے ہیں جن میں سے صرف ایک مفہوم توہین کا حامل ہے تو اس سے اس کی نیت دریافت کی جائے گی۔

(الشفاء' قاضی عیاضؒ، جلد دوم صفحہ 221)

-60 تاہم ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ اولاً الفاظ کے معنی و مفہوم موقع محل سے بدل جاتے ہیں۔ سیاق و سباق بھی مختلف معنی ظاہر کر سکتا ہے' لہٰذا ملزم کو وضاحت کا موقع دینا چاہیے' تاکہ کہیں کوئی معصوم شخص سزا نہ پا جائے۔ ایک روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''ایک مجرم کو بری کر دینے کی غلطی ایک معصوم شخص کو سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے۔'' (سنن البیہقی جلد ہشتم صفحہ 184) قرآن بھی ہر ملزم کو حق دیتا ہے کہ اسے سنا جائے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ گو اللہ قادرِ مطلق جانتا ہے کہ جو کچھ امین فرشتوں نے ایک شخص کے اعمال نامہ میں اس کے اس دنیا کے اعمال کے بارے میں لکھا ہے' صحیح و

غیر مشکوک ہے، پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کو سنا جائے گا اور اگر اسے فرشتوں کے لکھے پر اعتراض ہے تو اللہ تعالیٰ شہادت طلب کرے گا، اس کے اپنے ہاتھوں، پیروں، آنکھوں اور کانوں سے۔ ملاحظہ ہو القرآن، آیات 13:17' 14-36:65-67:20' 22-16:93 اور 23:21 ان سنن سے جن کا حوالہ پیرا 36-41 میں دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملزم کا حق وضاحت وصفائی موجود ہے' جسے سلب نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس کے بعد ہی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہے گئے الفاظ تہمت کی غرض سے تھے' یا وہ بدخواہی اور گستاخی سے استعمال ہوئے تھے یا غیر ارادی طور پر منہ سے نکل گئے تھے۔

-61 عبیدہ اللہ ابن رافع (4) کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کہتے سنا ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے' زبیرؓ اور مقدادؓ کو یہ کہہ بھیجا کہ ''جاؤ! یہاں تک کہ تم روضہ فاخ پہنچو۔ وہاں تمہیں ایک عورت ایک خط کے ساتھ ملے گی۔ اس سے خط حاصل کر لو'' چنانچہ ہم روانہ ہو گئے اور ہمارے گھوڑے پوری رفتار سے دوڑے' یہاں تک کہ ہم الروضہ پہنچے جہاں ہم نے ایک عورت کو پا لیا اور اسے کہا ''خط نکالو''۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے دھمکی دی کہ خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ اس پر اس نے وہ خط اپنی چوٹی سے نکال کر دیا۔ ہم خط اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آئے۔ اس میں حاطب ابن ابی بلتعہ کا ایک پیغام بعض کفارِ مکہ کے نام تھا جس میں انہیں اللہ کے رسول ﷺ کے بعض ارادوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ تب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''حاطب! یہ کیا حرکت ہے؟ حاطب نے جواب دیا' اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنے میں عجلت نہ کیجیے۔ میں قریش سے قریبی تعلق رکھنے والا آدمی تھا' لیکن میں اس قبیلہ سے نہ تھا' جبکہ آپ کے ساتھ دوسرے مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں ہیں جو ان کے زیر کفالت افراد اور ان کی جائیداد کی حفاظت کریں گے' چنانچہ میں نے ان سے اپنے خونی رشتہ کی کمی کو ان کے ساتھ ایک مہربانی سے پورا کرنا چاہا' تا کہ وہ میرے کفیلوں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ نہ تو کفر کی وجہ سے کیا ہے نہ ارتداد کی بنا پر اور نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کے لیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا' حاطب نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔'' (بخاری جلد چہارم صفحات 4 5 1' 5 5 1 حدیث نمبر 201)

62- ایک حنفی فقیہ علامہ محی الدین لکھتے ہیں ''فقہا کی رائے ہے کہ اہانت رسول ﷺ کے معاملات میں حاکم یا جج کو موقع محل اور شاتم کا عام رویہ، معاملہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھنا چاہیے۔'' (احکام المرتد' نعمان عبدالرزاق سمرقی' صفحہ 109)

63- ایک مشہور اور معروف ہندوستانی عالم مولانا احمد رضا خان بریلوی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں ''کلماتِ کفر اور اس شخص کی نوعیت میں فرق ہے' جو ان الفاظ کا حوالہ دیتا ہے اور اس سے کافر ہو جاتا ہے۔'' (تمہید ایمان صفحہ 59) وہ آگے چل کر فرماتے ہیں ''لفظ راعنا کا استعمال اب توہین نہیں' کیونکہ یہ آج کل توہین رسول کے سیاق وسباق میں نہیں کہا جاتا۔'' (5)
(ختم نبوت صفحہ 71)

64- بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث نے گوشت میں زہر ملا دیا اور رسول کریم ﷺ کو پیش کیا جو بکرے کی دستی کا گوشت کھانا پسند فرماتے تھے' اس نے گوشت کے اس حصہ میں زیادہ زہر ملا دیا۔ رسول پاک ﷺ اور بشر بن براء نے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اس میں سے کھا لیا' لیکن جب رسول پاک ﷺ نے کھانا شروع کیا تو انہوں نے محسوس فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے تو آپ ﷺ نے اسے تھوک دیا۔ پھر رسول پاک ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلایا اور اس سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے اس گوشت میں زہر ملانے کا اقبال کیا۔ پھر رسول پاک ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ایک نبی ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ رسول پاک ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔

(اقضیاء الرسول از محمد ابن فرج اُردو ترجمہ صفحات 190,189)

65- یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ میں کوئی امتیاز یا حیثیت کا فرق نہیں رکھا حالانکہ' اس نے ان میں سے بعض پر دوسروں کی نسبت زیادہ نعمتیں نازل فرمائیں۔ یہاں ہم حوالہ کے لیے قرآن پاک سے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

55:17= ''ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے اور ہم ہی نے داؤد کو زبور دی تھی۔''

253:2= ''یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہمکلام ہوا' کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیئے اور آخر میں عیسیٰؑ سے اس کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے' وہ آپس میں لڑتے مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے' اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا' پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی' ہاں' اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے' مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

136:2= ''مسلمانو! کہو کہ' ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ' عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے ماننے والے ہیں۔''

84:3= ''کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے' ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان مسلمان ہیں (6)۔'' اور آیات **285:2**' **150:4** اور **152:4**۔

-66 عملاً تمام فقہاء اور علما نے اتفاق کیا کہ مندرجہ بالا آیات کے پیش نظر اور تمام پیغمبروں کے ہم مرتبہ ہونے کے سبب سے وہی سزائے موت جو اوپر قرار دی گئی ہے' اس معاملہ میں بھی لاگو ہوگی' جہاں کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلق بھی کوئی توہین آمیز بات کہتا یا کسی طرح کی گستاخی کرتا ہے۔

-67 مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ہماری رائے ہے کہ عمر قید کی متبادل سزا' جیسا کہ دفعہ **295** سی پاکستان ضابطہ تعزیرات میں مقرر ہے' احکاماتِ اسلام سے متصادم ہے جو

قرآن پاک اورسنت میں دیئے گئے ہیں لہذا یہ الفاظ اس میں سے حذف کر دیئے جائیں۔

68- ایک شق کا مزید اضافہ اس دفعہ میں کیا جائے تا کہ وہی اعمال اور چیزیں جب دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہی جائیں، وہ بھی اسی سزا کے مستوجب جرم بن جائے جو اوپر تجویز کی گئی ہے۔

69- اس حکم کی ایک نقل صدر پاکستان کو دستور کے آرٹیکل 203 (3) کے تحت ارسال کی جائے تا کہ قانون میں ترمیم کے اقدامات کیے جائیں اور اسے احکاماتِ اسلامی کے مطابق بنایا جائے۔ اگر 30 / اپریل 1991ء تک ایسا نہیں کیا جائے تو ''یا عمر قید'' کے الفاظ دفعہ 295 سی تعزیرات پاکستان میں اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔

دستخط	تاریخ فیصلہ
جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس	30 اکتوبر 1990
جسٹس عبدالکریم خاں کنڈی	
جسٹس عبادت یار خاں	
جسٹس عبدالرزاق اے تھیم	
جسٹس فدا محمد خاں	

(PLD 1991 FSC 10)

حواشی

1- پہلی شریعت پٹیشن نمبر 1۔ ایل 1984ء میں دفعہ 295۔ اے تعزیرات پاکستان کو چیلنج کیا گیا تھا جس میں توہین مذہب کی سزا دو سال مقرر تھی اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا بھی یہی تھی اس لیے مطالبہ کیا گیا تھا کہ توہین رسالت کی سزا سزائے موت بطور حد مقرر کی جائے۔

2- مقنّنہ نے توہین مذہب کی سزا جو دو سال تھی میں از خود ترمیم نہیں کی۔ اصل واقعہ ہے کہ جب فاضل عدالت نے پہلی درخواست توہین رسالت پر اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا تو درخواست گذار نے 295 سی کا مسودہ قانون تیار کیا جسے مرحومہ آپا نثار فاطمہؒ

ایم۔این۔اے نے اسمبلی میں پیش کیا‘ لیکن اس وقت کے وزیر قانون خان اقبال احمد خان اور مذہبی جماعتوں کے اراکین اسمبلی بھی اس بل کے حق میں نہیں تھے جو بصد مشکل عمر قید پر راضی ہوئے‘ لیکن بعد میں عوام کے دباؤ پر عمر قید کے ساتھ سزائے موت کا اضافہ کر دیا اور عدالت کو اختیار دے دیا کہ وہ ان دونوں سزاؤں میں جو سزا بھی مناسب سمجھے‘ توہین رسالت کے مجرم کو دے سکتی ہے‘ جس پر دوبارہ مقدمہ مذکور الصدر وفاقی شرعی عدالت میں دائر کیا گیا‘ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ صدر مملکت اور حکومت پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ وہ توہین رسالت کی سزا بطور حد صرف سزائے موت مقرر کریں۔

3- زیدؓ سے نہیں‘ بلکہ اسامہ بن زیدؓ سے حضور ﷺ نے مشورہ طلب فرمایا تھا۔

4- عبید اللہ بن ابی رافع‘ حضرت علیؓ کے کاتب (سیکرٹری) رہے ہیں۔

5- حزم و احتیاط کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ ادب میں اب بھی یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے‘ کیونکہ اس وقت بھی اس کے مخاطب اہل ایمان ہی تھے جو اس لفظ کے سوائے ’’توجہ فرمایئے‘‘ کے کوئی اور معنی سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔حق سبحانہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے لفظ ’’راعنا‘‘ کا استعمال تا قیامت ممنوع قرار دیا ہے۔صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں اس لفظ کا گستاخانہ مفہوم آ ہی نہیں سکتا تھا۔اس کے باوجود انہیں بھی اس لفظ کے استعمال سے منع فرما دیا گیا۔ بایں وجہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی رائے سے بصد ادب اختلاف ہے۔

6- جہاں تک رسالت کا تعلق ہے‘ تفریق نہیں کی گئی لیکن جہاں انبیائے کرام علیہ السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کا تعلق ہے‘ اس سے قرآن نے انکار نہیں کیا بلکہ تصدیق کی ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ حضور ختمی مرتبت سردار الانبیا ہیں۔

....

2 جون 1992ء کو قومی اسمبلی نے سردار محمد یوسف کی طرف سے پیش کردہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی کہ توہین رسالت کے مرتکب کو پھانسی کی سزا دی جائے اور

اس ضمن میں مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 (ج) میں ترمیم کی جائے اور عمر قید کے الفاظ حذف کر کے صرف پھانسی کا لفظ رہنے دیا جائے۔ یہ قرارداد آزاد رکن سردار محمد یوسف نے پیش کی اور کہا کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب شخص کو سزائے موت دی جائے۔ جبکہ قانون میں عمر قید اور پھانسی کی سزا متعین کی گئی ہے۔ مذہبی امور کے وفاقی وزیر مولانا عبدالستار خان نیازی نے بتایا کہ وزیراعظم کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا تھا جس میں تمام مکتب فکر کے علما نے شرکت کی تھی۔ اس اجلاس میں طے پایا تھا کہ توہین رسالت کے مرتکب کو کم تر سزا نہیں دینی چاہیے بلکہ اس کی سزا موت ہونی چاہیے۔ وفاقی وزیر پارلیمانی امور چوہدری امیر حسین نے کہا کہ حکومت اس قرارداد کی مخالفت نہیں کرتی۔ حکومت اس ضمن میں پہلے ہی سے قانون سازی کی تیاری کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ضمن میں ایک ترمیمی بل سینیٹ میں پیش ہو چکا ہے۔ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے سلسلہ میں قومی اسمبلی میں 2 جون 1992ء کی کارروائی ملاحظہ فرمائیں:

2 جون 1992ء

(ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی جناب حاجی محمد نواز کھوکھر کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا۔)

Death Penalty for showing Disrespect to The Holy Prophet (PBUH)

سردار محمد یوسف: جناب سپیکر!

''اس ایوان کی رائے ہے کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295(ج) سے الفاظ عمر قید حذف کر دیئے جائیں۔''

جناب ڈپٹی سپیکر: جی آنریبل منسٹر! آپ اپوز کرتے ہیں۔

چوہدری امیر حسین: جناب والا! لاء منسٹر صاحب موجود نہیں ہے۔ ذرا

ایکسپلین کریں تاکہ میں سمجھ لوں۔ اس کے بعد پھر میں عرض کرسکوں گا۔

جناب ڈپٹی سپیکر: جی شارٹ سٹیٹمنٹ دے دیں جی۔

سردار محمد یوسف: جناب سپیکر! تعزیرات پاکستان کی دفعہ (c) 295 ہے جہاں کہ حضور اکرم ﷺ کی شان کے خلاف کوئی کسی قسم کی گستاخانہ بات ہو، کوئی تحریر ہو، کوئی بات کہے تو اس کے لیے یہ ترمیم تھی کہ اس کی سزا عمر قید یا پھانسی کی ہوگی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بحیثیت مسلمان یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے خلاف کوئی کسی قسم کی بات ہو، کوئی کہے یا کوئی لکھے، جس طرح کہ رشدی کا واقعہ پیش آیا تو اس کے لیے صرف ایک ہی سزا رکھی جائے، پھانسی کی سزا ہونی چاہیے۔ عمر قید کی سزا کو ختم کیا جائے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: مولانا نیازی صاحب! پوائنٹ آف آرڈر۔

وزیر برائے مذہبی امور (مولانا محمد عبدالستار خان نیازی): جناب سپیکر صاحب! اٹھائیس ستمبر کو وزیراعظم صاحب نے گورنر ہاؤس میں علما کی ایک میٹنگ بلائی تھی جس میں ہر مسلک کے ہر طبقے کے علما شامل ہوئے تھے۔ اس میں اہل تشیع، اہل سنت، مقلد، غیر مقلد سب موجود تھے۔ وہاں پر انہوں نے یہ پاس کیا کہ توہین رسالت ﷺ کے مرتکب کی سزا موت ہے۔ ساتھ یہ بھی تجویز کیا گیا تھا کہ جو اہل بیت اطہارؓ یا صحابہ کرامؓ کی توہین کرے، اس کے لیے بھی سزا موت ہوگی۔ یہ علما نے وہاں پر پاس کیا۔ اس لیے وہاں پر دوسری سزا جو ہے، کم تر سزا نہیں ہونی چاہیے۔ وہی سزا موت اس کے لیے مقرر ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: حاجی جاوید اقبال عباسی صاحب! پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب جاوید اقبال عباسی: جناب سپیکر! میں اس قرارداد کی حمایت کرتا ہوں۔

جناب ڈپٹی سپیکر: ابھی تو یہ موقع ہی نہیں آیا۔ آنریبل منسٹر صاحب۔

چوہدری امیر حسین: جناب والا! اس کی مخالفت نہیں کی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ پہلے ہی یہ کر رہی ہے۔ اس بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ بھی آچکا ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: میرے خیال میں اس کو اگر پینڈنگ کر دیں۔ لاء منسٹر صاحب بھی آ جائیں، ان کی رائے بھی لے لیں۔

چوہدری امیر حسین: جناب والا! یہ میرے پاس ہے۔

جناب ڈپٹی سپیکر: جی آپ کے پاس ہے۔ تو آپ اس کو اپوز نہیں کرتے۔

چوہدری امیر حسین: اپوز جناب اس کو نہیں کرنا بلکہ گورنمنٹ پہلے ہی اس کے بارے میں قانون سازی کر رہی ہے۔ سینٹ نے ضابطہ فوجداری میں اور تعزیرات پاکستان میں اس بارے میں ترمیم تجویز کر کے سینٹ میں بل انٹروڈیوس کر دیا ہے۔ وہ سٹینڈنگ کمیٹی لاء کے بارے میں ہے اس کے پاس پینڈنگ ہے۔ چنانچہ اس ریزولیوشن پر گورنمنٹ مخالفت نہیں کرتی۔

Mr. Deputy Speaker: **It has been moved:-**

"That the House is of the opinion that the words 'Life impresonment' be deleted from section 295(c) of the Pakistan Penal Code."

The motion was adopted unanimously.

....

8 جولائی 1992ء کو سینیٹ نے توہین رسالت کے مجرم کو سزائے موت کا ترمیمی بل منظور کیا جس کے تحت حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں توہین کی سزا موت ہوگی۔ فوجداری قانون میں تیسری ترمیم کا بل وفاقی شرعی عدالت کے حالیہ فیصلے کی روشنی میں منظور کیا گیا۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا تھا کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی کے تحت حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی پر عمر قید کی سزا اسلامی احکامات کے منافی ہے۔ یہ بل جو قومی اسمبلی پہلے ہی منظور کر چکی تھی، سینیٹ میں وزیر قانون چوہدری عبدالغفور نے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں سینٹ میں 8 جولائی 1992ء کی کارروائی ملاحظہ فرمائیں۔

8 جولائی 1992ء

(چیئرمین سینٹ جناب وسیم سجاد کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب یہ آئٹم نمبر5، penal code کا بہت اہم معاملہ ہے، اس کو سمجھنے اور study کرنے کا کافی مسئلہ ہے اور ہم تو اس کے لیے ٹائم مانگیں گے۔

جناب چیئرمین: اس میں یہ ہے کہ پہلے صرف death تھی، اب انہوں نے کہا ہے کہ of life بھی ہونی چاہیے۔

چوہدری عبدالغفور: اس کی definition change نہیں ہوئی، وہ already موجود ہے۔

جناب چیئرمین: اس کو پہلے لے لیں مندوخیل صاحب، اس میں صرف یہ change آ رہا ہے کہ Alternative سزا دی جا رہی ہے۔ murder میں بھی ہوتی ہے death یا imprisonment of life اس طرح کیا جا رہا ہے۔

چوہدری عبدالغفور: اس کو پہلے لے لیں، اگر اس پر بحث کرنی ہے لیکن اس پر بھی بحث ہو چکی ہے، اس میں طے یہ ہوا ہے جس جگہ اوبجیکشن ہے۔

جناب چیئرمین: نہیں پہلے ایک لے لیں نا، اگر وہ لینا ہے تو پہلے وہ ختم کر لیں پھر اس پر آ رہے ہیں۔ ٹھیک ہے جی مندوخیل صاحب یہ third amendment ہے جس میں سزا جو ہے سوائے ڈیتھ کے اس کو ڈیتھ یا imprisonment of life کیا جا رہا ہے۔ یہی چیز اس میں ہے اور کچھ نہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: مجھے یہ کاپی ملی نہیں ہے اور مجھے جو ملا ہے وہ تو بڑا۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے ذرا یہ دیکھتے ہیں۔ غفور صاحب

Please move itme No. 5

THE AMENDMENT IN PAKISTAN PENAL CODE AND THE CODE OF CRIMINAL PROCEDURE 1898

Ch. Abdul Ghafoor: Sir, I move:

"that the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure 1898, the Criminal Law 3rd Amendment Bill, 1991 as reported by the Standing Committee be taken into consideration at once.

Mr. Chairman: It has been moved by Ch. Abdul Ghafoor, Minister for Law and Justice that the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure, 1898 [The Criminal Law (Third Amendement) Bill, 1991], as reported by the Standing Committee be taken into consideration at once.

جی بتائیں یہ کیا ہے جی۔

چوہدری عبدالغفور: Sir میں عرض کروں کہ اس میں apprehension یہ تھی کہ شائد اس میں definition جو ہے defiling the name of the Holy Prophet (PBUH) اس میں شائد ہم ردوبدل کر رہے ہیں لیکن ایسا ہے کہ جو پہلے definition موجود ہے 295(c) میں، وہی رہے گی، اس میں کوئی Change نہیں آئے گی ماسوائے اس بات کے کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اس بات کو hold کیا کہ یہ جو alternative punishment ہے imprisonment for life جو ہے اس کو drop کیا جائے اور ایک ہی symbol رکھی جائے۔ اس کی وجوہات یہ تھیں کہ جو مرتد ہے جو believer نہیں ہے جو believe نہیں کرتا in the Prophet hood of Muhammad (PBUH)، اس کی سزا ایک ہی ہوسکتی ہے، اس کا متبادل نہیں ہوسکتا تو اس کے لیے دو چیزیں ہیں، ایک PPC میں کہ اس کی سزا صرف death

رکھی گئی ہے اور دوسری drop کر دی گئی ہے، اس پر عمل درآمد کرنا sentence مقصود ہے جہاں یہ اعتراض میرے فاضل دوستوں نے کیا کہ اس کی definition مزید clear ہونی چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ پہلے ہی PPC میں جو definition موجود ہے، اس میں کسی word کو change نہیں کیا جا رہا بلکہ من وعن وہی words ہوں گے، ماسوائے sentence کے اس کے متبادل جو punishment تھی اس کو drop کر دیا گیا ہے، اس میں رولنگ کی روشنی میں۔ اور نمبر 2 ترمیم یہ ہے کہ اس کے لیے جو death sentence کی جو (295(c میں Cr.PC متبادل amendment ہوگی، وہ بھی اسی طریقے سے ہوگی اور اس کو death sentence لکھا جائے گا اور imprisonment for life کو drop کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اور اس میں کوئی ترمیم نہیں کی جا رہی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ من وعن سیکشن وہ ہے۔ صرف عدالت کے اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کے لیے یہ amendment لائی جا رہی ہے۔

جناب چیئر مین: راجہ محمد ظفر الحق صاحب۔

راجہ محمد ظفر الحق: جناب والا، یہ ترمیم اسٹینڈنگ کمیٹی کو بھیجی گئی، وہاں اس ترمیم پر غور ہوا۔ جناب والا، کوئی آدمی بھی اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے میں کوئی توہین آمیز کلمات یا کوئی اشارہ بھی کرتا ہے تو واقعتاً اس کی سزا بھی ہونی چاہیے لیکن کمیٹی نے یہ محسوس کیا تھا اور جو ہم نے رپورٹ میں بھی دیا ہے کہ جب تک توہین رسالت کی کوئی صحیح definition نہ کی جائے، اس وقت تک سزائے موت رکھنے سے بعض لوگوں کے ہاتھ میں ایسا کھلونا آ جائے گا اور بہت سارے وہ لوگ جو فرقہ واریت کی بنیادیں ہیں، اس بنا پر ایک دوسرے کے خلاف اس کا بے محابہ استعمال کریں گے اور جو پہلے ہی tension ملک میں موجود ہے، اس میں یہ اضافہ کریں گے۔ مثال کے طور پر اسی رپورٹ میں بھی جب یہ discuss کیا گیا تو یہی تھا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں نور تھے تو نور کہنے والا جو ہے وہ بشر کہنے والے کو کہے یہ تم نے توہین کی ہے اور اس کی سزا موت ہونی چاہیے یا

کوئی یہ کہتا ہے کہ علم غیب کتنا تھا اور کتنا نہیں تھا، اس کا کیس بھی کوئی اس کے تحت فائل کر دے گا...... یہ ایک دو مثالیں میں نے نمونے کے طور پر دی ہیں تو اس سے معاشرے کے اندر ایک بڑی عجیب فضا قائم ہو جائے گی، پھر اگر صرف سزائے موت ہو گی تو اس کا مطلب ہے یا تو آپ اس کو سزا موت دیں یا اس سے کم تر کوئی چیز بھی نہ ہو تو اس لحاظ سے کمیٹی نے بالاتفاق یہ محسوس کیا تھا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ معاملہ بھیجا جائے اور ان سے رائے لی جائے کہ خود رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اس قسم کے جرم کی کیا سزا ہوا کرتی تھی اور وہ کیا معاملات تھے جن کو جرم سمجھا جاتا تھا تا کہ ذہن clear ہو، perception صحیح ہو اور پھر اس کے بعد اس کو اس انتہائی سزا تک رکھا جائے۔

جناب چیئرمین: راجہ صاحب، اب وقت یہ ہے کہ کونسل کو بھیجنے کے لیے ہاؤس کی **two fifth majority** چاہیے ہوتی ہے اور میرا خیال ہے کہ اتنے ممبران آج موجود نہیں ہیں۔

راجہ محمد ظفر الحق: میرے خیال میں چوہدری صاحب مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس کو فوری طور پر کرنے سے ...... کہ اگر یہ **law** پاس ہو جاتا ہے، اس کو **assent** بھی مل جاتی ہے تو کل سے ایسے جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے اور پھر اس میں دوبارہ ایک اور امنڈمنٹ کرنے کے لیے لائیں گے تو اس کو فوری طور پر **pressurise** کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: آپ نے ہی کہا تھا کہ اس میں کوئی جلدی......

چوہدری عبدالغفور: جناب چیئرمین، معزز اراکین اس **argument** کی روشنی میں میری بات سنیں، اس کے بعد اگر اتفاق نہ کریں تو۔

(Interruptions)

تو پھر میں آپ سے اتفاق کروں گا۔ جناب چیئرمین، جہاں تک راجہ صاحب کی بات کا تعلق ہے مجھے اس سے اتفاق ہے۔ اتفاق اس طرح ہے کہ اگر تو ہم اس

law میں change کر رہے ہوں تو پھر تو واقعی اس کو بھیجنا چاہیے کیونکہ یہ نئی چیز آ رہی ہے اور نئی چیز کے لانے میں ہمیں احتیاط برتنی چاہیے کہ اگر جھگڑا کھڑا ہونا تھا، وہ تو پہلے سے قانون موجود ہے، اس میں سزائے موت بھی موجود ہے اور عمر قید بھی موجود ہے۔ یہ قانون پہلے سے بہت عرصہ سے موجود ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کی پہلی definition جو ہے جو already Stand کرتی ہے alright, drop this bill میں کہتا ہوں کہ اگر یہ bill drop کر دیا جائے تو کیا ان کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس کا حل موجود ہے۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ definition کو change کرنے کے لیے باقاعدہ راجہ صاحب اس ہاؤس میں اس کی amendment لائیں یا اس ہاؤس میں اسے کمیٹی کے سپرد کریں اور اس پر کام ہو جو کہ already PPC میں definition موجود ہے، وہ کافی نہیں ہے اس کو دوبارہ درست کیا جائے۔ لیکن یہ جو موجود بل ہے وہ صرف یہ ہے کہ In the Pakistan Penal Code,1860 in section 295(c) the words and comma or imprisonment for life shall be omitted. Only this change is being affected.

اس سے ان کے استدلال کو کیا فائدہ پہنچے گا کہ اگر ہم کمیٹی میں بھیج بھی دیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ اس کو ڈراپ کر دیں اور اگر اس کو ڈراپ drop کر دیں تو پہلے سے موجود definition ہے، اس کو ہم change تو نہیں کر سکیں گے unless we bring a new amendment in the law, اب جو موجودہ قانون ہے وہ جناب والا، یہ ہے کہ unless we bring a new amendment in the law. اب جو موجود قانون ہے وہ جناب والا، یہ ہے کہ، use of derogatory remarks etc, in respect of the Holy Prophet (PBUH) whoever by words either spoken or written or by visible representation or by imputation, innuendo or insinuation directly

or indirectly defile the sacred name of Holy Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) shall be punished with death or imprisonment for life and shall also be liable to fine. یہ قانون اب موجود ہے۔ اس میں صرف ترمیم یہ پیش کی جا رہی ہے کہ **imprisonment for life** کو **drop** کر دیا جائے، باقی اسی طرح کا رہے گا۔ اگر اس استدلال کو **accept** کرتے ہوئے ...... میں **repeat** کروں گا کہ یہ ہم کس شکل میں کس طرح ان کو بھیجیں، یہ قانون تو پہلے سے موجود چلا آ رہا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ راجہ صاحب ایک **amendment move** کریں۔ ہم ان کا ساتھ دیں گے کہ اس **definition** کو درست کیا جو کہ **already** قانون میں موجود ہے، ہم نئی ترمیم اس میں نہیں لا رہے ہیں۔ **already** موجود ترمیم میں اس ہاؤس میں اب ہم ترمیم نہیں کر سکتے بغیر کسی **new amendment** کے۔ اس لیے میں گزارش کروں گا کہ میں اتفاق کرتا ہوں اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر آپ **amendement** لائیں تو میں **concede** کروں گا کہ **definition** کو **improve** کرنا چاہیے اور میں خود چاہوں گا کہ اگر وہ اس کو کونسل میں بھیجنا چاہیں تو بھیج دیں۔ لیکن اس شکل میں نہیں بھیجا جا سکتا۔

جناب چیئرمین: حافظ حسین احمد صاحب، آپ کا کیا خیال ہے۔

حافظ حسین احمد: جناب والا، اس کمیٹی میں، میں موجود تھا، ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح چوہدری غفور صاحب نے کہا، ان کے دلائل کی میں تائید کرتا ہوں، اس وقت سزا کی دو شکلیں تھیں، عمر قید اور سزائے موت، اس کے متعلق ترمیم ہے، وہاں بھی انہوں نے یہ بات کی تھی کہ اس کے متعلق ترمیم لائی جائے تو ہم بھی تائید کریں گے لیکن اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں کیچڑ اُچھالنا، ظاہر ہے جتنی باتیں ہیں جو راجہ ظفر الحق صاحب فرما رہے ہیں، وہ تمام چیزیں تو آئین میں کسی دفعہ کے تحت لائی جا سکتی ہیں جو فیصلہ ہوگا وہ جج کرے۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں کہ فوری

طور پر موجودہ ترمیم کو منظور کیا جائے اور باقی جو صورت حال سامنے آئے گی، اس کے بارے میں راجہ صاحب سے مل کر ایک نئی ترمیم لائیں گے۔

جناب چیئرمین: جی عبدالرحیم خان مندوخیل صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب چیئرمین! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اس اہم موضوع پر گزارشات کرنے کا موقع دیا۔ جناب والا! یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور اس پر بات کرنا بھی، جیسا کہ طارق چوہدری صاحب نے ایک مثال دی اور مجھے بڑی پسند آئی، انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا کہ آپ کہاں کے ہیں؟ اس نے جواب دیا ''مدینے کا ہوں''۔تو آخر میں اس نے کہا آپ نے گجرات کو مدینہ بنایا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ آپ مدینہ سے دس میل باہر نکل آئیں تو پھر بات کروں گا۔ جناب والا! پشتو میں ایک بہت اچھی مثال ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے اس کا نام دریافت کیا تو ان نے کہا کہ میرا نام ہے خدا، بس خدا کا لفظ آیا تو اس نے حملہ کیا اور اس کو پکڑا کہ یہ کافر ہو گیا تو اس نے کہا کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ داد تک تو میں پہنچوں میرا نام خداداد ہے۔

جناب چیئرمین: actually ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک کوئی بڑے افسر تھے ان کا نام تھا خدائے نور، ٹیلیفون پر اسے پوچھا گیا کہ کون بول رہا ہے تو اس نے کہا ''میں خدا بول رہا ہوں'' ٹیلیفون کرنے والے نے کہا کہ بکواس بند کرو اور ٹیلیفون نیچے رکھ دیا۔

......قہقہے......

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: تو جناب والا یہ بہت نازک مسئلہ ہے، ہم مسلمان ہیں۔ اپنے آخری نبی ﷺ پہ ہمارا ایمان ہے۔ جناب والا قرآن شریف میں جو کچھ، اس کے علاوہ جو ہم نے پڑھا ہے اس پر ہمارا پورا ایمان ہے ...... میں راجہ ظفرالحق صاحب کی کافی قدر کرتا ہوں۔ یہ انہوں نے بڑی جرأتمندانہ بات کی ہے اور اس سے مجھے مکمل اتفاق ہے کہ اسے کچھ لوگ abuse کریں گے کہ اور یہ خطرناک ہوگا اور یہ تعریف کا مسئلہ بذات خود بڑا نازک مسئلہ ہے اور اس لیے میں یہ درخواست

کروں گا کہ عمر قید کی جو بات رکھی گئی ہے، یہ زیادہ بہتر ہے اور یہاں جو کچھ ہمارے وزیر قانون فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ منظور کریں بعد میں کمیٹی میں جائے۔ یہ تو ایسا ہے کہ جاپان میں ایک **water agreement** کا کیس تھا جو **laps** ہو رہا تھا۔ اسی طرح ہائی وے اتھارٹی نے **bill** پر ہم نے رعایت دی، اس کے بعد یہاں ایک **procedure** شروع ہو گیا ہے۔ بس جب بھی کوئی **bill** آئے، اسے پاس کرو بعد میں ترمیم کر لیں گے۔ تو مجھے یہ طریقہ کار اور **practice** پسند نہیں ہے اور نہ صحیح ہے۔

جناب چیئرمین: بھئی اب وقت یہ ہے کہ معاملہ کمیٹی کے پاس گیا، کمیٹی نے بھی اسے نازک معاملہ قرار دیا، کہا کہ اسے کونسل **Counsil of Islamic Ideology** میں بھیجا جائے اور رائے لی جائے۔ دو چیزوں کا کہا کہ تعریف کیا ہونی چاہیے اور دوسرا یہ کہ باقی خلفائے راشدین کے زمانے میں اور باقی مسلم ممالک میں اس قسم کے جو جرائم ہیں، اس کی کیا سزا ہے۔ اب وقت یہ آ رہی ہے کہ آج اکثریت پوری نہیں ہے وہاں بھیجنے کے لیے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب تو پھر اس کو **Defer** کر دیں۔

جناب چیئرمین: تو کل بھی نہ ہوئی تو پھر کیا کریں گے؟

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: تو پھر ڈیفر کر دیں گے۔

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق صاحب سے سن لیں، وہ کیا کہتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین! نہایت اہم مسئلے کی طرف راجہ صاحب نے توجہ دلائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں کسی کی دو آراء نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس میں جیسے معزز ممبر نے فرقوں کا ذکر کیا، حضور ﷺ کی توہین کے مسئلے پر کوئی اختلاف رائے کبھی امت میں نہیں رہا۔ ہزار یا لاکھ فرقے ہوں، ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معمولی توہین کی سزا، سزائے موت ہے۔ اس میں تمام فرقے شیعہ، سنی اور سنیوں کے تمام فرقوں میں اتفاق چلا آ رہا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا نعوذ باللہ ان کو گالی دینے والے کا گناہ اور توبہ معاف ہی نہیں ہو سکتی۔ اللہ جانے اس کے ساتھ کیا کرتا ہے

لیکن دنیا میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ اس کو کوئی معافی کا راستہ ہو۔ اس پر امام ابن تیمیہؒ نے مستقل عظیم کتابیں لکھی ہیں (عربی) تو میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کورٹ نے اگر اہم چیز کی طرف ہماری توجہ دلائی ہے تو اس کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں اور میرا خیال ہے ایوان میں کسی کو اختلاف رائے ہو ہی نہیں سکتا، نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر، خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا۔ کسی مسلمان کو معمولی تذبذب بھی آ جائے تو اس کا ایمان کامل ہو ہی نہیں سکتا، آپ نظریاتی کونسل میں بھی بھیجیں گے تو وہاں سے بھی یہی جواب آئے گا۔ ہزار فرقوں کے لوگ وہاں ہوں لیکن کوئی اختلاف رائے نہیں ہوگا۔ تو ہمیں شریعت کورٹ کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں اور اس ترمیم کو فوراً منظور کرانا چاہیے۔ میرا خیال ہے کوئی معزز رکن اس سے اختلاف نہیں کرے گا بلکہ اس کو نجات آخرت اور شفاعت رسالت مآب ﷺ کا ذریعہ سمجھے گا۔

جناب چیئرمین: جی عبداللہ شاہ صاحب۔

Syed Abdullah Shah: **Sir, I will adopt the arguments made by Raja Zafar-ul-Haq and my friend Mr. Abdur-Rahim Mandhokhel. I beg to disagree with the honourable Law Minister's view that because the main sections are already there so there is no need of stopping the passage of this amendment. Our request through the Committee has been that entire question should be sent to the Islamic Ideology Council to properly define what amounts to be derogatory for the name of the Holy Prophet (Peace Be Upon Him), Sir, you see that a Non-Muslim Says that he do not believe in the Prophet Muhammad (Peace be Upon Him), will it not be derogatory remarks against the Holy Prophet, then what happens Sir. We have non-muslims also, so this definition must be made before we prescribe the serious punishment of death or whatever.**

جناب چیئرمین: مجھے بتائیں کہ **I would normally say** کہ

کمیٹی کی جو سفارشات ہیں۔ they should be given weight in the House لیکن میں کیا کروں کہ اس وقت جو ان کی سفارشات ہیں، وہ تو وہی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے مشورہ کرلیا جائے۔ بڑی اچھی بات ہے لیکن میں کیسے کروں کیا کروں؟

قطع کلامیاں۔

حافظ حسین احمد: جناب گزارش یہ ہے کہ 1962ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے تشکیل پائی۔ کیا کوئی ریکارڈ یہ ثابت کرسکتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے دفاتر کے دفاتر انہوں نے جو سفارشات کی ہیں، انہوں نے جو قانون مرتب کیے، ان میں سے کسی ایک قانون پہ بھی کسی بھی ایوان میں، سینٹ، قومی اسمبلی یا چاروں صوبائی اسمبلیوں میں قانون سازی کی گئی ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اور جس حد تک جو قانون اسلامی ہے اور جس کے مطابق وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دے دیا ہے، اس کو تو برقرار رکھا جائے، اس کے بعد آپ ترمیم لا سکتے ہیں اور جب بھی کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا ہے تو اس کو کمیٹی در کمیٹی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے سفارشات دی ہیں، نہ ان پر بحث کی گئی ہے نہ ان کے مطابق قانون سازی ہوئی ہے جب کہ آئین کے مطابق یہ ہمارا آئینی فرض ہے۔اس کے متعلق آج تک کئی بار میں نے point raise کیا ہے اور غالباً؟ actual دو سو تیس ہے، اس کے مطابق ہم یہاں پر کہہ دیں کہ جی اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات table کی جائیں۔آج تک اس پر ہم نے بحث نہیں کی۔ قانون سازی تو دور کی بات ہے، جبکہ ہمارا فرض منصبی یہی ہے کہ ان سفارشات کو عملی جامہ پہنائیں۔ دوسری مصیبت یہ ہے کہ ان پر بھی پابندی ہے کہ وہ بھی قوم اور اخبارات کو نہیں بتا سکتے کہ ہم نے کیا کیا سفارشات کی ہیں اور جب بھی کوئی ایسا مسئلہ آتا ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ جناب اس سے متفق نہیں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ توہین رسالت کے سلسلے میں اب آپ اس میں نہیں کر سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کو نعوذ باللہ کس نے یہ جملہ کہا۔ یعنی تمام جملے تو آپ اس میں نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے فیصلہ جج کرتا ہے جو قانون کی تمام جزئیات کو جانتا ہے اور

کوئی بھی ایسا قانون نہیں ہے جس میں آپ تمام تر توہین آمیز الفاظ کو نعوذ باللہ شامل کریں گے۔ یقیناً میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی بھی اسلامی ملک میں کوئی غیر مسلم بھی اس قانون کے احترام کا پابند ہوتا ہے۔ کوئی غیر مسلم بھی حضور اکرم ﷺ کے متعلق توہین آمیز ایسا جرم نہیں کر سکتا۔ میں گزارش کروں گا کہ اس ترمیم کو آپ put up کریں اور اسے منظور کریں۔

جناب چیئرمین: راجہ ظفر الحق صاحب۔

راجہ ظفر الحق: جناب چیئرمین دو چیزوں کو آپس میں ملانے سے Confusion پیدا ہوا ہے۔ ایک ہے کہ صرف سزائے موت ہونی چاہیے جو وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی اپیل بھی نہ ہو اور یہ ایک consensus ہے اور اجماع امت ہے کہ سزائے موت ہونی چاہیے۔ لہٰذا اس قانون کے مطابق یہ تو ترمیم ضروری ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ جس طریقے سے سزا کے معاملے کو آپ improve کر رہے ہیں، اسی طریقے سے اس کی definition کو بھی آپ improve کریں اور چونکہ آج یہ مسئلہ سامنے نہیں ہے تو اس لیے کہا یہ گیا تھا کہ جہاں آپ سزا کو مناسب بنا رہے ہیں، وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق اسی طریقے سے اس کی definition ایسی بنا دیں کہ پھر اس میں لو پولز نہ رہیں اور یہ misuse نہ ہو سکے۔ اس لیے میں وزیر قانون سے یہی گزارش کروں گا کہ اگر وہ یہ یقین دہانی کروائیں کہ جو طریق کار کمیٹی نے تجویز کیا ہے، اس کے ذریعے سے وہ اس کی definition کو بھی درست کریں گے تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

جناب چیئرمین: لالیکا صاحب۔

میاں عالم علی لالیکا: جناب چیئرمین بات بڑی سیدھی اور بڑی سادہ سی اور بڑی صاف ہے۔ جس طرح میرے بھائی حافظ حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ عدالت نے ایک فیصلہ کرنا ہے تو فیصلہ کرتے وقت عدالت اس پر خوب غور وخوض کرے گی۔ ایک شخص کی زندگی کا سوال ہوگا۔ تو اس کو جس طرح سٹینڈنگ کمیٹی نے کہا ہے کہ

اس کی clarification کروائی جائے تو کیا کیا چیزیں قانون میں لکھی جائیں گی۔ کیا چیزیں اس میں درج کی جائیں گی۔ کیا جملے اس میں لکھے جائیں گے۔ یہ تو ہزاروں لاکھوں باتیں ہیں جن سے کسی شخص کی بے عزتی کی جا سکتی ہے۔ آقائے نامدار کے متعلق تو ﷺ نہ کہنا بھی گستاخی کے زمرے میں آ جاتا ہے۔ تو یہ عدالت پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ عدالت اس کا فیصلہ کرتے وقت خود بخود اس کو دیکھ لے گی اور اس کو اگر Council of Islamic Ideology میں بھیجا جائے تو وہ کیا ہمیں charter of memorandum بنا کے بھیجے گی۔ کیا ہمیں ایک کتاب بنا کے بھیجے گی کہ یہ کہا جائے تو تضحیک میں آتا ہے اور یہ کہا جائے تو نہیں آتا۔ یہ تو پھر ایک افسانہ بن جائے گا۔ یہ تو پھر ایک ناول بن جائے گا، یہ تو پھر ایک ایسی کتاب چھپ جائے گی جس کی تشریح کرتے کرتے سلسلہ ختم ہی نہیں ہو پائے گا۔ شکریہ جناب۔

Syed Iqbal Haider: **Mr. Chairman, Sir, I would only draw your kind attention to the fact that the two-fifth of the members required for passing this resolution means only 34 members, and I think, if every effort is made with the help of our Leader of the House, we should be able to have attendance of about 40 members tomorrow morning.**

جناب چیئرمین: ایک اور حل بھی ہے جو میں تجویز کرتا ہوں لیکن پہلے اشتیاق اظہر صاحب کو سن لیں۔

سید اشتیاق اظہر: میری گزارش یہ ہے کہ چونکہ وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ جو اس قانون کے اندر تبدیلی لائی جا رہی ہے، وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں کیا جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قانون کو منظور ہونا چاہیے اور جو بھی جناب وزیر قانون نے مسودہ قانون پیش کیا ہے، اس کو ہمیں اتفاق رائے سے منظور کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ ایمان کا ہے اور اس بارے میں کسی قسم کی دو رائے نہیں ہونی چاہئیں۔

جناب چیئرمین: اس میں ایک اور حل بھی ہے۔ کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ یہ معاملہ بڑا نازک ہے، اس کی definition کو زیادہ precise ہونا چاہیے

تاکہ یہ misuse نہ ہو سکے۔ دوسرا انہوں نے یہ سوال raise کیا ہے کہ یہ بھی دیکھا جائے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں اور باقی ممالک میں کس قسم کی سزا ہے اور تیسرا issue یہ ہے کہ جس پہ اجماع ہے کہ توہین رسالت ﷺ کی سزا موت ہوتی ہے جس کے لیے آپ ترمیم کر رہے ہیں۔ اب اس وقت کونسل کو بھیجنے کے لیے majority نہیں ہے۔ لیکن کونسل کو بھیجنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ president صاحب بھیج سکتے ہیں۔ اور president صاحب جب بھیجتے ہیں تو وہ advice پہ بھیجتے ہیں، اگر Ministry والے ان کو advice کریں، اس کو بھیج دیں گے کہ یہ مسئلہ کونسل کو بھیج دیا جائے تو وہ اس کو بھیج دیں گے۔ تو لہٰذا آپ Majority کا انتظار نہ کریں۔ اگر ان دونوں issues کو علیحدہ کرنا ہے تو ترمیم تو ایوان کے سامنے ہے جس طرح ہو جاتی ہے اور آپ یہ ایوان کو assure کر دیں کہ جی آپ President کو advice کریں گے کہ یہ مسئلہ کونسل کو بھیج دیا جائے تاکہ ان کی advice آ جائے، اس کے مطابق آپ قانون سازی کریں۔ کیوں جی راجہ صاحب ایک یہ حل ہے کیونکہ آئین میں یہ گنجائش موجود ہے۔ میں آپ کو پڑھ دیتا ہوں۔

The President of the Governor of a province may or if two-fifth of its total membership so require a house or a provincial assembly shall refer to the Islamic Council for advice any question as to whether as proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam?

چوہدری عبدالغفور: جناب میں پہلے بھی یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ راجہ صاحب کی بات سے میں نے اتفاق کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس وقت جو ایوان کے سامنے مسئلہ ہے، وہ یہ ہے کہ آیا صرف سزائے موت ہونی چاہیے یا اس کے ساتھ عمر قید بھی۔

جناب چیئرمین: نہیں وہ اس لیے اس کو ملا رہے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ اب option ختم کر رہے ہیں۔ یعنی عدالت کے سامنے اب یہ مسئلہ آئے گا تو پھر یہ option نہیں ہوگا کہ عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے یا سزائے موت۔ تو چونکہ یہ

صرف سزائے موت ہوگی۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس difinition کو بھی precise، کرلیا جائے تاکہ misuse نہ ہو۔

چوہدری عبدالغفور: میں یہی کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ مسئلے دو ہیں۔ ایک یہ کہ آیا سزائے موت اور عمر قید دونوں رہنی چاہئیں یا ایک رہنی چاہیے۔ ایک تو یہ ہے اور اس بارے میں شریعت کورٹ نے فیصلہ دے دیا ہے کہ سزائے موت ہے اور اس بارے میں اجماع امت ہے۔ قوانین موجود ہیں۔ مولانا صاحب نے یہ صحیح فرمایا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پر جس کا ایمان نہیں ہے، وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر مسلمان ہوکر کرے تو وہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا سزائے موت ہے۔

جناب چیئرمین: غیر مسلم کے لیے کیا ہے؟

چوہدری عبدالغفور: میں بلکہ یہاں تک جانے کے لیے تیار ہوں کہ تمام پیغمبر جو گزرے ہیں، ان کی توہین جرم ہے اور جو پیغمبر آئے ہیں، اسلام نے بھی انہیں مانا ہے اور جب سے یہ مذہب آیا ہے، اس وقت سے یہ مانا گیا ہے۔ چاہے کسی پیغمبر کی توہین کی جائے، وہ بھی جرم ہے۔ اس طرح اس پر بھی ہم قانون کو improve کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ موجودہ جو bill ہے، یہ مدد نہیں کرتا۔ اگر اس کو ہم بھیج بھی دیں تو اس بل کے جو مندرجات ہیں۔

جناب چیئرمین: کمیٹی کی سفارش کو ہم کیسے implement کریں گے؟

چوہدری عبدالغفور: میں یہ گزارش کروں گا کہ اس bill کو تو پاس کر دیں۔ لیکن I stand here committed کہ راجہ صاحب اس پر مزید کام کریں۔

جناب چیئرمین: کام نہ کریں۔ راجہ صاحب نے آپ کو سفارش بھیج دی ہے۔ اب ہاؤس کمیٹی کی سفارش ہے کہ اس کو کونسل کو بھیجا جائے۔ اب کونسل کو بھیجنے کا جو طریقہ ہمارے پاس ہے، وہ پرابلم آپ undertake کریں کہ آپ بھیج دیں گے۔

چوہدری عبدالغفور: میں عرض کرتا ہوں کہ اس کے لیے ہم یہ کریں گے کہ مزید دیکھیں گے، بالکل درست فرمایا لالیکا صاحب نے definition، یہ ہمیشہ عدالت کی discretion پر چھوڑا جاتا ہے کہ جس نے سزا موت دینی ہے۔ اس نے

تمام مندرجات اور اس کی ایک ایک بات اور تمام history اسلام کے زمانے کی اور پری اسلامک............

جناب چیئرمین: آپ کو اس میں کیا اعتراض ہے کہ ہاؤس کی کمیٹی کہہ رہی ہے کہ آپ اسے کونسل کو بھیج دیں۔

چوہدری عبدالغفور: مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم بھیج دیں گے۔ اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہاؤس ایک resolution پاس کر دے۔ ہم اس کو adopt کر دیں۔

جناب چیئرمین: جی resolution کا تو یہ ہے کہ کسی وقت چونتیس ممبرز ہوں گے، کبھی نہیں ہوں گے۔

چوہدری عبدالغفور: جناب اس resolution کو نہیں otherwise demanding the government to send it through President You don't have to demand. وہ

جناب چیئرمین: وہ جو ہے وہ executive order ہوتا ہے۔ آپ اگر President صاحب کو advice بھیجیں گے تو صدر صاحب بھیج دیں گے۔

چوہدری عبدالغفور: میں وہی عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس بات کے لیے 2/5 Majority کی ضرورت ہے۔ لیکن کسی simple resolution کے لیے 2/5 Majority کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ نہ کرنا چاہیں تو ہم اس کی مزید تحقیق کروا لیں گے کہ اگر یہ imprisonment ہو سکتی ہے تو Islamic Ideology Council بذریعہ صدر بھجوا دیں گے کہ اس کی diffinition کو مزید improve کیا جائے تاکہ جو اس میں ابہام اور مشکلات موجود ہیں اور اس کو مزید improve کیا جا سکے۔

جناب چیئرمین: راجہ صاحب آپ کا کیا خیال ہے؟

راجہ ظفر الحق: جناب چیئرمین جو آپ نے تجویز کیا ہے، اس سے اتفاق کرتا ہوں اور وہ ایک آسان راستہ ہے اور اس میں کوئی دو رائے بھی نہیں ہیں۔ پہلی بات تو

میں صاف یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ بالواسطہ، بلاواسطہ کسی تصور سے بھی اگر کوئی توہین کا پہلو نکلتا ہے، اس ذات اقدس کا تو سزائے موت بالکل صحیح سزا ہے لیکن جو **definition** ہے اس جرم کی اس کی **improvement** کی بھی گنجائش ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو اسلامی نظریاتی کونسل رپورٹ بھیجے گی، اس میں تمام وہ واقعات اور الفاظ بھی بیان کرے گی۔ نہیں۔ **Definition** میں ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی بھی عدالت اگر اس مقدمے کا فیصلہ کرے گی تو وہ جو الفاظ آپ نے **definition** میں دیئے ہیں، اس سے باہر بھی نہیں نکل سکتی۔ وہ کسی اور ملک کے قانون کو **quote** نہیں کرسکتی، وہ کسی اور دور کو بھی **quote** نہیں کرسکتی۔ انہیں تو اسی **letter** اور **spirit** کو دیکھنا ہے جسے آپ آج بنا رہے ہیں۔ اس لیے یہ تو پابندی ہو گی اس عدالت پر کہ **295/C** کی جو **definition** دی گئی ہے، اس کی پابندی کرے اور پھر جو سزا آپ نے رکھی ہے وہی دے۔ وہ کسی اور بات کو **quote** ہی نہیں کرسکتی۔ کوئی **discretion** نہیں رہتی۔ اس لیے اگر صدر مملکت کو یہ وزارت قانون **request** کردے کہ **Definition** کی **improvement** اگر ممکن ہوسکتی ہے تو وہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دے اور اگر وہ کوئی رائے دیتے ہیں اور اس کے مطابق وزارت قانون ہی کوئی **bill** لے آتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ پھر بہتری کی ایک صورت ہوسکتی ہے۔

جناب چیئرمین: جی کرارالدین صاحب آپ کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔ فرمایئے۔

Jam Karrar-ud-Din: Sir, this is very sensitive religious issue. We should not be in a hasty and we should defer it for tomorrow and we are all Muslims, it may be deferred should be referred to Islamic Ideology Council to defined it precisely, the definition of the desecration of derogatory remarks with regard to the Holy Prophet Peace Be Upon Him. So it is very very necessary sir to defer it for tomorrow so that we should be able to, when all the members here, to refer this Bill

to the Islamic Ideology Council for definition of the derogatory remarks with regard to the Holy Prophet Peace Be Upon Him. Therefore, the decision that we have taken in Standing Committee on this Bill.

Mr. Chairman: Yes, Laleka Sahib.

جناب عالم علی لالیکا: جناب چیئرمین۔ چونکہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے۔ اس پر احساس ہونا ہر مسلمان کا پاک فطری تقاضا ہے۔ جناب والا! میں حیران ہوں کہ راجہ ظفر الحق صاحب جیسے دانا و بینا آدمی کیوں اس معاملے میں آ کر **puzzle** ہو گئے۔ **confuse** ہو گئے۔ بات تو جناب والا، سیدھی سی ہے کہ جو عدالت کسی آدمی کو موت کی سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے اس کی **vision** کو اس کے **perview** کو، اس کی **thinking** کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا جو **spectum** ہے، اس کی جو سوچ ہے، اس کی جو فکر ہے۔ وہ عدالت بھی تو مسلمان ہی ہو گی وہ بھی تو تمام مکاتب فکر کی باتوں کو سمجھتی ہو گی۔ انسان کی زندگی کی اتلاف کا حکم دے دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اس لیے اسے اسلامی نظریاتی کونسل سے **codify** کروا لینا کہ اس کی **more specific definition. This will amount to restrict till the purview and the juridsiction to the deciding court codification** میں جو چیز آئے وہ تو توہین کے مترادف ہے۔

جناب چیئرمین: قانون کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس سے کورٹ کو بھی **guideline** ملتی ہے۔ یعنی جب آپ قانون بناتے ہیں۔ مثلاً ابھی آپ یہ ترمیم کر رہے ہیں تو اسی لیے کر رہے ہیں کہ کورٹ کو بھی حکم ہوگا کہ یہ **guidelines** ہیں۔

جناب عالم علی لالیکا: جناب والا! **295** میں **Sufficient Definition** موجود ہے۔

جناب چیئرمین: محمد علی خان صاحب۔

جناب محمد علی خان: جناب چیئرمین صاحب! اس نازک مسئلہ پر کافی بحث

ایوان میں ہو چکی ہے۔ جہاں تک اس عاجز بندے کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میں نہایت ہی گناہ گار انسان ہوں۔ اگر میں اس ضمن میں اس کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ اتفاق کروں، یہ میرا ذاتی خیال ہے کہ میں اپنے گناہوں میں زیادتی کروں گا۔ جناب والا! اگر ہم اسے definition کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیجیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ صفت اور مذمت کا فرق سب پر عیاں ہے اور ہر ایک آدمی جانتا ہے۔ جس کے بارے میں کوئی بات کہے تو وہ اسی وقت محسوس کر لیتا ہے کہ اس نے مجھے گالی دی ہے یا اس نے میری صفت بیان کی ہے۔ چہ جائیکہ اس کا اطلاق ہم حضور نبی کریم ﷺ کی ذات پر کریں۔ تو جناب والا! جہاں تک ایک مسلمان کا تعلق ہے۔ اگر وہ صرف برائے نام مسلمان ہو اور اس سے ایسی غلطی ہو جائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ آپ نے ایک سوال اُٹھایا کہ اگر غیر مسلم کوئی ایسی بات کرے تو اس کے لیے کیا سزا ہوگی تو جناب والا! کوئی بھی دنیا میں شاتم رسولؐ ہو، اس کے لیے سزا موت ہے۔ اور اس ضمن میں جو قدم غازی علم الدین شہیدؒ نے ایک زمانے لاہور میں اُٹھایا تھا، آج تک ہم اس کے نام کے ساتھ لفظ شہید استعمال کرتے ہیں۔ اس نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک ہندو نے رسول کریم ﷺ کی مذمت کی تھی تو اسے دوزخ پہنچا دیا۔ .... لہٰذا اگر اس ایوان میں خدانخواستہ اس چیز کو ڈھیل دی تو یہ، ایک ہوتی ہے زیادتی اور ایک ہوتا ہے ظلم، میں کہوں گا کہ یہ ظلم عظیم ہوگا۔ اپنے آپ کے ساتھ، اسلام کے ساتھ اور اس ایوان کے ساتھ۔ لہٰذا اسے پاس کرنا چاہیے۔ شکریہ!

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی حل صحیح ہے کہ اسے پاس کر لیا جائے اور یہ جس طرح آپ نے کہا ہے کہ کونسل کو بھیج دیا جائے، وہ بھی دیکھ لیں گے۔ مندوخیل صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب والا! میں راجہ صاحب کی تائید کرتا ہوں۔ جناب والا! اس میں مسئلہ definition کا ہے اور جو کورٹ بھی فیصلہ کرتی ہے اس کے سامنے بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ .... جناب والا! ان چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ باتیں حساس اور نازک ہیں۔ اس لیے یہ راستہ سب سے بہتر ہے۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے مسئلہ حل ہو گیا مسئلے طے ہو گیا۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: اگر آپ اسے **commit** کرتے ہیں کہ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھجوائیں گے۔

جناب چیئرمین: انہوں نے کہہ دیا ہے کہ وہ **President** کو **advise** کریں گے؟ وہ بھی دیکھیں گے۔ جناب سمیع الحق صاحب۔

مولانا سمیع الحق: میں صرف اتنی گزارش کروں گا، جیسا کہ ہمارے قائد ایوان جناب محمد علی خان صاحب نے بھی توجہ دلائی ہے کہ اس معاملہ میں ہمیں کوئی ایسا راستہ نہیں اختیار کرنا چاہیے کہ جو ناموس نبوی ﷺ پر مر مٹنے کے تصور اور جذبے سے عاری ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیجنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: بہرحال وہ تو کمیٹی نے ویسے سفارش کی ہے۔

مولانا سمیع الحق: میں آپ سے ویسے اتنا استفادہ چاہتا ہوں کہ کیا قانوناً کمیٹی کی سفارش قبول کرنا ایوان پر لازم ہوتا ہے۔

جناب چیئرمین: آپ نے دیکھا کہ ایوان میں ایک رائے ہے۔

مولانا سمیع الحق: اگر کمیٹی ایسی سفارش کرے جو بالکل ......

جناب چیئرمین: میں سمجھتا ہوں کمیٹی کی ایک سفارش ہے پھر ایوان میں بھی ایک رائے ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہاں پر بھی عالم دین ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ ہیں، **definition** میں کوئی بہتری ہو سکتی ہے تو **.Why not**......

مولانا سمیع الحق: جناب وہ تو سرد خانے میں ڈالنے والی بات ہے۔

جناب چیئرمین: نہیں نہیں، قانون تو ہو جائے گا۔

مولانا سمیع الحق: تو اس کی تشریحات تو سارے نہیں لکھ سکتے۔

جناب چیئرمین: قانون پر اس کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ جو قانون آپ آج پاس کریں گے، وہ نافذ ہو جائے گا قانون تو پاس ہوتا ہے۔

مولانا سمیع الحق: قانون پاس کر لیں، بس ٹھیک ہے۔

Mr. Chairman: I move the motion. It has been

moved by Ch. Abdul Ghafoor Minister for Law and Justice.

> **"that the Bill further to amend the Pakistan Penal Code and the Code of Criminal Procedure 1898, the Criminal Law 3rd Amendment Bill 1991, as reported by the Standing Committee, be taken into consideration at once."**

(The motion was adopted).

I take it clause by clause, The question is:

> **"that clause 2 and 3 form part of the Bill."**

(The motion was adopted).

Ch. Abdul Ghafoor: Sir there is short amendment that the word 1991 be taken as 1992.

Mr. Chairman: This is not opposed so I think this is a clerical mistake, So this amendment is adopted 1991

کی بجائے 1992 The question is:

> **"that the preamble and clause I that is short title and commencement form part of the Bill."**

(The motion was adopted).

Next itme No. 6.

Ch. Abdul Ghafoor: Sir I move:-

> **"that the Bill further to amend the Pakistan Panel Code and The Code of Criminal Procedure 1898, the Criminal Law 3rd Amendment Bill, 1992, be passed."**

Mr. Chairman: Motion moved. The question is:

> **"that the Bill further to amend the Pakistan Panel Code and The Code of Criminal Procedure 1898, the Criminal**

Law 3rd Amendment Bill, 1992, be passed".

(The motion was adopted).

....

8 مئی 2007ء کو اقلیتی رکن قومی اسمبلی ایم پی بھنڈارا نے قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت کو غیر موثر کرنے کے لیے ایک بل پیش کیا جسے قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا۔قومی اسمبلی میں اس دن کی کارروائی ملاحظہ فرمائیں۔

8 مئی 2007ء

(سپیکر قومی اسمبلی جناب چوہدری امیر حسین کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا۔)

THE BLASPHEMY CRIMINAL LAWS AMENDMENT BILL, 2007

Mr. M. P. Bhandara: Sir, I beg to move for leave to introduce a Bill further to amend the Pakistan Penal Code, 1860 and the Code of Criminal Procedure, 1898 (The Blasphemy (Criminal Laws) (Amendment) Bill, 2007.)

Mr. Speaker: Please take your seat for a minute. Honourable Minister for Parliamentary Affairs.

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: جناب سپیکر! توہین رسالت مآب ﷺ کے قانون کو touch کرنا یا چھیڑنا۔ایم پی بھنڈارا کو اس کو خیال رکھنا چاہیے۔ It is a very sensitive matter. اسلام ہمارا دین ہے اور دین سے مراد بہت ساری چیزیں ہیں۔ تمام زندگی اس کے گرد گھومتی ہے۔ He must think about it whenever he is brining such things کہ اس سے ہماری دل آزاری ہوگی اور میں یہ معزز رکن کو کہوں گا کہ پہلے بھی وہ ایک

provision لائے تھے جو سمجھ میں نہیں آئی اور اس کا خیال تھا کہ وہ ہوگئی ہے admit اور اس طریقہ کار سے ٹیلیویژنوں پہ جب اس پہ Commentary ہوئی تو then it was a bad for us میں اب بھی اس سے گزارش کروں گا ایم پی بھنڈارا صاحب سے کہ یہ ہماری sacredness in our religion must not be touched by him at least we should not do this. یہ سیکولر نہیں ہے۔ Islamic Republic State of Pakistan ہے He must be careful about it اور میں یہ کہوں گا کہ آپ بھی برائے مہربانی ایسی sensitive چیزوں کو جب آتی ہیں تو for God sake Sir keep it away آپ بلالیں اور وہیں پہ فیصلہ کریں اور اس کو ایجنڈے پہ نہ لائیں۔ میری یہ اب بھی گزارش ہوگی معزز رکن سے کہ وہ واپس لے لیں اس کو۔

جناب سپیکر: بھنڈارا صاحب Do you press it?

Mr. M. P. Bhandara: Sir, I press it with all the force at my disposal. I am shocked, disappointed by what the honourable Ministher has said. I agree with what he says but

میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ That the Constitution gives us equality. The Quaid-e-Azam gives us equality of citizenship. میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جو توہین رسالت کے قوانین ہیں، وہ اسی طرح جو اور مذاہب ہیں، ان کے لیے بھی وہی protection ہونی چاہیے جو مسلمانوں کے لیے ہے۔

I am very disappointed, very disappointed what the honourable Minister has said. I demand that he withdraw his words. We only want equality and we are guaranteed equality by the Constituion.

جناب سپیکر: ٹھیک ہے میں پوچھتا ہوں۔

The question:

(Interruptions)

جناب سپیکر: یہ میں put کر رہا ہوں۔ آپ اس کو رد کر دیں یا منظور کر لیں۔ فرید پراچہ صاحب۔

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ: جناب سپیکر! ہمارے یہ جو نئے قواعد بنے ہیں، ان قواعد میں قاعدہ نمبر 125 ہے، یہ جو ہے، یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون وضع نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی اسمبلی میں پیش ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری یہ گزارش ہے کہ ان قواعد کے آنے کے بعد اس کو اسمبلی میں پیش کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جانی چاہیے تھی۔ یہ ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے اور عشق رسالت ﷺ سے زیادہ قیمتی چیز ہمارے لیے کوئی نہیں ہے۔ ہم سب کے دلوں کے اندر نبی کریم ﷺ کی لازوال محبت ہے۔ اس کے لیے ہم اپنی جانیں کٹوا سکتے ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اسے فلور پہ بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔

مولانا عبدالاکبر چترالی: جناب سپیکر صاحب!

جناب سپیکر: عبدالاکبر چترالی صاحب۔

مولانا عبدالاکبر چترالی: جناب سپیکر! میرا بھی رول نمبر 125 کے تحت اسلامی احکام، ابھی ابھی ہم نے پاس کرائے ہیں۔ جناب سپیکر اور پھر بار بار بات ہو رہی ہے آپ رولنگ محفوظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اسلامی قوانین کے خلاف یہاں بل لائے جا رہے ہیں۔ جناب سپیکر! یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ ایک بات کا ایک دفعہ فیصلہ ہو جائے اور رولز کے تحت بھی اس پر پابندی ہو، اس کے باوجود بھی یہ بل کس طرح آتے ہیں اسمبلی میں۔ جناب سپیکر! اس کا نوٹس لیا جائے۔

جناب سپیکر: ٹھیک ہے The question is بھنڈارا صاحب۔ میں motion put کرنے لگا ہوں۔ دیکھیں۔

That leave to introduce the Bill further to amend the Pakistan Penal Code, 1960 and the Code of Criminal Procedure, 1898 (The Blasphemy (Criminal Laws) (Amendment) Bill, 2007) be granted.

The motion was rejected.

....

نومبر **2010**ء میں سابق وزیر اطلاعات ونشریات اور موجودہ سینیٹر شیری رحمان نے قانون توہین رسالت کو غیر موثر بنانے کے لیے قومی اسمبلی سیکریٹریٹ میں ایک بل پیش کیا جس میں تجویز کیا گیا کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا موت ختم کر کے **10** سال قید رکھی جائے یا ملزم کو محض جرمانہ کی سزا دی جائے۔ شیری رحمان نے تعزیرات پاکستان میں ایک نئی دفعہ **203** بھی شامل کرنے کی تجویز پیش کی جس میں کہا گیا کہ اگر کوئی شخص (مدعی) کسی دوسرے شخص (ملزم) پر توہین رسالت کا الزام لگائے یا اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرائے اور وہ شخص (مدعی) اس الزام کو ثابت نہ کر سکے تو اس (مدعی) کو وہی سزا ملے گی جو توہین رسالت کے مجرم کو دی جاتی ہے۔ بل میں مزید کہا گیا کہ قانون توہین رسالت کی ایف آئی آر درج کرنے سے پہلے سیشن جج مکمل تحقیق وتفتیش کرے اور اگر مقدمہ درست ہو تو توہین رسالت کے ملزم کا ٹرائل ہائی کورٹ میں چلنا چاہیے۔ بل میں مزید تجویز کیا گیا کہ جھوٹا مقدمہ درج کروانے والے کو بغیر کسی وارنٹ کے گرفتار کر کے فوری طور پر سیشن کورٹ میں مقدمہ چلایا جائے۔

شیری رحمان کے اس بل کا جواب وزارت قانون و انصاف اور پارلیمانی امور نے بڑا مفصل اور جامع دیا جو ذیل میں درج ہے۔ یاد رہے کہ اس جواب پر وفاقی وزیر قانون و انصاف و پارلیمانی امور بابر اعوان اور وزیر اعظم پاکستان یوسف رضا گیلانی نے دستخط کیے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیری رحمان کا تعلق حکمران جماعت سے تھا جس نے اس کے بل کا مندرجہ ذیل جواب دیا۔

وزارت قانون، انصاف اور پارلیمانی امور حکومت پاکستان

پاکستان میں توہین رسالتؐ کے قوانین سے متعلق اٹھنے والے سوالات/ اعتراضات کا تفصیلی جائزہ:

-1 وزیراعظم پاکستان کو مختلف افراد، اداروں اور غیر ملکیوں کی طرف سے کچھ خطوط موصول ہوئے جو وزیراعظم سیکریٹریٹ کی جانب سے U.O-No.5(30)/FSA/2010 کے تحت 30 دسمبر 2010ء اور ریفرنس نمبر OGW/Misc/Asiabibi/2011 کے تحت 15 جنوری 2011ء کو وزارت قانون کو بھیجے گئے۔ اسی طرح وزارت داخلہ کی طرف سے لکھے گئے ایک خط نمبر U.O.7/32/2010-Ptns، بتاریخ 8 دسمبر 2010ء کے ذریعے ایک علیحدہ ریفرنس بھی موصول ہوا۔ یہ سب ریفرنس اور خطوط ایک مجاز عدالت سے توہین رسالتؐ کے جرم میں سزا یافتہ مسماۃ آسیہ مسیح کے حوالہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ وزارت اقلیتی امور کی جانب سے توہین رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کے مطالبہ پر مبنی ایک ریفرنس بھی موصول ہوا۔

-2 وزارت خارجہ نے 23 نومبر 2010 کو اسی موضوع پر ایک ریفرنس نمبر U.O.DG(Americas)-1/2010 اس وزارت کو بھیجا۔

-3 15 دسمبر 2010ء کو قومی اسمبلی سیکریٹریٹ کی جانب سے بھی اس وزارت کو ایک ریفرنس نمبر F.23(45)/2010-Legis موصول ہوا۔ جس کے تحت رکن قومی اسمبلی مسماۃ شہر بانو رحمان (شیری رحمان) کی جانب سے جمع کرائے جانے والے پرائیویٹ ممبر بل بعنوان "The Criminal Law (Review of Punishment for Blasphemy) (Amendment)Bill 2010" پر رائے طلب کی گئی تھی۔ اس بل میں پاکستان میں توہین رسالتؐ قوانین میں ترمیم کرتے ہوئے پاکستان پینل کوڈ 1860 اور اسی طرح مجموعہ ضابطہ فوجداری Code of Criminal Procedure 1998 میں ترمیم کے لیے کہا گیا تھا۔

قومی اسمبلی سیکریٹریٹ کا سوال یوں تھا:

''زیر دستخطی کو یہ بتانے کی ہدایت کی گئی ہے کہ محترمہ شیری رحمان ایم این اے نے ایک نجی بل بعنوان

"The Criminal Law (Review of Punishment for Blasphemy) (Amendment) Bill 2010" جمع کرانے کا نوٹس دیا ہے۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا ہے کہ مزید کارروائی سے پہلے اس بل پر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ "PLD 1991 Federal Shariat Court 10" کی روشنی میں وزارت قانون و انصاف اور پارلیمانی امور کی رائے/تبصرہ حاصل کیا جائے۔''

-4 اس معاملے کی نوعیت اور اہمیت کے پیش نظر وزیر قانون و انصاف اور پارلیمانی امور نے خود اس معاملہ میں تحقیق کی اور قرآن، احادیث رسول ﷺ پاکستان پینل کوڈ 1860، دفعہ 295-C اور اس سے متعلقہ قوانین کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک میں توہین رسالت ؐ کے قوانین (Blasphemy Laws) کی روشنی میں جائزہ لیا۔

-5 توہین رسالت ؐ قوانین پر حالیہ بحث مساۃ شہر بانو رحمان (شیری رحمان) ایم این اے کی جانب سے پیش کیے گئے ایک پرائیویٹ ممبر بل کے بعد شروع ہوئی۔ لہٰذا قومی اسمبلی سیکریٹریٹ کے سوال کا جواب پہلے دیا جانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمہ حقیقت یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ PLD.1991 FSC page 10 میں اس قانون کو قرآن اور سنت رسول ﷺ سے اخذ کردہ اور درست قرار دیا ہے۔ آئین کی دفعہ 203-D کے تحت وفاقی شرعی عدالت ہی اس امر کی مجاز ہے کہ وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے۔ آئینی شق 203-D کے مطالعہ کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جس میں کہا گیا ہے، ''عدالت کے اختیارات اور فرائض:

(1) 203-D: عدالت از خود نوٹس پر یا پاکستان کے کسی شہری کی پٹیشن پر یا وفاقی یا کسی صوبائی حکومت کی پٹیشن پر یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کے اصولوں کی روشنی میں کسی بھی قانون یا اس کی شق کے، اسلام کے مطابق یا اسلام سے

متصادم ہونے کا فیصلہ کر سکے''۔

6- یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ قوانین وضع کرنے ،ان پر نظر ثانی کرنے ،ان میں ترمیم کرنے ،ان کی تنسیخ کرنے کے وسیع تر اختیارات رکھتی ہے۔ پارلیمانی طریقہ کار اور قانون سازی کی روایات کے مطابق پارلیمنٹ کی طرف سے وضع کردہ قانون توہین رسالت ﷺ کئی دہائیوں سے نافذ العمل ہے اور آئینی عدالت کے کڑے معیار پر پورا اتر چکا ہے۔ نجی بل جو میڈیا رپورٹس کے مطابق متعلقہ رکن نے زبانی طور پر واپس لے لیا ہے اور محرک کی جانب سے اس امر کی تردید بھی نہیں آئی ، اس میں توہین رسالتؐ قانون کے مجوزہ پیرا گراف کا وفاقی شرعی عدالت آئینی شق 203-D کی ذیلی شق 2 کے تحت پہلے ہی باریک بینی سے جائزہ لے چکی ہے اور اس کے فیصلہ کی رو سے موجود قانون قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ گستاخِ رسولؐ کے لیے موت کی سزا کے علاوہ کسی بھی قسم کی متبادل سزا اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوگی۔ آئین کی شق 203-D کی ذیلی شق 2 کی شق (b) کے تحت یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ ہو چکا ہے ۔اس لیے محترمہ شہر بانو رحمان (شیری رحمان) کا مجوزہ بل مسترد کردینے کے قابل ہے۔

7- اس معاملے پر چند قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں۔

❑ ترجمہ: اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بد زبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم ﷺ) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دُکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسولؐ کو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبہ: 61)

❑ ترجمہ: بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ، کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب۔ (الاحزاب: 57)

- ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم ﷺ) کی آواز سے اور نہ زور سے آپؐ کے ساتھ بات کیا کرو۔ جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ (الحجرات: 2)
- ترجمہ: نہ بنا لو رسولؐ کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسولِ کریمؐ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے۔ (النور: 63)
- ترجمہ: (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح و شام۔ (الفتح: 9)
- ترجمہ: اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ۔ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لیے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر۔ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے۔ اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسولؐ کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ (الاحزاب: 53)
- ترجمہ: بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہونگے۔ (المجادلہ: 20)
- ترجمہ: یقیناً آپ کا جو دشمن ہے، وہی بے نام (ونشاں) ہوگا۔ (الکوثر: 3)

- ترجمہ: بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیے جائیں یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے۔ (المائدہ:33)
- ترجمہ: اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ایسوں سے جنگ کرو) تا کہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آ جائیں۔ (التوبہ:12)

8- اب توہین رسالت سے متعلقہ حضور پاک ﷺ کی سنت/احادیث سے کچھ مثالیں حسب ذیل ہیں۔

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ جب آپ ﷺ نے اسے اتارا تو آپ کی خدمت میں ایک صحابیؓ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ (بخاری:4035)
- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ ستا رہا ہے۔'' اس پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مجھے یہ پسند ہے۔ انھوں نے عرض کی: کیا آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ بقدرِ ضرورت اس سے جو مناسب سمجھوں، بات کر لوں؟ (خواہ ظاہراً وہ بری اور ناجائز ہی ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس چیز کی اجازت مرحمت فرمائی۔ رات کے وقت جب یہ لوگ مدینہ منورہ سے کارروائی کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو سید الاوّلین

والآخرین، امام الانبیا والمرسلین ﷺ نے بنفس نفیس ان کو جنت البقیع (اصل نام الغرقد) تک آ کر الوداع کیا۔ یہ سن 3 ہجری تھا، ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ چاندنی رات تھی۔ مجاہدین کی اس مختصر چھاپہ مار گوریلا ٹیم کو رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ! اللہ تمہاری مدد کرے۔''

محمدؓ بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ شخص (اشارہ رسول اکرم ﷺ کی جانب تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں مشقت میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب بن اشرف بولا اور کہنے لگا: ابھی آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا، اللہ کی قسم! تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: چونکہ ہم نے اب اس کی اطاعت کر لی ہے۔ اس لیے جب تک یہ معاملہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انھیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں، میں تم سے ایک وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے جو تقریباً ایک سو تیں کلو کے برابر بنتا ہے) غلہ بطور قرض لینے آیا ہوں۔

کعب بن اشرف نے کہا: ہاں! میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کونسی چیز تم گروی میں چاہتے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: تم عرب کے نہایت خوبصورت مرد ہو، ہم تمھارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کعب بن اشرف نے کہا: پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے جواب دیا: ہم اپنے بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کل کلاں انھیں اسی بات پر گالیاں اور طعنے دیے جائیں گے کہ یہ تو وہی ہے، جسے ایک وسق یا دو وسق غلے کے بدلے گروی رکھا گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے بہت بڑی ذلت ہوگی۔ البتہ ہم تمھارے پاس اپنے ''لائمہ'' گروی رکھ دیتے ہیں (حدیث کے ایک راوی سفیان کہتے ہیں: لائمہ سے مراد ہتھیار اور اسلحہ تھا)۔

محمدؓ بن مسلمہ نے دوبارہ ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ (کچھ دنوں کے بعد) وہ رات کے وقت کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ابو نائلہؓ بھی تھے اور وہ

کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر اس کے قلعہ کے پاس جا کر انھوں نے آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا: اس وقت (اتنی رات گئے) باہر کہاں جا رہے ہو؟ کعب بن اشرف نے کہا: باہر محمد بن مسلمہ اور میرا (رضاعی) بھائی ابو نائلہ (مجھ سے ملنے آئے ہیں)...... حدیث کے ایک راوی عمرو بن دینار کے سوا دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ اس کی بیوی نے اس سے کہا تھا: مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا: (نہیں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ وہ) میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں۔

عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ جب سیدنا محمدؓ بن مسلمہ اندر گئے تو ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ سفیان سے پوچھا گیا: کیا عمرو بن دینار نے ان کے نام بھی لیے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ عمرو بن دینار نے بعض کا نام لیا تھا۔ عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم کے نام بتائے تھے۔ تاہم عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمی اور لائے تھے۔ اور انھیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب کعب ہماری طرف آئے گا تو میں اس کے بال اپنے ہاتھوں میں لے لوں گا اور انھیں سونگھوں گا۔ جب تمھیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا...... عمرو بن دینار نے ایک دفعہ یہ بیان کیا کہ محمدؓ بن مسلمہ نے فرمایا، پھر میں اس کا سر تمھیں بھی سنگھاؤں گا......

بالآخر کعب بن اشرف چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے سر سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: اس سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی۔ عمرو کے سوا دوسرے راوی سفیان بن عیینہ نے بیان کیا: کعب بن اشرف اس بات پر بولا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں: محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: کیا تمھارے سر کو سونگھنے کی مجھے اجازت ہے؟ اس نے کہا: سونگھ سکتے ہو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کا سر سونگھا اور ان کے بعد ان کے ساتھیوں نے بھی سونگھا۔ پھر دوسری دفعہ محمدؓ بن مسلمہ نے سر کو سونگھنے کی

اجازت مانگی۔ اس نے دوسری دفعہ بھی اجازت دے دی۔ پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح اسے اپنے قبضہ میں کرلیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کامیاب قاتلانہ کارروائی کی اطلاع دی۔ (بخاری شریف)

□ البراابن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک یہودی ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے انصار میں سے کچھ لوگوں کو بھیجا۔ عبداللہؓ بن عتیق کو اُن لوگوں کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا۔ ابو رافع، رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ رسولؐ خدا کے دشمنوں کی بھی آپ ﷺ کے خلاف مدد کیا کرتا تھا۔ وہ سرزمین حجاز پر موجود اپنے قلعے میں رہتا تھا۔ جب وہ لوگ قلعہ کے قریب پہنچے اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشیوں کو واپس اپنے گھروں کی طرف لا رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ (بن عتیق) نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔ میں جا کر قلعہ کے گیٹ پر موجود چوکیدار سے ایک چال چلنے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ میں قلعہ میں داخل ہوسکوں۔ پس عبداللہ قلعہ کی طرف چل دیے اور جب وہ قلعہ کے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے خود کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ انہوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ قدرت کے کسی بلاوے کا جواب دے رہے ہیں۔ لوگ اندر جا چکے تھے اور چوکیدار (جو عبداللہ کو قلعہ کا خادم سمجھ رہا تھا) نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ کے بندے! اگر تم اندر آنا چاہتے ہو تو آجاؤ کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں۔'' عبداللہؓ اپنی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں: ''پس میں اندر چلا گیا اور خود کو چھپا لیا، جب لوگ اندر آگئے تو چوکیدار نے دروازہ بند کر دیا اور چابیاں لکڑی کے کھونٹے سے لٹکا دیں۔ میں نے اٹھ کر چابیاں اٹھالیں اور دروازہ کھول دیا کچھ لوگ رات گئے تک ابو رافع کے کمرے میں اس کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ جب یہ خوش گپیاں ختم ہوئیں اور اس کے ساتھی چلے گئے تو میں اس کی طرف آیا۔ میں نے اس کا دروازہ کھولا اور پھر اسے اندر سے بند کرلیا۔ میں نے سوچا کہ لوگوں کو اگر میرا پتہ چل بھی جائے تو مجھے اس وقت تک پکڑے نہیں جانا چاہئے جب تک کہ

میں اسے قتل نہ کر دوں۔ میں اس تک پہنچا تو وہ ایک اندھیرے کمرے میں اہل خانہ کے درمیان سو رہا تھا، میں اسے شناخت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے اسے پکارا ''اے ابو رافع''! وہ فوراً بولا ''کون ہو تم''؟ میں نے آواز کی سمت بڑھا اور اس پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ بے یقینی کی صورتحال کے سبب میں اسے قتل نہ کر سکا۔ لہٰذا باہر آ کر ایک لمحہ بعد ہی میں نے پکارا ''ابو رافع! یہ آوازیں کیسی تھیں؟'' اس نے کہا ''تمہاری ماں تمہیں روئے، یہاں کوئی گھس آیا ہے، اس نے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا ہے''۔ چنانچہ میں نے آواز کی سمت دوبارہ زوردار حملہ کیا مگر اسے مار نہیں سکا۔ میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر اتنے زور سے دبائی کہ اس کی پشت سے جا ٹکرائی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ مارا جا چکا ہے۔ میں نے ایک ایک کر کے دروازے کھولے اور سیڑھیوں تک جا پہنچا، میں سمجھا میں زمین پر پہنچ گیا ہوں۔ میں نے قدم باہر رکھا اور نیچے گر پڑا اور میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے پگڑی سے باندھا اور اس وقت تک چلتا رہا جب تک گیٹ پر نہیں پہنچ گیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس وقت تک باہر نہیں جاؤں گا جب تک کہ مجھے اس کی موت کی خبر نہیں مل جاتی۔ صبح جب مرغ اذان دے رہے تھے تو وہاں کے اعلان کرنے والے نے دیوار پر چڑھ کر اعلان کیا: ''میں حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں''۔ یہ سن کر میں باہر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ اب ہمیں خود کو محفوظ کر لینا چاہیے۔ لہٰذا ہم وہاں سے چل پڑے اور رسولؐ اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے انہیں پوری داستان سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ باہر نکالو، میں نے ٹانگ باہر نکالی۔ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ ایسے ہو گئی جیسے ٹوٹی ہی نہ ہو۔ (بخاری: **3813**)

☐ ''عمیرؓ ابن امیہ سے روایت ہے کہ، ان کی ایک بہن مشرکہ تھی، وہ آپ کو ستاتی رہتی تھی۔ جب وہؓ رسول اللہ ﷺ سے ملنے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے متعلق توہین آمیز کلمات کہتی، لہٰذا ایک دن انہوں نے اسے مار ڈالا۔ اس کے بیٹوں نے کہا کہ وہ قاتل سے آگاہ ہیں۔ عمیرؓ نے سوچا کہ وہ کسی اور بے گناہ کو قتل نہ کر دیں، لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور سارا معاملہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے سوال کیا ''تم نے اپنی بہن کو قتل کر دیا؟'' انہوں نے کہا ''جی ہاں'' آپ ﷺ نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا

وہ میرے اور آپ کے تعلق کو نقصان پہنچا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے مقتولہ کے بیٹوں کو بلایا اور قاتل کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے کسی اور کا نام لیا۔ تب آپ نے انہیں اصل صورتحال بتائی اور اس قتل کو رائیگاں قرار دیا۔ (یعنی یہ قتل جائز تھا، اس کا بدلہ نہیں ہو گا۔)

☐ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس دشمن کے خلاف کون میری مدد کرے گا؟ زبیر نے کہا میں۔ اور وہ اس سے لڑے اور اسے قتل کر ڈالا۔ آپ ﷺ نے انہیں شاباش دی۔

(PLD 1991 FSC 10)

حضرت اسحٰقؒ بن ابراہیم، عبداللہؒ بن محمد، سفیانؒ بن عینیہ اور حضرت عمروؓ نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا۔ اس نے اللہ کے نبی ﷺ کو ستایا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔۔۔۔۔اور پھر انہوں نے اسے مار ڈالا۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد 2158)

☐ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمانے کے بعد حکم دیا کہ توہین رسالت پر مبنی شاعری پر ابن خطل اور اس کی لونڈی کو قتل کر دیا جائے۔ (الشفا (اردو ترجمہ) مرتبہ قاضی عیاضؒ، جلد 2، صفحہ 284.۔(PLD 1991 FSC 10)

-9 1860ء کے پاکستان پینل کوڈ کا تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی اس بحث سے متعلق ہے۔ اس لیے سیکشن 295 سی کا مطالعہ ضروری ہے۔

295 C رسول پاک ﷺ کے بارے میں گستاخانہ کلمات کہنا:

''اگر کوئی ایسے الفاظ لکھے یا بولے یا کسی بھی طرح ان کا اظہار کرے یا کسی بھی طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ ایسا اشارۃً کنایۃً کرے جس سے رسول پاک حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کا پہلو سامنے آئے تو یہ جرم ہو گا۔ جس کی سزا موت یا عمر قید ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''فرد جرم عائد کرنا'':

میں .... (سیشن کورٹ کا آفس اور نام وغیرہ) تم............ (ملزم کا نام)پر الزام عائد کرتا ہوں کہ تم نے فلاں دن، فلاں وقت (تحریری یا تقریری الفاظ کا ذکر کیا جائے یا تحریری مواد کی صورت میں مواد پیش کیا جائے) رسول پاک حضرت محمدﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اس طرح کی دانستہ اور بد نیتی کی بنا پر گستاخانہ حرکات پاکستان پینل کوڈ 1860ء کے سیکشن 295-C کے تحت قابل سزا جرم ہے اور میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم پر لگنے والے اس الزام کا کیس اس عدالت میں چلے گا۔

قرآن پاک کی بہت سی آیات اور رسول پاکﷺ کی احادیث سے توہین رسالت کی سزا موت ثابت ہے۔ لہٰذا قرآن وسنت اور پاکستان کی مقنّنہ نے معاملہ کی نزاکت کومحسوس کرتے ہوئے ''دانستہ اور بد نیتی'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اور کوئی عدالت دیے گئے نمونہ کے برعکس چارج شیٹ نہیں کرسکتی۔ اس سے عدالتی کارروائی کے غلط استعمال کو روکنے کی خاطر دو طرح کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ اول اس بات کا یقین حاصل کرنا کہ ملزم نے دانستہ طور یہ جانتے ہوئے کہ جو وہ کر رہا ہے، یہ جرم ہے، یہ جرم کیا۔ دوسرے توہین کے جرم کی اصل حقیقت کی چھان بین، Criminal Administration of Justice یہ دونوں اصول عالمی طور پر نہ صرف تسلیم شدہ ہیں بلکہ یہ طریقہ کار بین الاقوامی معیار کے عین مطابق ہے۔

-10 گستاخی رسولؐ تمام الہامی مذاہب میں قابل سزا جرم ہے۔ یہودیت سے بھی اس کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ تورات میں ہے کہ ''جو (لوگ) گستاخانہ باتیں کرتے ہیں انہیں لازمی طور پر سزائے موت دی جائے گی۔ (توراۃ، کتاب احبار باب 24 فقرہ 16)

-11 یہ پروپیگنڈہ کہ توہین رسالتﷺ کا قانون صرف پاکستان میں ہے اور اس کا مقصد ایک خاص طبقہ کو نشانہ بنانا ہے، مکمل طور پر بے بنیاد اور غلط ہے۔ اس قانون کی مختصر تاریخ اور مختلف ممالک میں اس سے متعلقہ قوانین کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

افغانستان:

اسلامی ملک افغانستان میں توہین رسالتؐ قابل سزا جرم ہے اور اس کی سزا شرعی قوانین کے تحت دی جاتی ہے۔توہین رسالتؐ کے مرتکب کو جرمانوں سے لے کر پھانسی کے ذریعہ سزائے موت تک دی جاسکتی ہے۔

آسٹریلیا:

آسٹریلیا کی مختلف ریاستوں ،علاقوں، دولت مشترکہ آف آسٹریلیا میں گستاخی کی سزا دینے کا معاملہ یکساں نہیں ہے۔ کچھ حصوں میں گستاخی کرنا جرم ہے جبکہ دیگر میں ایسا نہیں ہے۔اس سلسلہ میں آخری بار 1919 میں مقدمہ چلایا گیا۔

آسٹریا:

آسٹریا میں پینل کوڈ کی دو شقیں توہین رسالت سے متعلق ہیں:

1- 188: مذہبی تعلیمات کی تذلیل کرنا۔

2- 189: مذہبی عبادات/معاملات میں خلل پیدا کرنا۔

بنگلہ دیش:

بنگلہ دیش کے پینل کوڈ اور دیگر مختلف قوانین کے ذریعہ سے توہین رسالت کرنے اور مذہبی جذبات مجروح کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

برازیل:

پینل کوڈ کی شق 208 کے تحت برازیل میں مذہبی شخصیات، اعمال اور عبادات کی کھلے عام توہین کرنا قابل سزا جرم ہے۔اس کی سزا ایک ماہ سے لے کر ایک سال تک قید یا جرمانہ ہوسکتی ہے۔

کینیڈا:

کریمینل کوڈ آف کینیڈا کے مطابق بھی گستاخی یا توہین ایک جرم ہے۔مگر **Charter of Rights and Freedoms** کو اس پر فوقیت حاصل ہے۔آخری بار اس سلسلہ میں 1935 میں کارروائی کی گئی۔۔

ڈنمارک:

پینل کوڈ کا پیرا گراف نمبر 140 توہین کے بارے میں ہے۔ یہ پیرا گراف 1938ء سے استعمال نہیں کیا گیا۔جب ایک نازی گروپ کو یہود مخالف پروپیگنڈہ پر سزا دی گئی تھی۔ اس کوڈ کا پیرا گراف 266-B نفرت انگیز تقریر کے بارے میں ہے۔ اس پیرا گراف کو ایک تسلسل کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ 2004ء میں گستاخی سے متعلقہ کلاز کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اکثریتی رائے سے اسے مسترد کر دیا گیا۔

مصر:

مصر کی اکثریت سنی ہے۔ یہاں پر بھی توہین رسالت اور مذہبی اقدار کی توہین کے متعلق قانون موجود ہے۔

بھارت:

بھارت کے اکثریتی مذہب ہندومت میں توہین رسالت کی سزا کا کوئی تصور نہیں مگر ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے یہ قوانین متعارف کروائے۔ 1860 میں برطانوی استعمار نے یہ قوانین ختم کر دیے تاکہ مسیحی مشنریوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل سکے۔ان دنوں بھارتی پینل کوڈ کے سیکشن 295-A کے تحت نفرت آمیز تقاریر، کسی مذہب یا کسی شخص کے مذہبی اعتقاد کی توہین کی کوشش پر سزا دی جاتی ہے۔

انڈونیشیا:

کریمنل کوڈ کے آرٹیکل 156-A کے تحت دانستہ طور پر سرعام کسی مذہب کے خلاف جارحانہ،نفرت آمیز اور توہین پر مبنی جذبات کے اظہار یا مذہب کی توہین قابل سزا جرم ہے۔اور اس کی سزا زیادہ سے زیادہ 5 سال قید ہے۔

ایران:

ایران ایک اسلامی ملک ہے۔توہین رسالت کے خلاف قوانین، شریعت سے اخذ کرتا ہے۔ توہین رسالت کے خلاف قانون، اسلامی حکومت پر تنقید کے خلاف قانون، اسلام کی توہین کے خلاف قانون، اور خلاف اسلام مواد کی اشاعت کے خلاف

سخت قوانین موجود ہیں۔

آئر لینڈ:

آئر لینڈ میں توہین رسالت آئینی طور پر جرم ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ سزا 25000 پونڈ جرمانہ ہے۔ یہ قانون جولائی 2009 کو منظور ہوا اور یکم جنوری 2010 کو نافذ کیا گیا۔

اسرائیل:

اسرائیل میں پینل کوڈ کی شق 170 اور 173 توہین رسالت سے متعلقہ ہیں۔

یورپی یونین:

کونسل آف یورپ کی پارلیمانی اسمبلی نے 29 جون 2007 کو Strasboug میں توہین رسالت، مذاہب کی توہین، مذہب کی بنا پر کسی فرد یا گروہ کے خلاف نفرت انگیز گفتگو کے خلاف Recommendation 1805 (2007) پاس کی ہیں۔

مذہبی توہین انڈورہ، سائپرس، کروشیا، ڈنمارک، سپین، فن لینڈ، جرمنی، گریس، آئس لینڈ، اٹلی، لتھوینیا، ناروے، ہالینڈ، پولینڈ، پرتگال، روس، سلواکیہ، سویٹزرلینڈ، ترکی اور یوکرائن میں جرم ہے۔

فن لینڈ:

کریمنل کوڈ Chapter17 کی شق 10 توہین رسالت سے متعلق ہے۔ 1914ء، 1917ء، 1965ء، 1970ء اور 1998ء میں اس کے خاتمہ کی کوششیں ناکام رہیں۔

جرمنی:

جرمنی کے کریمنل لاء Stafgesetzbuch کی شق 166 توہین رسالت سے متعلق ہے۔ اس کے تحت اگر کسی کے عمل سے امن و امان کی صورتحال خراب ہوتی ہو تو قانون حرکت میں آسکتا ہے۔ 2006 میں Manfred van H.

(المعروف MAHAVO) کے خلاف اس قانون کے تحت کارروائی کی گئی۔

گریس:

پینل کوڈ کی شق198، 199، 201 توہین کو جرم قرار دیتی ہے۔شق 198کے مطابق.......

-1 اگر کوئی دانستہ طور پر سرعام کسی بھی طرح سے خدا کی توہین کرے تو اسے توہین پر سزا دی جائے گی جو دو برس سے زائد نہیں ہوگی۔

-2 اگر کوئی سرعام خدا کے احترام میں کمی کا مرتکب ہو تو اسے 3 ماہ سے زائد قید کی سزا نہیں دی جا سکتی۔

آرٹیکل 199، "Blasphemy Concerning Religions" کے مطابق اگر کوئی سرعام دانستہ طور کسی بھی طرح Greek Orthodox Church یا کسی بھی پرامن مذہب کی توہین کرے گا تو اسے سزا دی جائے گی جو دو سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

اردن:

اردن میں اسلام کی توہین، اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی توہین اور توہین رسالت جرم ہے جس کی سزا 3 سال تک قید اور جرمانہ ہے۔

کویت:

کویت ایک اسلامی ملک ہے۔ یہاں پر اسلام اور اسلامی شخصیات کی شان میں گستاخی کی روک تھام کے لیے آئین سازی کی گئی ہے۔۔

ملائشیا:

اس اسلامی ملک میں بھی مذہبی تعلیمات اور شخصیات کی گستاخی ایک جرم ہے۔اس کی روک تھام تعلیم کے ذریعے اور نشر و اشاعت کی پابندیوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ملک کے کئی حصوں میں اس جرم کی سزا شرعی عدالتوں کے ذریعہ دی جاتی ہے جبکہ کچھ حصوں میں ملائشیا کے پینل کوڈ کے مطابق بھی سزائیں دی جاتی ہیں۔

مالٹا:

مالٹا میں توہین رسالت کے خلاف قوانین کے بجائے مذہب کی توہین اور غیر اخلاقیت کے خلاف قوانین ہیں۔ مالٹا کے پینل کوڈ کا آرٹیکل 163 . 1933ء میں بنا تھا جو رومن کیتھولک مذہب کی توہین کی روک تھام کرتا ہے۔ یہاں پر رومن کیتھولک مذہب کی توہین کی سزا ایک ماہ سے لے کر چھ ماہ تک ہوسکتی ہے۔ آرٹیکل 164 کے مطابق ''کسی بھی مذہب کی توہین پر 3 ماہ تک قید کی سزا ہوسکتی ہے۔ آرٹیکل 338(b) نشے کی حالت میں توہین کو بھی سزا کا مستحق قرار دیتا ہے، اس کے مطابق سر عام کوئی بھی بدتمیزی غیر اخلاقی لفظ، یا بدتمیزی پر مبنی اشارہ یا عمل یا کوئی بھی ایسا طریقہ جس کا ذکر نہیں آسکا، جرم قرار پائے گا۔ آرٹیکل 342 کے مطابق توہین کی سزا 11.65 یورو جرمانہ سے کم اور تین ماہ قید کی سزا سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ 2008ء میں 621 افراد کے خلاف توہین رسالت پر فوجداری مقدمات قائم ہوئے۔

ہالینڈ:

ہالینڈ میں انبیائے کرام کی توہین کا قانون موجود ہے۔ ہالینڈ کے آئین کے آرٹیکل 147 کے تحت کے مرتکب افراد کو تین ماہ قید یا 3800 یورو جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے۔

نیوزی لینڈ:

نیوزی لینڈ کے کرائم ایکٹ 1961ء کے مطابق سیکشن 123 کے تحت توہین رسالت کے مرتکب افراد کو ایک سال قید تک سزا دی جاسکتی ہے۔ نیوزی لینڈ میں 1922ء میں اس قانون کے تحت جان لگودر نامی شخص کو جو ماؤز لینڈ اخبار کا پبلشر تھا، کو سزا دی جا چکی ہے۔

نائیجیریا:

نائیجیریا کے کریمنل کوڈ کے آرٹیکل 204 کے تحت توہین انبیا کے مرتکب افراد کو سزا دی جاتی ہے، جبکہ بعض ریاستوں میں شریعت کے مطابق مقدمات چلائے جاتے

ہیں ۔قانون کے موثر استعمال کا اختیار بھی متعلقہ عدالت کی ذمہ داری ہے۔

سعودی عرب:

سعودی عرب میں اسلامی قانون نافذ ہے۔ یہاں توہین رسالتﷺ کے مرتکب افراد کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔سزا کا فیصلہ ملکی مفتیان کی کونسل کرتی ہے۔

سوڈان:

سوڈان میں اسلام ریاستی مذہب ہے۔ یہاں کی 70 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔سوڈان کے کریمنل ایکٹ کے سیکشن 125 کے تحت مذہب کی توہین یہاں تک کہ کسی کی دل آزاری اور عقائد کے خلاف بات کرنا قابل دست اندازی جرم ہے۔ توہین کے مرتکب افراد کو قید اور جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ چالیس کوڑوں کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

نومبر 2007ء میں سوڈان میں توہین رسالت کا قانون ٹیڈی بیئر بلاسفمی کیس کے تحت قانون حرکت میں آیا۔ دسمبر 2007ء میں یہ سیکشن مصر کے دو کتب فروشوں کے خلاف حرکت میں آیا اور ان کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف مواد پر مبنی کتب فروخت کرنے پر 6 ماہ قید کی سزا دی گئی۔

متحدہ عرب امارات:

متحدہ عرب امارات میں توہین رسالتؐ کی حوصلہ شکنی کے لیے نشر و اشاعت کی مانیٹرنگ کی جاتی ہے۔مسلمانوں کے لیے شرعی سزا اور غیر مسلموں کے لیے عدلیہ کے اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں۔

برطانیہ:

برطانیہ میں توہین رسالت خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی توہین کے خلاف قانون موجود ہے۔ یہ قانون آخری بار 2007 میں اس وقت حرکت میں آیا، جب ایک بنیاد پرست عیسائی گروپ کریسچن وائس نے نجی طور پر BBC کے خلاف مقدمہ درج کروایا۔ یہ مقدمہ بی بی سی پر ایک پروگرام نشر کرنے پر چلایا گیا جس میں

عیسائی عقیدہ کے خلاف مواد شامل تھا۔ بی بی سی کے خلاف مقدمہ ویسٹ سنٹر کے **میجسٹریٹ** نے خارج کر دیا۔ کرسچئن وائس نے مجسٹریٹ کے فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل بھی کی۔ ہائی کورٹ نے بھی اپیل خارج کر دی۔ ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ توہین رسالت قانون کا اطلاق تھیٹر ایکٹ 1968 کے تحت نہیں ہوتا۔ توہین رسالت کے قانون کے تحت آخری سزا وائٹ ہاؤس بنام لیمن 1977 میں ہوئی۔ ڈینس لیمن ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ اس کے اخبار نے ایک متنازعہ نظم شائع کی تھی۔ اس نظم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ اس جرم میں لیمن کو 500 پونڈ جرمانہ 9 ماہ کی معطل سزا دی گئی۔

اسی طرح 9 دسمبر 1921ء کو برطانیہ میں جان ولیم گوٹ توہین کا مرتکب پایا گیا اور اس کو نو ماہ کی سزا دی گئی۔ اس نے عیسائی عقائد کے خلاف 2 پمفلٹ شائع کیے تھے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں توہین کی گئی تھی۔ یہ اس سے قبل بھی 3 بار اسی جرم میں ماخوذ پایا گیا۔ سکاٹ لینڈ میں توہین رسالت کے قانون کے تحت 1697ء میں سکاٹ لینڈ ہی کے ایک شخص تھامس ایکن ہیڈ کو پھانسی کی سزا دی جا چکی ہے۔

5 مارچ 2008ء کو Criminal Justice and Immigration Act 2008 میں ترمیم کی گئی اور انگلینڈ اور ویلز کامن لا میں توہین رسالت کو ختم کر دیا گیا۔ 8 مئی 2008ء کو اس پر شاہی دستخط کے بعد یہ ترمیم قانون کی شکل اختیار کر گئی۔

یمن:

باقی تمام ممالک کی طرح یمن میں بھی توہین رسالت کا قانون موجود ہے۔ اس قانون کے تحت توہین رسالت کے مرتکب افراد کو یمن میں نہ تو ہلاک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کو ملک بدر کیا جاتا ہے۔ جس شخص پر توہین رسالت کا الزام ہو اس کا فیصلہ شریعت کے تحت کیا جاتا ہے اور جرم ثابت ہونے پر مجرم کو موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔

امریکہ:

امریکہ میں پہلے تو توہین رسالت کی سزا موت تھی مگر اب یہ سزا ناپید ہو چکی

ہے۔ ماسا چیوسٹ، مشی گن ،اوکلوہاما ،ساؤتھ کیرولینا ،ویومنگ ،اور پینسویلینا میں توہین رسالت کی سزا کا حوالہ ملتا ہے۔ کچھ ریاستوں میں ابتدائی دور کا قانون بھی کتابوں میں موجود ہے ۔مثال کے طور پر ماسا چیوسٹ کے جنرل لاء کے 272 کی صورت میں آج بھی توہین رسالت کا قانون موجود ہے۔ سیکشن 36 کے تحت خدا کی ذات پر بہتان یا الزام لگانا اور گالی گلوچ کرنا، حضرت عیسیٰ ؑ پر الزام تراشی، ان کی کتاب کو بُرا بھلا کہنا قانونی جرم ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ سزا ایک سال ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ جرمانہ 300 ڈالر ہے۔ میری لینڈ ریاست میں 1930ء کے ترمیمی ایکٹ کے تحت ایسے کئی قانون کے اجرا کی ممانعمت ہے جو 1879ء کی کوڈیفیکشن میں جس کے مطابق توہین رسالت سے باز رکھا گیا ہے۔ ایکٹ 72 سیکشن 189 کے مطابق کوئی شخص تحریری یا زبانی ایسے الفاظ کا استعمال نہیں کرسکتا جس میں خدا یا حضرت عیسیٰ کی توہین کا عنصر نمایاں ہو۔توہین رسالت کے مرتکب شخص کو زیادہ سے زیادہ 100 ڈالر جرمانہ اور ایک سال قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔عدالت کوئی ایک یا دوسزائیں دینے کی مجاز ہوگی۔

12- پاکستان آئینی طور پر اسلامی ریاست ہے،جس کا تعین آئین پاکستان کے دیباچہ میں کر دیا گیا ہے اور 12 اپریل 1973ء کے آئین کے تحت ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ آئین میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری کائنات پر حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کے عطا کردہ اختیارات کو پاکستانی عوام اسلام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرسکتے ہیں اور پاکستانی عوام کا فیصلہ ہے کہ ان کی ریاست اپنی طاقت اور اختیارات جمہوری اصولوں کے مطابق عوام کی منتخب کردہ پارلیمنٹ کے ذریعہ سے استعمال کرے گی۔ آزادی، مساوات، برداشت اور سماجی انصاف جیسے اصول جن پر اسلام زور دیتا ہے، ان کا لازمی خیال رکھا جائے گا۔

13- پاکستان کا آئین یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جس میں مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن اور سنت کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھال سکیں۔اس کے ساتھ ساتھ آئین اقلیتوں، پسماندہ اور پسے ہوئے طبقات کے جائز مفادات

کے مکمل تحفظ کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔

14- یہ امر بھی اہم ہے کہ ہم پاکستانی اللہ کے ہاں جوابدہی کا احساس اور قیام پاکستان کے وقت دی گئی قربانیوں کا احترام کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اس اعلان پر کار بند ہیں کہ پاکستان ایک ایسا جمہوری ملک ہوگا جس کی بنیاد اسلام کے سنہری اصول اور سماجی انصاف کی بنیاد پر ہوگی۔ اور یہ بنیاد ہمیں ہمارا آئین فراہم کرتا ہے۔ تا کہ پاکستانی عوام ترقی کریں اور دنیا میں اپنا جائز اور باوقار مقام حاصل کرتے ہوئے دنیا کے امن اور ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

15- معاشرہ یہ مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتا جب تک متعلقہ قانون سازی نہ کی جائے اور ادارے قائم نہ کیے جائیں۔ پاکستان کا ریاستی مذہب اسلام ہے اور قرآن وسنت قانون سازی کے بنیادی اور بڑے مآخذ ہیں۔

16- اب بات کرتے ہیں سیکشن **295C** کی **Validity** کی ۔ یہ قانون ایکٹ نمبر **III** کے ذریعہ سے **1986** میں پاکستان پینل کوڈ (تعزیرات پاکستان) **1860** کا حصہ بنایا گیا۔ یہاں ضروری ہے کہ اس قانون کو دوبارہ دیکھا جائے جو پہلے ہی ایک فیصلہ کے تحت حتمی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

''**295-C**'' رسول پاک ﷺ کے بارے میں گستاخانہ کلمات کہنا

❑ ''اگر کوئی شخص زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا واضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی یا بذریعہ طعن آمیز اشارہ، کنایہ، براہ راست یا بالواسطہ طور پر حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کرتا ہے، سزائے موت کا مستوجب ہوگا یا اسے تاحیات سزائے موت قید دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی کیا جاسکے گا۔''

توہین رسالت کا یہ قانون پہلے ہی پارلیمنٹ کے اندر اور اس کے باہر پارلیمانی فورمز پر زیر بحث لایا جا چکا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آئینی عدالت، وفاقی شرعی عدالت اس قانون کے تمام پہلوؤں کا قرآن سنت کی روشنی بغور جائزہ لے چکی ہے۔ ''محمد اسماعیل قریشی بنام پاکستان بذریعہ سیکریٹری قانون و پارلیمانی افیئرز پاکستان''

[PLD1991 FSC page 10] کے عنوان سے ایک کیس میں وفاقی شرعی عدالت نے اس قانون کا قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیل سے جائزہ لیا اور قرار دیا کہ توہین رسالت کیس میں سزا، موت کے متبادل عمر قید کی سزا اسلامی قوانین کے خلاف ہے۔اس فیصلہ کے کچھ حصے پیش خدمت ہیں۔

33- سب وشتم اور،اذ ی کے الفاظ قرآن وسنت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی توہین کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔''سب'' کے معنی نقصان پہنچانے ،توہین کرنے ،ہتک عزت اور جذبات کو مجروح کرنے کے ہیں۔(Arabic English lexicon, E.W, Lane, Book-1, part-1 page 44) جب کہ''شتم'' کے معنی گالی گلوچ کرنا اور وقار مجروح کرنا ہے۔

(PLD1991 FSC page 26)

66- تمام ماہرین قانون اس بات پر متفق ہیں کہ یہ الفاظ تمام انبیائے کرام کے متعلق ہیں اور اگر کوئی شخص کسی بھی نبی کی ،کسی بھی انداز میں توہین کرتا ہے تو اس کی سزا موت ہوگی۔

67- اس تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ توہین رسالت کی جو سزا پاکستان پینل کوڈ 1860ء میں درج ہے، وہ سزا موت اور عمر قید ہے جو قرآن سنت سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ قرآن وسنت میں توہین رسالت کی سزا صرف موت ہے، عمر قید نہیں۔اس لیے عمر قید کا لفظ ختم کر دینا چاہیے۔(PLD1991 FSC page 10)

17- پاکستان میں موثر عدالتی نظام موجود ہے۔جس کے تحت ایسے تمام مقدمات جن میں سزا موت ہے اور وہ سیشن کورٹ میں Triable ہیں۔ ان میں Chapter XXIIA of Criminal procedure code 1898 اور قانون شہادت آرڈر 1984 منصفانہ سماعت کی ضمانت ہے۔اس قانونی ضمانت سے ہٹ کر بھی اٹھارویں ترمیم کے ذریعے آئین کے Part II میں ہر ملزم کے لیے Fair Trial بنیادی حق قرار دے دیا گیا ہے۔آئین کے مطابق اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ

کسی بھی شہری پر لگنے والے مجرمانہ الزام پر اسے Due process کے ساتھ fair trial کا حق ملے ۔اس نظام عدل میں ہر ملزم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانونی معاونت حاصل کرے اور اپنا دفاع کرے۔کوئی شخص یا ملزم خود قانونی دفاع یا اپنی پسند کے قانونی ماہر سے قانونی معاونت کے حق سے انکار بھی نہیں کرسکتا۔آئین کے دفعہ 10 کی شق 1 کے مطابق کسی بھی ملزم کی سزائے موت پر اس وقت تک عمل درآمد نہیں ہوسکتا جب تک ہائی کورٹ کا ڈویژنل بنچ اس کی توثیق نہ کردے۔

Criminal Procedure Code 1898 کے section 374 میں یہ امر وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔''374: جب سیشن کورٹ کسی شخص کو سزائے موت سنادے تو یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پیش کیا جائے گا۔اور اس وقت تک سزا پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا جب تک ہائی کورٹ سزائے موت کی توثیق نہ کردے۔''

-18 اگر کسی ملزم کو سیشن جج یا ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت سے سزا ہو جائے تو وہ Criminal Procedure Code 1898 کے سیکشن 410 کے تحت ہائی کورٹ میں اپیل کرسکتا ہے۔کسی ملزم کی اس سطح پر بریت کی صورت میں صوبائی حکومت پبلک پراسیکیوٹر کو Criminal Procedure Code 1898 کے سیکشن 417 کے تحت ہائی کورٹ میں اپیل کی ہدایت کرسکتی ہے۔ہائی کورٹ کے سوا کسی بھی عدالت سے بریت کا حکم جاری ہونے پر اس سے متاثرہ فریق سیکشن 417 کی ذیلی شق 2-A کے تحت ہائی کورٹ میں اپیل کرسکتا ہے۔

-19 مقدمہ جو ہائی کورٹ میں سیکشن 374 کے تحت آیا ہو۔ Criminal Procedure Code 1898 کے سیکشن 376 کے تحت ہائی کورٹ اس میں سزا کی توثیق کرسکتی ہے یا کوئی نئی سزا دے سکتی ہے۔یا اسی الزام میں یا کسی دوسرے الزام میں دوبارہ سماعت کا حکم دے سکتی ہے۔

یہاں اس امر کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ پروپیگنڈہ کے زیر اثر ایک غلط تصویر پیش کرتے ہیں کہ پاکستان کا procedural قانون انسانی حقوق

کے عالمی معیار کے مطابق نہیں یا پھر انہیں عالمی سطح پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ تاثر سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔اس حوالہ سے قریب ترین مثال بھارت کی پیش کی جاسکتی ہے۔ جہاں (Code of criminal of 1974 کے Chapter XXVIII میں بھی) سزائے موت کے حوالہ سے یہی طریقہ کار دیا گیا ہے۔

''366- سیشن کورٹ اگر کسی شخص کو سزائے موت سنادے تو یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پیش کیا جائے گا۔اور اس وقت تک سزا پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا جب تک ہائی کورٹ سزائے موت کی توثیق نہ کردے۔''

اس سے موازنہ کی خاطر اگر ہم پاکستان کے قانون کو دیکھیں تو Criminal Procedure Code 1898 کی دفعہ 374 بھی یہی کچھ کہتی ہے۔

''374۔سیشن کورٹ اگر کسی شخص کو سزائے موت سنادے تو یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پیش کیا جائے گا۔اور اس وقت تک سزا پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا جب تک ہائی کورٹ سزا موت کی توثیق نہ کردے۔''

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کے Criminal Procedure Code 1898 اور بھارت کے Criminal Procedure 1973(Act Code of 2 of 1974) میں لفظوں کا بھی فرق نہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کا قانون مقدمات کی سماعت کے عالمی معیار کے مطابق ہے۔ یہاں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ Code of Criminal Procedure آزادی کے بعد ہم نے نہیں بنایا بلکہ یہ پہلے سے انگریزوں کا بنایا ہوا ہے۔

-20 کسی بھی ملزم یا مجرم کے لیے Criminal Procedure Code 1898 کی شق A-411 کے تحت ہائی کورٹ میں اپیل کی گنجائش موجود ہے۔اسی طرح کسی بھی ملزم یا مجرم یا کسی بھی متأثرہ فریق کو آئین پاکستان کے آرٹیکل 185 کی ذیلی شق 2 کے پیرا گراف A کے تحت پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالت میں اپیل کا حق بھی حاصل ہے۔اس شق کے تحت سپریم کورٹ میں ایسے تمام مقدمات میں اپیل کی جاسکتی ہے جن میں ہائی

کورٹ فیصلہ دے چکی ہو۔

21- یہاں تک کہ سپریم کورٹ ،یا کسی بھی دوسری عدالت یا ٹربیونل کی طرف سے حتمی فیصلہ کے بعد بھی آئین کے آرٹیکل 45 کے تحت صدر پاکستان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی عدالت،ٹربیونل یا اتھارٹی کی طرف سے دی گئی کسی بھی سزا کو معاف کردے ،معطل کر دے ،ملتوی کردے ،تبدیل کردے،عملدرآمد روک دے یا اس میں کمی کردے ۔صدر کا یہ اختیار عدالتی عمل سے بھی توثیق پا چکا ہے۔(عبدالمالک بنام سٹیٹ(PLD 2006 SC 365)۔اس مقدمہ میں مجھے(بابر اعوان)بطور وکیل یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے عدالت کی معاونت کی تھی ۔چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے زیر قیادت اس بنچ میں مسٹر جسٹس رانا بھگوان داس، مسٹر جسٹس فقیر محمد کھوکھر، مسٹر جسٹس ایم جاوید بٹراور مسٹر جسٹس تصدق حسین جیلانی شامل تھے۔عدالت عظمٰی نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا تھا کہ صدر کا یہ اختیار آئین کے آرٹیکل کی روح کے خلاف نہیں ہے۔

22- اوپر دی گئی بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان پینل کوڈ 1860 کی شق 295-C کے تحت توہین رسالت پر موت کی سزا اسلام کے عین مطابق اور قرآن وسنت سے اخذ کردہ ہے۔ اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کی کوئی ضرورت نہیں۔ پیرا گراف (1)میں بیان کردہ تمام ریفرنسز منفی اورقانون کی غلط تشریح پر مبنی ہیں۔آئین کے آرٹیکل 9 کے مطابق کسی شخص کی زندگی اور آزادی کو دوسروں پر ترجیح حاصل نہیں اور آئین کی شق 25(1) کے تحت تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور یکساں طور پر قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔لہٰذا 295-C کے تحت مقدمات سیشن کورٹ میں ہی قابل سماعت ہیں،اس کے لیے کسی خصوصی عدالت کی بھی ضرورت نہیں۔

23- ایک اور معاملہ جس پر مختصر بات ضروری ہے، وہ ہے پاکستان میں مذہب کی آزادی۔ پاکستان کا آئین ہر کسی کے لیے آزادانہ طور پر کوئی بھی مذہب اختیار کرنے اور مذہبی ادارے بنانے کو اس کا بنیادی حق تسلیم کرتا ہے، جو ملکی قانون کے دائرہ کے اندر ہو۔آئین پاکستان کے آرٹیکل 20 کے پیرا گراف A کے مطابق ''اس امر کی ضمانت

دی جاتی ہے کہ ہر شہری مذہب اختیار کرنے ،اس پر عمل کرنے ،اور اس کی تشہیر کرنے میں آزاد ہوگا۔'' اور پیرا گراف B کے مطابق ''ہر مذہب کے ہر فرقہ کو اپنے مذہبی ادارے بنانے اور چلانے کا حق ہوگا۔'' اور یہ آزادی عالمی اصولوں اورقوانین کے عین مطابق ہے۔مگر بہر حال یہ سب قانون ،امن عامہ اور اخلاقیات کے مطابق ہوگا۔

-24 وزارت داخلہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ قانونی راستہ اختیار کرے۔ Executive کو کسی ایکشن کی ضرورت نہیں۔مسمات آسیہ مسیح کو Criminal Procedure Code 1898 کی شق 410 کے تحت پہلے ہی قانونی طور پر REMEDY حاصل ہے۔وہ ہائی کورٹ میں اپیل کر کے عدالت کے فیصلہ اور اپنی سزا کو چیلنج کر سکتی ہیں۔

-25 وزارت اقلیتی امور کی جانب سے وزیر اعظم کو توہین رسالت قانون میں فوری طور پر تبدیلی کی درخواست بھی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔لہٰذا اس پر کوئی ایکشن نہ لیا جائے۔

-26 وزارت خارجہ کو Briefing Material کی ضرورت ہے۔اس جائزہ کی ایک کاپی الگ سے وزارت خارجہ کو ارسال کر دی گئی ہے۔تجویز کیا جاتا ہے کہ وزیر اعظم تمام ڈویژنز اور متعلقہ حلقوں کو ہدایت جاری کریں کہ وہ آئینی اور قانونی معاملات میں وزارت قانون کی رائے لیے بغیر تبصرہ آرائی سے گریز کریں۔یہ 1973 کے حکومت پاکستان کے رولز آف بزنس کے تحت لازمی ہے۔

دستخط

ڈاکٹر ظہیر الدین بابر اعوان

وفاقی وزیر قانون ،انصاف و پارلیمانی امور

وزیر اعظم سیکریٹریٹ اسلام آباد

عنوان: پاکستان میں توہین رسالتؐ کے سلسلہ میں اٹھنے والے سوالات کا تفصیلی جائزہ

-27 وزیر اعظم پاکستان نے وزیر قانون و انصاف و پارلیمانی امور کی تجاویز (ناموس رسالتؐ قانون کے حق میں) کی بخوشی منظوری دیدی ہے۔تمام متعلقہ وزارتوں

کوضروری اقدامات کی ہدایت کی جاتی ہے۔منظور شدہ تجاویز کی کاپی الگ سے ارسال ہے۔

دستخط

خوشنود اختر لاشاری

پرنسپل سیکریٹری برائے وزیراعظم پاکستان

08-02-2011

ڈائری نمبر۔611/PSP/M/2011

برائے پرائم منسٹر آف اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے نقل ارسال کی گئی۔

1- سپیکر قومی اسمبلی پاکستان، اسلام آباد

2- وزیر خارجہ، اسلام آباد

3- وزیر داخلہ، اسلام آباد

....

دسمبر 2013ء میں الیاس مسیح مونم ایڈووکیٹ کی درخواست پر وفاقی شرعی عدالت نے اسی عدالت کے فیصلہ مورخہ 30 اکتوبر 1990ء (PLD1991 FSC10) پر عمل درآمد نہ کرنے کے باعث توہین عدالت کی کارروائی کا آغاز کیا۔ عدالت نے قرار دیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ، حتمی صورت اختیار کر چکا ہے۔اس لیے، سزا، یعنی، عمر قید جس کا تعلق زیر دفعہ 295-C جرم کے ارتکاب سے ہے، وہ 30-04-1991 سے غیر موثر ہو چکی ہے۔ نتیجے کے طور پر، سیکرٹری، وزارت قانون، انصاف و انسانی حقوق، حکومت پاکستان، اسلام آباد کو عدالت کے فیصلے مورخہ 30-10-1990 پر اس کی روح کے مطابق عمل درآمد کرنے کے لیے مناسب اورضروری اقدامات کرنے کی ہدایت کی گئی۔عدالت نے مزید قرار دیا کہ سزا، زیر دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان، کوتعزیرات پاکستان کے علاوہ قانون کی متعلقہ کتب میں

سے بھی حذف کیا جائے۔ ذیل میں وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ بھی دیا جارہا ہے۔

فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان

(فیصلہ قانونِ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(ابتدائی معلومات)

- جناب جسٹس علامہ ڈاکٹر فدا محمد خان۔
- جناب جسٹس رضوان علی دودانی
- جناب جسٹس، محمد جہانگیر ارشد
- جناب جسٹس شیخ احمد فاروق
- جناب جسٹس شہزادہ شیخ

شریعت کیس نمبر : **08/01/2007**

متفرق درخواست نمبر : **09/01/2010**

الیاس مسیح مومن ایڈووکیٹ اور دیگر .... پٹیشنر

بنام

حکومت پاکستان اور دیگر مدعا علیہان

وکیل اپیل کنندہ: حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

تاریخ فیصلہ: 4 دسمبر 2013ء

فیصلہ

جناب جسٹس شیخ احمد فاروق

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ **(3)203-E** اور دفعہ **204** مع توہین عدالت ایکٹ کی دفعہ **3** کے تحت گزاری گئی متفرق درخواست ہذا کے ذریعے، مدعی نے سیکرٹری وزارت قانون، انصاف اور انسانی حقوق، حکومت پاکستان، اسلام آباد سمیت مدعا الیہان کے خلاف دفعہ **295-C** تعزیرات پاکستان کے تحت وفاقی شرعی

عدالت کے فیصلے مورخہ 30-10-1990 پر عمل درآمد نہ کرنے کے باعث توہین عدالت کی کارروائی کا آغاز کرنے کی درخواست کی ہے۔ مدعی نے یہ درخواست بھی کی ہے کہ چیئرمین پیمرا (PEMRA) کو ہدایت کی جائے کہ یہ امر یقینی بنایا جائے کہ مورخہ 30-10-1990 کے اس فیصلے کے خلاف (الیکٹرانک میڈیا پر) ٹاک شوز میں کسی بھی قسم کے توہین آمیز کلمات نہ کہے جائیں، جو حتمی ہے۔

مندرجہ بالا درخواست کے جواب میں فیڈریشن کی طرف سے مورخہ 04-10-2013 کو وفاقی سیکرٹری قانون، انصاف اور انسانی حقوق کے ذریعے ایک رپورٹ پیش کی گئی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''یہ کہ اگست 1991ء میں سینٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا جس میں تعزیرات پاکستان 1860ء کی دفعہ 295-C میں درج عمر قید کی سزا حذف کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ سینٹ نے یہ قانون منظور کرلیا اور اسے قومی اسمبلی کو بھیج دیا گیا لیکن قومی اسمبلی نے آئین کی دفعہ 70 کی شق (2) کے تحت اس قانون کو 90 دنوں کے اندر منظور نہیں کیا۔ تاہم، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 203-D کی شق (3) کے پیرا (b) کے تحت، فیصلہ کا نفاذ، زیر دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان میں سے عمر قید کی سزا حذف کرنے کی حد تک ہونا تھا کیونکہ اس سزا پر عمل درآمد اس تاریخ سے روک دیا جانا تھا جب عدالت کا فیصلہ نافذ ہوا تھا، یعنی 30 اپریل 1991ء۔

یہ کہ جہاں تک مذکورہ بالا فیصلہ کے پیرا 68 کا تعلق ہے، جو دفعہ 295-C، تعزیرات پاکستان میں ترمیم کے حوالے سے ایک جرم کے طور پر دیگر پیغمبروں کی بے حرمتی کی حد تک ہے، اس وقت کی کابینہ نے فیصلہ کیا کہ صرف عمر قید کی سزا حذف کرنے کی حد تک ترمیم کی جاسکتی ہے اور یوں اسے پارلیمان میں پیش نہیں کیا گیا۔ اس امر کی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ موجودہ دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان میں، حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے اسمِ گرامی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا اور اسی طرح دیگر انبیا کے اسماء کا بھی خاص طور پر اس دفعہ میں ذکر ہونا چاہیے تھا جس پر ممکن ہے کہ مختلف مکاتب فکر متفق

نہ ہوں، اس لیے مزید پیچیدگیوں سے بچنے کی خاطر اسے نافذ نہیں کیا جا سکا۔''

مدعی کے فاضل وکیل نے کہا کہ 20 برس کا عرصہ گزر جانے کے باوجود مدعا الیہان نے دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان میں سے عمر قید کے الفاظ حذف نہیں کیے۔ اس نے مزید کہا کہ مدعا الیہان نے ابھی تک دفعہ 295-C میں ترمیم کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے تاکہ اس شخص کے لیے سزائے موت مقرر کی جائے جو دیگر انبیا کے خلاف گستاخانہ اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کرتا ہے۔ مدعی نے مزید یہ موقف اختیار کیا کہ قانونی کتابوں کے پبلشرز، عدالت کی طرف سے مورخہ 30-10-1990 کو کیے گئے فیصلے کے مطابق عمر قید کے الفاظ کو حذف کیے بغیر ابھی تک دفعہ 295-C کی پرانی تشریح ہی شائع کر رہے ہیں۔ تاہم، فاضل وکیل نے اپنے دلائل کے اختتام پر، وقتی طور پر توہین عدالت کی اس درخواست پر زور نہ دینے کا فیصلہ کیا بشرطیکہ وزرات قانون، انصاف اور انسانی حقوق کی طرف سے عدالت کے فیصلہ مورخہ 30-10-1990 پر عمل درآمد کے لیے مناسب کارروائی کی جائے۔

ہم نے درخواست گزار/مدعی کے فاضل وکیل کی طرف سے پیش کیے گئے دلائل سماعت کیے اور ریکارڈ ملاحظہ کیا۔

ریکارڈ کے جائزے اور ملاحظہ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ججوں پر مشتمل عدالت کے ایک لارجر بینچ نے دفعہ 295-C تعزیرت پاکستان کا جائزہ لیا اور مندرجہ ذیل فیصلہ کیا:

''یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ میں کوئی امتیاز یا حیثیت کا فرق نہیں رکھا حالانکہ اس نے ان میں سے بعض پر دوسروں کی نسبت زیادہ نعمتیں نازل فرمائیں۔ یہاں ہم حوالہ کے لیے قرآن پاک سے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

55:17= ''ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے اور ہم ہی نے داؤد کو زبور دی تھی۔''

253:2= ''یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا

تھا جس سے خدا خود ہمکلام ہوا' کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیئے اور آخر میں عیسیٰؑ سے اس کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے' وہ آپس میں لڑتے مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے' اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا' پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی' ہاں' اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے' مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

136:2= ''مسلمانو! کہو کہ' ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ' اسحاقؑ ' یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ ' عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے ماننے والے ہیں۔''

84:3= ''کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے' ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ ' یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان مسلمان ہیں۔''

اور آیات **285:2**' **150:4** اور **152:4**۔

عملاً تمام فقہاء اور علما نے اتفاق کیا کہ مندرجہ بالا آیات کے پیش نظر اور تمام پیغمبروں کے ہم مرتبہ ہونے کے سبب سے وہی سزائے موت جو اوپر قرار دی گئی ہے' اس معاملہ میں بھی لاگو ہوگی' جہاں کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلق بھی کوئی توہین آمیز بات کہتا یا کسی طرح کی گستاخی کرتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ہماری رائے ہے کہ عمر قید کی متبادل سزا' جیسا کہ دفعہ **295** سی پاکستان ضابطہ تعزیرات میں مقرر ہے' احکاماتِ اسلام سے متصادم ہے جو قرآن پاک اور سنت میں دیئے گئے ہیں' لہذا یہ الفاظ اس میں سے

حذف کر دیئے جائیں۔

ایک شق کا مزید اضافہ اس دفعہ میں کیا جائے' تا کہ وہی اعمال اور چیزیں جب دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہی جائیں وہ بھی اسی سزا کے مستوجب جرم بن جائے جو اوپر تجویز کی گئی ہے۔

اس حکم کی ایک نقل صدر پاکستان کو دستور کے آرٹیکل 203 (3) کے تحت ارسال کی جائے' تا کہ قانون میں ترمیم کے اقدامات کیے جائیں اور اسے احکاماتِ اسلامی کے مطابق بنایا جائے۔ اگر 30 / اپریل 1991ء تک ایسا نہیں کیا جائے تو ''یا عمر قید'' کے الفاظ دفعہ 295 سی تعزیرات پاکستان میں اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔''

متذکرہ فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ پاکستان کے شریعت اپیلیٹ بینچ کے روبرو ایک درخواست دائر کی گئی۔ تاہم مورخہ 19-05-1991 کو درخواست ہذا واپس لے لی گئی اور شریعت اپیلیٹ بینچ نے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کیا:

''فاضل ایڈووکیٹ آن ریکارڈ، درخواست ہذا واپس لینا چاہتا ہے۔ اسے ہر قسم کے استثنیٰ کے مطابق ایسا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

اس قانونی مسئلہ کے متعلق کوئی اعتراض اور حجت نہیں ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 203-D کی شق (b)3 کے مطابق، کوئی قانون یا شق جس کی حد تک یہ سمجھا جائے کہ یہ اسلام کے حکم کے متصادم ہے، یہ قانون یا شق، اسی دن سے غیر موثر ہو جائے گی جس دن سے عدالت کا فیصلہ موثر ہوتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ بمطابق مورخہ 30-10-1990، زیر دفعہ جرم 295-C تعزیرات پاکستان، کو قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے حکم کے متصادم قرار دیا اور حکم دیا کہ اسے 30 اپریل 1991ء تک حذف کر دیا جائے۔ جو اپیل، فیڈرل شریعت کورٹ کے مندرجہ بالا فیصلہ کے خلاف دائر کی گئی، اسے بھی مورخہ 19-05-1991 کو سپریم کورٹ کی فیڈرل شریعت کورٹ نے مسترد کر دیا۔ مندرجہ بالا قانونی حیثیت کو فیڈریشن نے سیکرٹری، وزارت قانون، انصاف اور انسانی حقوق کے ذریعے مورخہ 04-10-2013 کو پیش کی گئی ایک رپورٹ کے ذریعے واضح

طور پر تسلیم کرلیا جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ،اس حد تک قابلِ نفاذ ہے کہ زیرِ دفعہ 295-C، عمر قید کی سزا اس تاریخ سے حذف کی جائے جس دن 30-04-1991 سے فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ موثر ہوا ہے۔ تاہم، فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ حتمی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس لیے، سزا، یعنی، عمر قید جس کا تعلق زیرِ دفعہ 295-C جرم کے ارتکاب سے ہے، وہ 30-04-1991 سے غیر موثر ہو چکی ہے۔ نتیجے کے طور پر، سیکرٹری، وزارت قانون، انصاف وانسانی حقوق، حکومت پاکستان، اسلام آباد کو عدالت کے فیصلے مورخہ 30-10-1990 پر اس کی روح کے مطابق عمل درآمد کرنے کے لیے مناسب اور ضروری اقدامات کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسے یہ امر یقینی بنانا ہوگا کہ سزا، زیرِ دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان، کو تعزیرات پاکستان کے علاوہ قانون کی متعلقہ کتب میں سے بھی حذف کیا جائے اور رجسٹرار ہائی کورٹس کو ہدایت کی جائے کہ اسے پاکستان کے تمام جوڈیشل افسروں کو بھجوا دیا جائے۔ اس ضمن میں ایک رپورٹ، سیکرٹری، وزارت قانون، انصاف اور انسانی حقوق، حکومت پاکستان، اسلام کی طرف سے دو ماہ کے اندر پیش کی جائے گی۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ متفرق درخواست نمٹا دی گئی ہے۔

دستخط	تاریخ فیصلہ
جناب جسٹس علامہ ڈاکٹر فدا محمد خان	4 دسمبر 2013ء
جناب جسٹس رضوان علی دودانی	
جناب جسٹس، محمد جہانگیر ارشد	
جناب جسٹس شیخ احمد فاروق	
جناب جسٹس شہزادہ شیخ	

(PLD 2014 FSC 18)

چند اہم مضامین

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ

عصمت نبوت

منزل کا تعین سفر کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ وسائل سفر کتنے ہی عمدہ ہوں اور مسافر کی نیت کتنی ہی نیک ہو، اگر منزل واضح نہیں تو ہر چیز بیکار ہے کیونکہ وسائل منزل کے حصول کے لیے ہی ہیں اور اگر یہی علم نہ ہو کہ کہاں پہنچنا ہے تو چلنا بیکار ہے بلکہ بسا اوقات مضر پڑتا ہے۔ اگر منزل کا تصور واضح نہ ہو تو امکان ہے کہ مسافر کسی غلط سمت کو ہی چل دے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جتنا وہ چلے گا، اتنا ہی منزل سے دور ہوتا جائے گا۔ پس ایسی حالت میں نہ چلنا چلنے سے بہتر ہوگا۔ تصور منزل کی غلطی کی صورت میں، نہ چلنے سے منزل کا قرب نہیں حاصل ہوسکتا، لیکن اگر چلا جائے تو قرب کے بجائے، الٹا بعد بڑھتا چلا جائے گا۔ پس لازم ہے کہ آغاز سفر سے پہلے، منزل کا قطعی تصور، مسافر کے سامنے موجود ہو۔

اپنے نکتہ نگاہ کو سمجھانے کے لیے ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ ایک ایسے آدمی کا تصور کیجیے جو ایک حکومت میں ایک شریف شہری کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے۔ وہ ملکی قانون کا پابند ہے۔ کسی دوسرے شہری کے حقوق میں دخل انداز نہیں ہوتا۔ کسی دوسرے آدمی کو اس کے طرز عمل سے کوئی بھی شکایت نہیں۔ وہ حکومت کو بطور ایک شہری کے، تمام ٹیکس رضا کارانہ طور پر بروقت ادا کرتا رہتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اپنی کوششوں سے اپنے ملک اور معاشرہ کی تعمیری خدمت بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی ایک شریف انسان ہے اور اس کی زندگی پر کوئی تنقید نہ ہونی چاہیے بلکہ اس کو تمام حقوق شہریت مکمل طور پر حاصل ہونے چاہیں۔ لیکن اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ عملی

طور پر تو وہ ایک اچھا اور معیاری شہری ہے۔لیکن جس ملک یا معاشرہ میں وہ رہتا ہے، اس کی ہیئت کو وہ تسلیم نہیں کرتا یا اس کے اختیارات اور مفادات کی غلط توجیح کرتا ہے تو لازماً اس کی تمام عملی صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود، اس کے حقوق شہریت سلب ہو جائیں گے یا محدود کر دیئے جائیں گے کیونکہ اعمال اسی وقت تک عمدہ قرار دیئے جا سکتے ہیں جب تک کہ وہ اس مخصوص نظریہ کے ماتحت وقوع پذیر ہوں، جو اس معاشرہ کا خصوصی نظریہ ہے۔جس طرح کسی مسافر کی سفر کی کامیابی اور افادیت، تصور منزل کی صحت پر مبنی ہوتی ہے، اس طرح کسی شہری کے اعمال کی اچھائی اور افادیت بھی ایک مخصوص نظریہ حیات کی خدمت پر ہی مبنی ہوتی ہے۔تصور منزل غلط ہوتو سفر بیکار ہوگا اور اگر نظریہ ہی غلط ہوتو اعمال بھی قطعاً بے کار ہوں گے۔

انہی دو مثالوں سے ایمان اور عمل کے باہمی ربط کو سمجھ لیجیے۔ ایمان ہی وہ منزل ہے جس کے حصول، قرب یا یافت کی خواہش کے پیش نظر اعمال کو پرکھا جائے گا۔ اگر ایمان نہ ہو، یا غلط ہوتو پھر تمام اعمال بیکار ہوکر رہ جائیں گے۔یہی وہ نظریہ ہے جس کا فقدان، یا جس میں غلطی، ہر عمل کو عمل صالح کی فہرست سے نکال دے گی اور ان کو حرف غلط کی طرح بیکار قرار دے دے گی۔ وہ کون سا ظاہری عمل اور وقتی قربانی تھی جو منافقین کی فہرست اعمال میں موجود نہ تھی۔ وہ کونسا بظاہر اچھا قول وفعل تھا جو مخلص مومن کرتے تھے لیکن منافقین نہ کرتے تھے؟ منافقین کی وضع قطع اور میل ملاپ، سبھی کچھ مومنوں سے ملتا جلتا تھا، صحبت رسالت ﷺ بھی مومنوں کی طرح ہی منافقوں کو بھی میسر تھی، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ منافقین کے تمام اعمال اور ظاہری حسنات اکارت ہی گئے۔ ان کی ہر نیکی، بدی قرار دی گئی اور ان کے ہر بظاہر اچھے عمل کو مردود قرار دیا گیا۔صرف اسی لیے کہ یہ وہ مسافر تھے جن کا تصور منزل غلط تھا۔ یہ وہ شہری تھے جو نظریہ حیات کو چھوڑ کر بظاہر مصروف عمل تھے۔لیکن مذہبی اصطلاح میں یوں کہئے کہ یہ ''بے ایمان عامل'' تھے۔ پس ہر عمل تب ہی صالح بن سکتا ہے جبکہ ایمان صحیح ہو، ورنہ مذہبی زندگی کا تمام تانا بانا خرافات سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔حکم قرآنی **ان الذین**

امنوا و عملوا الصّلحت (الکھف:107) میں ایمان کا تقدم اور عمل کا تاخر اسی حقیقت کا غماز ہے۔

ایک مخصوص نظریہ حیات اور ضابطہ فکر وعمل کو، بلا چون و چرا، بہ صمیم قلب مان لینے کا نام ایمان ہے۔ اب ماننا تو کسی دلیل کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مذہب کے ماورا الطبیعاتی حقائق عقل کی زد سے ماورا ہوتے ہیں۔ کسی منطقی استدلال یا فلسفیانہ تجزیہ سے یہ حقائق سمجھے نہیں جا سکتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان حقائق کو صرف کسی عقلی یافت کے طور پر مانا نہیں جاتا بلکہ ان پر بڑی شدت کے ساتھ یقین ہوتا ہے اور یقین کی یہ شدت روزمرہ کے عام عقلی نتائج کے متعلق نہیں ہوتی اور یہی شدت یقین، علم اور ایمان کے درمیان مابہ الامتیاز ہوتی ہے۔

اس کی ایک عام دلیل یہ ہے کہ کسی بھی مذہبی عقیدہ پر عقلی تنقید کر کے دیکھ لی جائے۔ ایک عام آدمی آپ کی تنقید کا کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا۔ لیکن شدت یقین کی بنا پر وہ آپ کی تنقید کو ٹھنڈے دل سے گوارا بھی نہ کرے گا بلکہ وہ اسے اپنے عقائد کے تقدس کے منافی سمجھے گا کہ کوئی آدمی ان پر عقلی تنقید کرنے کی جرأت کرے۔ لہٰذا جذبات میں ہیجان پیدا ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ معاملہ کشت وخون تک جا پہنچے۔ اس سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ عقائد اور مذہبی حقائق کو ماورائے طور عقلی ہی سمجھا جاتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک بھی کہہ سکتا ہوں کہ جو عقیدہ عقلی تنقید کی زد میں آجائے، وہ بطور عقیدہ کے اپنے تقدس کو کھو دیتا ہے تو جب عقائد عقل سے حاصل نہیں ہوتے تو پھر ان کے حصول کا کون سا ذریعہ ہے؟ جو عقل سے بلند تر ہے اور عقل کی لغزشوں اور غلطیوں سے بھی پاک ہے کہ عقل کے نتائج پر شک کیا جا سکتا ہے لیکن اس وسیلہ علم پر شک کا گمان بھی نہیں ہوسکتا اور اگر اس پر بھی شک وشبہ کا امکان ہو اور اس کے پیش کردہ حقائق پر بھی منطقی جرح ونقد کی جاسکتی ہو تو پھر مذہب کا سارا تانا بانا ادھڑ کر رہ جاتا ہے اور یقین کی شدت جو ایمان کے نام سے موسوم ہوتی ہے، کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

پس وہ قطعی دلیل اور بے خط و وسیلہ معرفت علم نبوت ہے، کہ جو ہر قسم کی عقلی

تنقید سے ماورا اور ہر قسم کی لغزش سے منزہ ہوتا ہے۔ وہ غیبی حقائق جو حواس خمسہ اور عقلی استدلال سے جانے نہیں جا سکتے، وہ علم نبوت کے وسیلہ سے جانے جاتے ہیں۔ ذات خدا، عالم آخرت، ملائکہ، جزا و سزا، جنت و جہنم، حشر و نشر، حیات بعد الممات، یہ سب اور ان کے متعلقہ دیگر تمام حقائق صرف ارشاد نبوت کی بنا پر ہی بلا دلیل و برہان، از روئے جان مانے جاتے ہیں اور یہی وہ حقائق ہیں جن کے تسلیم کرنے پر نظام مذہب کی بنیاد ہے۔ یہ اعتقادات اور تیقنات اصول دین ہیں اور ان پر یقین حاصل ہونے کا ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ علم نبوت ہے۔ نبی چونکہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اور وہ علم بھی اُس ذات ہی سے لیتا ہے۔ اس لیے اس کا علم حضوری ہوتا ہے، نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے۔ آیات قرآنیہ **و علمک ما لم تکن تعلم** اور **علم ادم الاسماء کلھا** میں علم نبوت کی شان بیان کی گئی ہے، نبی، اللہ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے، ملائکہ، جنات اور عالم غیب کو دیکھتا ہے۔ نباتات و جمادات سے ہم کلام ہوتا ہے۔ دلوں کے حالات پر مطلع ہوتا ہے۔ اس کا علم کامل اور عقل مکمل ہوتی ہے۔ جہاں فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے، وہاں سے علم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس ساری بحث سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ غیر شعوری طور پر بھی علم نبوت کے بے خطا ہونے پر ایک مومن کا یقین ہوتا ہے ورنہ وہ کبھی بھی ان ورائے طور عقلی حقائق کو اس شدت سے نہ مانے، جس طرح کہ وہ مانتا ہے اور جب تک نبی کی عصمت علمی پر اس کو کامل یقین نہ ہو، وہ کبھی بھی بلا چون و چرا ان دیکھے اور ان سمجھے امور پر ایمان نہیں لا سکتا ہے۔ نبی کا ذریعہ علم وحی ہوتی ہے جو قطعاً بے خطا وسیلہ علم ہے۔ یہی وہ آخری اور قطعی بے خطا اور بے ریب ذریعہ علم ہے، جو ہر قسم کے اسقام و اغلاط سے قطعاً منزہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسی پر مذہب کی نہاد اور نجات کی بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن خود وحی پر ایمان اور وحی کے وجود کا اعتراف بھی تو نبی ہی کے ارشاد اور اعتماد کی بنا پر ہوتا ہے۔ پس ایمان و عمل کی تمام تر سچائیوں کا دار و مدار، نبی کی ذات کے اعتماد پر مبنی ہوتا ہے اور نبی کی ذات پر اعتماد کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اسے معصوم مطلق

مانا جائے۔اس کے قول وفعل اور علم وعمل کی سچائی اور درستی پر کامل یقین ہو اور نبی پر اس نوع کے کامل یقین کو ایمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نبی کی عصمت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی گناہ پر قادر ہونے کے باوجود گناہ سے اجتناب کا ملکہ اور مہارت رکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ فطرت سلیم کی بنا پر گناہ کی رغبت اور اس کے تصور سے بھی منزہ ہوتا ہے۔اس کا علم قطعاً صحیح، اس کے پیش کردہ حقائق قطعاً درست اور اس کا ہر فیصلہ سراپا حق ہوتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس میں کسی بھی غلطی کا گمان نہیں ہوتا۔نظام کائنات کے اصول وقوانین چاہے بدل جائیں لیکن علم نبوت کی صحت میں فرق نہیں آسکتا۔اس کا ذات حق سے ہر وقت ایسا قوی اور قریبی رابطہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت بلا استثنا موید بہ قدرت ہوتا ہے۔اس کے تمام اعمال بھی اس کے علم ہی کی طرح بے خطا اور درست ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی مرضی کا ترجمان اور اس کی رضا کا مظہر ہوتا ہے۔ نبی، قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل پر مامور ہوتا ہے۔ اگر نبوت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر لیا جائے تو نبی کے لائے ہوئے دین کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی دین کا کوئی مفہوم قابل تسلیم رہ جاتا ہے۔اس کی فطرت ہی حق و باطل کا معیار ہوتی ہے۔**و انزلنا معھم الکتاب و المیزان** (الحدید:25) یہ میزان نبی کی وہ فطرت صالح ہوتی ہے، جو خیر وشر کی معیار ہوتی ہے۔حق اور مزاج نبوت مترادف ہوتے ہیں۔حق وصداقت جب مجسم بن کر سامنے آتے ہیں تو پیکر نبوت بن جاتے ہیں۔**من رانی فقد راء الحق** کا اعلان اس کا واضح ثبوت ہے۔نبوت کی عقل میں حواس کا التباس شامل نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میں بندے کے ہاتھ بنتا ہوں جن سے پکڑتا ہے، میں بندے کے پاؤں بنتا ہوں جن سے چلتا ہے۔ میں بندے کی آنکھیں بنتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اور میں بندے کے کان بنتا ہوں جن سے سنتا ہے۔ پس جس کے حواس اور اعضا و جوارح اس حد تک مظہر قوت ربانیہ اور محو رضائے الٰہیہ ہوں کہ ان کی فضیلت کو خدا اپنی فضیلت اور ان کی قوت کو اپنی قوت اور ان کی حرکت کو اپنی حرکت قرار دے، تو پھر بھلا وہاں کسی غلطی یا لغزش کا

امکان کیسے ہوسکتا ہے؟ محفوظیت کا یہ مقام نبی کے غلاموں کو بھی نبی کے فیض صحبت اور توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو پھر بھلا جس کے شاگردوں اور خوشہ چینوں کو محفوظیت کا یہ مقام عالی نصیب ہو جاتا ہے، اس کی اپنی عصمت اور رفعت کا کیا حال ہو گا؟ نبی صرف خود ہی معصوم نہیں بلکہ وہ اپنے فیض سے دیگر ناقصوں کو بھی ایسا کامل بنا دیتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام پر جا کر، کلی حفاظت کے مقام خاص کو پا لیتے ہیں۔

صحبت نبوت کی رفعت اور فیض معیت کی تاثیر دیکھئے کہ نبوت کی صحبت و معیت نے اہل بیت نبوت کو تطہیر کامل کے مقام ارفع پر پہنچا دیا۔

- ❑ **انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا.**

(الاحزاب:33)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو، اے نبی کے گھر والوں اور تم کو پوری طرح صاف کر دے۔

خدا کا ارادہ ہی کسی فعل کا اتمام ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ تطہیر کامل کا مقام اہل بیت نبوت کو مل گیا۔ یہ طہارت کا مقام عطیہ قدرت ہے اور اس کا اعلان قرآن کریم کر رہا ہے۔ اس اعلان عام کے بعد اہل بیت نبوت کے اعمال کو منطقی پیمانوں میں ماپنا اور عقلی توجیہات کی غلط کاریوں سے ان کو آلودہ کرنا، یقیناً خدائی اعلان سے بغاوت ہے، جس اعلان کے بعد، اہل بیت نبوت کی پاکیزگی کو ماننا ہر سچے مسلمان کا فرض ہے اور ماننے سے یہ مراد ہے کہ بطیب خاطر دل کی گہرائیوں سے مان لیا جائے کہ اس مقدس گروہ کے اقوال و اعمال عین مبنی برحق وصواب ہیں۔ ان کی فطرت صالحہ سے خطا کا وقوع محال ہے۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو **یطھرکم تطھیرا** کا مفہوم ہی ضائع ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس اعتراف حق کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے جس کے متعلقین کو ان کے فیض سے، یہ مقام تطہیر حاصل ہو جاتا ہے وہ خود کس قدر منبع عصمت وطہارت ہو گا۔

مخلوقات کی تکمیل معنوی کے لیے لازم ہے کہ ایک مخلوق ایسی ضرور موجود ہو

جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اور جو ہر لحاظ سے مکمل ہو، وہ وہی ہو گی جو ہر عیب و خطا سے پاک ہو۔ اور اگر تمام مخلوقات میں ایک بھی وجود ایسا موجود نہ ہو جو ہر قسم کی غلطی، ناکامی اور خطا سے پاک ہو تو پھر تمام مخلوقات ناقص ہی رہے گی کیونکہ ناقصوں کا مجموعہ بھی ناقص ہوتا ہے۔ اور اگر یہ صورت حال موجود ہو تو خود خالق کی تخلیق پر نقص اور ناکامی کا الزام عائد ہوتا ہے جو اس کی شان پاک کے زیبا نہیں، **تبارک الله احسن الخالقین**

اس صورت میں ناقص خالقوں کی ناقص مخلوق اور کامل خالق کی کامل مخلوق میں کوئی وجہ امتیاز باقی نہیں رہتی۔ پس لازم تھا کہ خالق کل ایک نہ ایک مخلوق ایسی بناتا جو ہر لحاظ سے مقام کمال پر فائز ہوتی اور یوں وہ اپنے خالق کے کمال کی دلیل بنے۔ پس وہ برہان قطعی اور وہ مخلوق کامل، ذات ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام ہی ہے۔ **"قد جاء کم برهان من ربکم"** اور **من رانی فقد را الحق** اس کی دلیل ہیں اور اسی مخلوق کامل کے مقام کمال ہی کی عصمت کلی کا مقام کہا جاتا ہے۔ **وهو المطلوب**

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کا منصب، مزکی کا ہے۔ حضور علیہ السلام اپنی توجہ، تربیت اور تصرف سے اپنے نیاز مندوں کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

- **ویزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة** (الجمعہ:2)

ترجمہ: "اور پاک کرتا ہے (نبی) ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت"

دوسرے کو پاک وہی کر سکتا ہے جو خود پہلے پاک ہو اور اس حد تک پاک ہو کہ وہ اپنے لمس، توجہ اور فیض سے اپنی طہارت کا اثر دوسرے تک بھی پہنچا سکے۔ اس کی اپنی طہارت اتنی قوی ہو کہ وہ اپنے صحبت یافتوں کو بھی متاثر کر کے اپنے رنگ میں رنگ دے۔ چنانچہ اہل بیت اطہارؑ اور صحابہ کبارؓ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اب دیکھئے پانی سے دوسری ناپاک اشیا کو دھو کر پاک کیا جاتا ہے۔ پانی کے استعمال کی پہلی شرط یہ ہے کہ پانی خود پاک ہو۔ اور اگر پانی خود ہی پاک نہ ہو تو پھر دوسری شے قطعاً پاک نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ کی طہارت کے لیے وسیلہ کی طہارت شرط لازم ہے۔ پس اگر حضور نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض سے دوسروں کا تزکیہ ہوتا ہے اور آپ مزکی ہیں تو لازم ہے کہ آپ خود سراپا طہارت وعصمت ہوں۔ یہ ایک ایسا نتیجہ ہے کہ جس پر بہرحال ایمان لانا پڑتا ہے۔ ورنہ ''**یزکیھم**'' کا مفہوم ہی بے مقصد ہوکر رہ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کو مزکی ماننے کے لیے اسے معصوم ماننا لازم ہے، کیونکہ وہ معصوم ہوگا تو مزکی بن سکے گا اور اگر اس کے مزکی ہونے سے انکار کیا جائے گا تو قرآن حکیم کی قطعی آیت کا انکار ہوگا جو کفر ہے۔ پس حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معصومیت پر دل سے ایمان لانا لازم ہے اور حقیقی شرط ایمان ہے۔

واضح رہے کہ قرآن نے جن انبیاء کی بعض زلات (لغزشوں) کا ذکر کیا ہے، ان کی حقیقت، معصیت (گناہ) نہیں بلکہ یہ امور از قبیل نسیان یا خطائے اجتہادی ہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

- **فنسی و لم نجد له عزما (طٰہٰ:115)**

اور حضرت یونس علیہ السلام کے تعلق ارشاد ہے:

- **فظن ان لن نقدر علیه (الانبیا:87)**

انبیا اگرچہ معصوم ہوتے ہیں لیکن نسیان یا خطائے اجتہادی ان کے حق میں امر جائز ہیں جیسا کہ علمائے اہل سنت نے تصریح فرمائی ہے۔ انبیا کے متعلق عصیان، غوایت اور ذنب کے الفاظ کا اطلاق محض مجازاً اور استعارتاً ہے۔ انبیا کا بعض امور پر استغفار، تواضع اور کسر نفسی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان امور پر عتاب فرمانا ان کی رفعت شان کی وجہ سے ہے۔

چونکہ حضور سرور کائنات علیہ التحیات والصلوٰات کا مرتبہ تمام انبیا و رسل سے بہت بلند و بالا ہے، اس لیے آپ کے حق میں عصمت کا تحقق سب سے زیادہ اتم و اکمل ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ سے قبل از بعثت یا بعد از بعثت کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سہواً یا عمداً ہرگز ثابت نہیں۔ البتہ انبیائے سابقین کے حق میں خطائے اجتہادی ثابت و جائز ہے لیکن حضور سرور عالم ﷺ کے حق میں یہ بھی ثابت و جائز نہیں،

جیسا کہ امام نوویؒ، قاضی عیاضؒ وغیرہ ہمانے محققین کے مذہب کی تصریح فرمائی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کی فکر وعقل، علم وعمل اورقول وفعل واجتہاد مکمل طور پر حق وصواب ہیں۔ ان میں سر مو خطا کی گنجائش تک نہیں، آیات قرآنیہ **انک لعلی هدی مستقیم. انک لتهدی الی صراط مستقیم** وغیرہا اس پر شاہد ہیں۔

مولانا سید ابوبکر غزنوی

آداب بارگاہ رسالت ﷺ

قرآن مجید کے تیس پاروں میں کسی ہستی کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی اس قدر شدت اور شرح و بسط سے تلقین نہیں کی گئی جس قدر حضور اقدس ﷺ کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

❑ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ (الحجرات:2)**

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر(ﷺ) کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور ان (ﷺ) کے ساتھ بلند آواز سے بات مت کیا کرو جیسا کہ تم آپس میں زور زور سے بولتے ہو، اگر تم نے ایسا کیا تو سوءِ ادب کی پاداش میں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی''۔

یعنی تمہاری نمازوں اور روزوں کو لے کے میں کیا کروں گا اور تمہاری عبادت و ریاضت سے مجھے کیا حاصل، اگر تمہیں میرے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔

جب یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ اب میں رسول اللہ ﷺ سے بات اتنی دھیمی آواز سے کروں گا جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ، رسول اللہ ﷺ سے اس قدر آہستہ بات کرتے تھے کہ حضور ﷺ بار بار پوچھتے کہ عمر تم کیا کہہ رہے ہو؟

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیسؓ کی مجلس میں غیر حاضری کو محسوس کیا، ایک شخص نے کہا، میں آپ کو ان کی خبر لا دیتا ہوں۔ وہ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں، پوچھا، کیا حال ہے۔ ثابتؓ نے کہا:

❑ **شرٌّ، كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَ هُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ**

''حال برا ہے، ثابت اپنی آواز حضور ﷺ کی آواز سے بلند کیا کرتا تھا، اس کے عمل غارت ہو گئے اور وہ دوزخی ہو گیا''

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ وہ یوں کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس سے جا کر کہو:

❑ **اِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَ لٰكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.**

(بخاری، جلد 2، صفحہ 18)

''تم اہل دوزخ میں سے نہیں ہو، تم تو جنت میں جانے والوں میں سے ہو''

یعنی آیت کا وہ مطلب نہیں ہے جو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا، حضور ﷺ کی موجودگی میں شور کرنا سوء ادب ہے اور جو پیدائشی طور پر پاٹ دار آواز رکھتا ہو، وہ معذور ہے۔ پھر اس آیت کے ساتھ ہی اگلی آیت میں وضاحت کی کہ تقویٰ اور پرہیز گاری تو یہ ہے کہ میرے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں تم شائستگی سے اور دھیمی آواز میں بات کرو۔

❑ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى.** (الحجرات:3)

ترجمہ: ''یقیناً وہ لوگ جو بارگاہِ رسالت میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کے لیے جانچ لیا ہے''

قبیلۂ بنو تمیم کے چند لوگ حضور ﷺ سے دوپہر کے وقت مکان پر ملنے کی خاطر آئے، آپ اس وقت سو رہے تھے۔ وہ لوگ آپ کا نام لے لے کر پکارنے لگے۔

اس پر آیت نازل ہوئی:

- اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ o

(الحجرات:4)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو کمروں سے باہر کھڑے ہوکر آپ کو آوازیں دیتے ہیں، ان میں سے اکثر سمجھ بوجھ سے عاری ہیں''

پہلی امتیں اپنے انبیاء کو نام لے کر پکارتی تھیں، قرآن مجید میں ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا:

- یٰمُوۡسٰی لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ. (البقرۃ:61)

ترجمہ: ''اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر قناعت نہیں کریں گے''

اور مسیحؑ کے حواریوں نے کہا تھا:

- یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ اَنۡ یُّنَزِّلَ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ

(المائدۃ:112)

ترجمہ: ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب آسمان سے ہمارے لیے رزق اتار سکتا ہے''۔

حضرت عیسیٰؑ کا نام لے کر انہیں خطاب کیا۔

مگر وہ تو سید الاولین و سید الآخرین تھے، وہ تو سرورِ دنیا و دیں تھے، وہ تو حبیب رب العالمین تھے، پس اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو حضورﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا۔ سورۂ نور میں ہے:

- لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا. (النور:63)

ترجمہ: ''جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، پیغمبر کو یوں نہ پکارا کرو''

تفسیر درمنثور میں ہے، ابونعیم، عبد اللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں یوں رقم طراز ہیں کہ اس آیت کے اترنے سے پہلے لوگ حضورﷺ کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر پکارتے تھے، اس آیت کے اترنے کے بعد صحابہ کرامؓ آپ کو یا نبی اللہﷺ اور یا رسول اللہﷺ کہہ کر پکارنے لگے۔

غور کیجیے کہ شریعت محمدیہ میں جیسے توحید کا تصور آخری ارتقائی منازل سے گزرا

اور ہر اعتبار سے بے داغ، صاف ستھرا اور جامع ہو گیا اور شرک کی تمام راہوں اور تمام وسائل اور ذرائع کو بند کر دینے کے لیے وہ تمام اقوال واعمال جو منجر الی الشرک ہو سکتے تھے، بھی ناجائز قرار دیے گئے۔ اسی طرح انبیائے کرام اور اہل اللہ کا ادب بھی آخری ارتقائی منازل سے گزرا۔ بارگاہِ رسالت ﷺ کے آداب بھی نکھرے، تہذیب و شائستگی اور احترام کی کئی لطافتوں اور باریکیوں کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔

اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے حبیب ﷺ کو نام لے کر نہ پکارا جائے تو اس کی یہ مشیت، عدل اور انصاف پر مبنی ہے۔ جب وہ خود خدا ہو کر انہیں نام لے کر خطاب نہیں کرتا ہے تو بندوں کو کیا حق حاصل ہے کہ انہیں نام لے کر پکاریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء کو ان کے ذاتی ناموں سے خطاب کیا:

- **یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ.** (البقرۃ:35)

  ترجمہ: ''اے آدم! تو اور تیری بیوی بہشت میں رہو''
- **یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا.** (ہود:48)

  ترجمہ: ''اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جا''
- **یٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا.** (الصّٰفّٰت:104،105)

  ترجمہ: ''اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا''
- **یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ.** (طٰہٰ:12)

  ترجمہ: ''اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار، تو اتار ڈال اپنی جوتیاں''
- **یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ.** (آل عمران:55)

  ترجمہ: ''یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اُٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف''۔
- **یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ.** (ص:26)

  ترجمہ: ''اے داوٗد! ہم نے تجھے زمین پر اپنا نائب بنا دیا''
- **یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی.** (مریم:7)

  ترجمہ: ''اے زکریا! ہم تجھے بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی، جس کا نام یحییٰ ہے''

- **یٰیَحْییٰ خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ.** (مریم:12)

ترجمہ: ''اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھامو''

قرآن مجید کو ''**بسم اللّٰہ**'' سے لے کر ''**والناس**'' تک پڑھ ڈالیے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کہیں بھی ذاتی نام سے خطاب نہیں کیا۔ کہیں ''**یاَیُّھا الرسول**'' کے خطاب عزت سے نوازا، کہیں ''**یایھا المزمل**'' کی صدائے محبت سے پکارا اور کہیں ''**یایھا المدثر**'' کی ندائے شفقت سے سرفراز فرمایا۔

میں ان آیتوں کا ذکر کر رہا ہوں جن میں بارگاہ رسالت ﷺ کے احترام کی تلقین کی گئی ہے اور جن میں ان کی تعظیم کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ فرمایا:

- **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌo** (الحجرات:1)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے''

اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے سامنے اپنی بات پیش نہ کرو۔ حضور ﷺ سے کسی قول یا عمل میں پیش قدمی نہ کرو۔ بعض لوگوں نے حضور ﷺ سے پہلے عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی تو ان سے کہا گیا کہ آپ ﷺ سے پیش قدمی نہ کریں۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے:

- ''اگر روزے کے بارے میں شک ہو اور رسول اللہ ﷺ روزہ نہ رکھیں تو روزہ رکھنے میں پہل نہ کرو۔ لوگ آپ ﷺ سے کوئی بات دریافت کریں تو آپ ﷺ کے جواب دینے سے پہلے کوئی پوچھنے والے کو جواب نہ دے بیٹھے کہ یہ گستاخی ہے''

بارگاہ رسالت ﷺ کے جو آداب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سکھائے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی لفظ جس میں ابہام یا ایہام ہو، کوئی لفظ جو ذو معنی ہو اور ایک معنی اس لفظ کا توہین آمیز بھی ہو، حضور ﷺ کے ساتھ بات چیت کرتے نہ بولیے۔ فرمایا:

- **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْکٰفِرِیْنَ**

عَذَابٌ اَلِيۡمٌo (البقرۃ:104)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم **راعنا** (ہماری رعایت کیجیے) نہ کہا کرو، تم **انظرنا** کہا کرو اور ان کی بات سنو اور جو بارگاہ رسالت کے آداب ملحوظ رکھنے سے انکار کر دیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ بارگاہِ رسالت میں بیٹھے آپ کے ارشادات سے جب مستفید ہوتے اور کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آتی تو راعنا کہتے تھے، یعنی ہماری رعایت کیجیے۔ یہودی بھی یہی لفظ کہتے اور عین کے کسرہ کے اشباع کے ساتھ راعنا یا راعینا کہتے، یعنی اے ہمارے چرواہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات بھانپ لی اور ان شرارت پسند یہودیوں سے کہنے لگے:

''اگر اب میں نے یہ لفظ تم سے سنا تو بخدا تم کو قتل کر ڈالوں گا''

وہ بولے تم خود بھی تو یہی کہتے ہو، اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی، جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اس لفظ **راعنا** ہی کو چھوڑ دو، جس میں اہانت کا کوئی پہلو نکل سکتا ہے۔ تم **انظرنا** کہا کرو تا کہ سوءِ ادب کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔

سورۂ فتح کی اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کی تعظیم بجا لائی جائے۔ فرمایا:

❑ **اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا**o **لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ.** (الفتح:8،9)

ترجمہ: ''ہم نے آپ کو بھیجا کہ آپ (کائنات کے سامنے) حق کی گواہی دینے والے ہیں، (راہِ حق پر چلنے والوں کو) بشارت دینے والے اور (راہِ حق سے انحراف کرنے والوں کو برے نتائج سے) ڈرانے والے ہیں (ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا) تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تا کہ تم ان کی تعظیم اور توقیر بجا لاؤ''

پھر سورۂ اعراف کی اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ فلاح و کامرانی ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو حضور ﷺ کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔

❑ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (الاعراف:157)

ترجمہ: ”پس جو لوگ ان پر ایمان لائے اور جنہوں نے ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں“

اصل بات یہ ہے کہ جسے حضورﷺ کی جتنی معرفت ہے، وہ اتنا ہی اس بارگاہ میں مؤدب ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے زیادہ حضور اقدسﷺ کی معرفت تھی، اسی لیے بارگاہِ رسالت میں سب سے زیادہ مؤدب تھے۔

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضورﷺ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں مصالحت کی غرض سے تشریف لے گئے، جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انہوں نے امامت کی۔ نماز کے دوران حضورﷺ بھی تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگاہ کرنے کے لیے نمازیوں نے تصویب کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضورﷺ کھڑے ہیں، حضورﷺ نے اشارے سے فرمایا، اپنی جگہ کھڑے رہو، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لیے یہ بات ممکن نہ پائی کہ وہ امامت کریں اور رسول اللہﷺ مقتدی ہوں۔ آپ پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور حضورﷺ کو آگے ہونا پڑا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

”اے ابوبکر! جب میں نے تمہیں خود حکم دیا تھا تو اپنی جگہ پر کھڑا رہنے سے تمہیں کس چیز نے باز رکھا؟“

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

❑ مَا کَانَ لِا بْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ

(صحیح بخاری، جلد ا، صفحہ 94)

”ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ وہ رسول اللہﷺ سے آگے کھڑا ہو“

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابوقحافہ ابھی اسلام نہیں

لائے تھے اور انہوں نے حضورﷺ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا، حضورﷺ نے پوچھا تو عرض کی: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی، ورنہ ایسی گستاخی پر ان کی گردن اڑا دیتا''

اس پر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

❑ **لا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَـهٗ وَ لَوْ كَانُوْا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo** (المجادلہ:22)

ترجمہ: ''آپ نہ پائیں گے ان لوگوں کو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوئے، گو وہ ان کے اپنے باپ دادا ہوں یا ان کے اپنے بیٹے ہوں یا ان کے اپنے بھائی ہوں یا ان کی اپنی برادری کے لوگ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنے فیضان سے ان کی تائید کی اور انہیں ایسی بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ خدائی لشکر ہے، خبردار اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے''

❑ کنز العمال میں ہے کہ ایک بدوی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

اَنْتَ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

''آپ رسول اللہﷺ کے خلیفہ ہیں؟''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا، تو پھر آپ کیا ہیں؟ فرمایا:

اَلْخَالِفَةُ بَعْدَهٗ

جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھرانے کے اس شخص کو کہتے ہیں جس

میں کچھ خیر نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کا خلیفہ یا جانشین کہنا بھی سوء ادب خیال کیا:

خسرو نسبت عشق تو بخود نکند زاں کہ
شاہی و بفتراک تو مردار نہ بندند

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور ﷺ کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے تو جس پائے پر حضور ﷺ کھڑے ہوتے تھے، اس پائے پر کھڑا ہونا سوء ادب خیال کیا اور اس سے نچلے پائے پر کھڑے ہوئے، پھر جب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی اس پائے پر کھڑا ہونا سوء ادب خیال کیا جس پر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوتے تھے، وہ اس سے بھی نچلے پائے پر کھڑے ہوئے۔

صلح حدیبیہ کی جو شرائط کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان ٹھہریں، بظاہر اہانت آمیز تھیں، مثلاً یہ کہ اس سال مسلمان مکے میں داخل نہیں ہوں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش سے جا ملے تو اسے واپس نہیں کریں گے۔

یہ شرائط بظاہر اہانت آمیز تھیں، خود سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مضطرب ہو کر تحریر معاہدہ سے پہلے حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کرنے لگے:

''کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: یقیناً ہیں۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: پھر ہم ان ذلت آمیز شرائط کو کیوں قبول کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں، میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا اور وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں کرے گا''

گو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات از راہ تحیر کی تھی

اوراس میں سوء ادب کا کوئی شائبہ نہ تھا، مگر لب و لہجہ اس ادب و تعظیم سے ہٹ گیا تھا جس کے وہ عادی تھے۔ زندگی بھر ڈرتے رہے کہ کہیں بارگاہ رسالت میں سوء ادب نہ ہو گیا ہو۔ اس کی تلافی کے لیے صدقہ و خیرات کرتے رہے اور نوافل پڑھتے رہے۔ خود فرمایا کرتے تھے:

- **عَمِلْتُ لَهَا أَعْمَالًا** (صحیح مسلم، جلد2، صفحہ 106)

"میں نے اس کی تلافی کے لیے کئی نیکیاں کیں"

حضور ﷺ نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کی طرف صلح حدیبیہ کے موقع پر سفارت کے لیے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طواف کرنے کی اجازت دی لیکن آپ نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

- **مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوْفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ**

"جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں، میرے لیے زیبا نہیں کہ میں طواف کروں"

صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح نامہ حدیبیہ لکھا تو اس میں یہ عبارت بھی تھی:

- **هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**

مشرکوں نے کہا کہ لفظ "رسول اللہ" نہ لکھو، اگر رسالت کے ہم قائل ہوتے تو جھگڑا کس بات کا تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا، اس لفظ کو مٹا دو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

- **مَا كَانَ لِيْ أَنْ أَمْحُوَ هٰذَا**

"مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اس لفظ کو مٹاؤں"

پھر حضور ﷺ نے خود اس لفظ کو مٹا دیا۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد2، صفحہ 355)

ایک دفعہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

- **أَنَا أَكْبَرُ أَوْ أَنْتَ؟**

''میں عمر میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو؟''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

- **أَنْتَ أَكْبَرُ وَ أَكْرَمُ وَ أَنَا أَسَنُّ مِنْكَ**

''آپ مجھ سے بڑے ہیں (مرتبے کے اعتبار سے) اور مجھ سے زیادہ معزز ہیں، ہاں سن رسیدہ میں آپ سے زیادہ ہوں'' (کنز العمال)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکبر کا لفظ اپنے لیے استعمال کرنا مناسب خیال نہ کیا، اس لیے کہ مقام اور رتبے کے اعتبار سے جو دوسروں سے بڑا ہو، اسے بھی اکبر کہتے ہیں۔ لفظ اکبر میں سوءِ ادب کے کسی پہلو کے نکلنے کا احتمال نہ تھا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کے پاس آیا تو ان کے آس پاس صحابہؓ یوں بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں، یعنی ادباً اور تعظیماً ساکت و صامت اور غیر متحرک بیٹھے تھے اور حدیث شریف میں ہے:

- **اِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَائُهُ كَأَنَّمَا عَلٰى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ**

ترجمہ: ''جب حضور ﷺ گویا ہوتے تھے تو صحابہ کرام سر جھکائے ہوئے بیٹھتے تھے اور حرکت نہ کرتے تھے'' (حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ ۱۴۲، بحوالہ مرقاۃ)

عروہ بن مسعود کو جب قریش نے صلح حدیبیہ کے سال، رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تو اس نے دیکھا کہ صحابہ حضور ﷺ کی کس قدر تعظیم کرتے ہیں۔ اس نے یہ منظر دیکھا:

- **اِنَّهُ لَا يَتَوَضَّأُ اِلَّا ابْتَدَرُوْا وَضُوْئَهُ وَ لَا يَبْصُقُ بُصَاقًا اِلَّا تَلَقُّوْهُ بِأَكُفِّهِمْ وَ لَا تَسْقُطُ مِنْهُ شَعْرَةً اِلَّا ابْتَدَرُوْهَا وَ اِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ وَ اِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَ مَا يُحِدُّوْنَ النَّظْرَ اِلَيْهِ تَعْظِيْمًا لَّهُ**

ترجمہ: ''حضور ﷺ جب بھی وضو فرماتے، صحابہ ان کے وضو کے پانی کی طرف لپکتے (اسے بدن پر ملتے تھے) ان کا لعاب دہن صحابہ کے ہاتھوں پر رہتا تھا اور

ان کا جو موئے مبارک گرتا، صحابہ اس کی طرف لپکتے اور جب وہ انہیں حکم دیتے تو فوراً حکم بجالاتے، جب وہ بات کرتے تو صحابہ اپنی آوازوں کو پست کرلیا کرتے تھے اور ادباً اور احتراماً انہیں تیز نظروں سے نہ دیکھتے تھے'' (صحیح بخاری، جلدا، صفحہ 379)

عروہ بن مسعود نے قریش سے جا کر کہا:

''اے قریش کے لوگو! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے بھی دربار دیکھے ہیں، خدا کی قسم کسی بادشاہ کی بھی ایسی تعظیم بجا نہیں لائی جاتی جیسی صحابہ، محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بجالاتے ہیں'' (صحیح بخاری، صفحہ 379)

یہی حال آئمہ کرامؒ کا تھا۔

حضرت امام مالک بن انسؒ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے یا ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور آپ سراپا تعظیم ہو جاتے، یہاں تک کہ ان کے بعض ہم نشینوں کو ان کی یہ غایت درجہ کی تعظیم گراں گزرتی۔ ایک دن آپ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کے نام مبارک آنے پر یہ آپ کو کیا ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

- لَوْ رَأَيْتُمْ مَّا رَأَيْتُ لَمَا أَنْكَرْتُمْ عَلٰى مَا تَرَوْنَ

''اگر حضور ﷺ کی وہ شان اور عظمت تم دیکھتے جو میں دیکھ رہا ہوں تو تمہیں میری اس غایت درجے کی تعظیم و تکریم پر اچنبھا نہ ہوتا''

حدیث شریف کا درس دینے سے پہلے آپ غسل فرماتے، نہایت عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور نہایت خشوع و خضوع سے حدیث بیان فرماتے۔ جب تک آپ درس دیتے رہتے، آپ کی مجلس میں خوشبو برابر مہکتی رہتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں، میں ایک دن امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، آپ کو بچھو نے کئی بار کاٹا، آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا لیکن آپ پورے صبر اور ضبط کے ساتھ حدیث بیان کرتے رہے۔ جب آپ درس ختم کر چکے اور لوگ چلے گئے تو میں نے

پوچھا کہ درس دیتے وقت آپ پر یہ کیا کیفیت طاری ہوئی؟ آپ نے بتایا، مجھے بچھو نے کئی بار کاٹا لیکن میں حدیث کی عظمت واکرام کے باعث ضبط کیے ہوئے بیٹھا رہا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں جس سے رسول اللہ ﷺ کے مبارک قدموں نے لمس کیا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ مدینہ منورہ کی حدود شروع ہوتے ہی اپنا جوتا اتار لیتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے امام، وہ عظیم محدث اور فقیہ ننگے پاؤں مدینے کی سرزمین پر چلتے تھے کہ مبادا جس جگہ حضور اقدس ﷺ نے قدم رکھے ہوں، وہاں وہ اپنی جوتیاں رکھ دیں۔

ادب کی یہ کیفیتیں حاصل نہیں ہوسکتیں جب تک حضور ﷺ کی ذات کی معرفت نہ ہو، جب تک یہ معرفت حاصل نہ ہو کہ وہ تاریخ انسانیت کے مرکز ومحور ہیں اور ازل سے لے کر آج تک جتنی مخلوق پیدا ہوئی ہے، ارض وسما میں اور ما بین السموات والارض اور آج سے لے کر ابد تک جتنی مخلوق پیدا ہونے والی ہے، ارض وسما اور ما بین السموات والارض، کوئی نہیں جو ان کی گرد پا کو چھو سکے۔

سب سے بڑا ادب حضور ﷺ کا، ان کی اطاعت ہے۔ ان کے ہر حکم کے سامنے گردن جھکا دینا ہے اور چون و چرا کیے بغیر اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان کے نام پر لرزتا اور آنسو بہاتا ہے مگر ان کی اتباع اور ان کی اطاعت سے گریزاں ہے، حقیقی ادب سے محروم ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

- مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ o (المائدۃ: 47)

ترجمہ: ''جو لوگ آئین محمدی کو نافذ نہیں کرتے ہیں یہی لوگ فاسق، یہی لوگ میری اطاعت سے باہر ہو گئے ہیں، یہی لوگ مجھ سے سرکش ہیں''

یہ سمجھنا فاش غلطی ہے کہ بارگاہِ رسالت ﷺ کے جو آداب قرآن مجید میں

بتائے گئے ہیں، وہ صحابہ کرامؓ ہی کے لیے تھے اور حضورﷺ کی مجلس ہی کے ساتھ مخصوص تھے، نہ حضورﷺ کی مجلس رہی، نہ صحابہؓ رہے، تو کیا ان آیات کی حیثیت محض تاریخی ہو کر رہ گئی ہے؟ آج بھی رسول اللہﷺ کا نام لیتے ہوئے، حدیث شریف پڑھتے ہوئے، مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ہوئے، حضورﷺ کے ادب کو ویسا ہی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں دیکھا کہ دو آدمی زور زور سے بول رہے ہیں، سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا:

- **أَتَدْرِيَانِ أَيْنَ أَنْتُمَا؟**

''تمہیں کچھ ہوش ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو؟''

پوچھا، تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

- **لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا ضَرْبًا**

''اگر تم مدینہ شریف کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت پیٹتا''

یعنی تم باہر کے رہنے والے ہو اور مسجد نبوی کے آداب سے واقف نہیں ہو تمہیں معذور سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔(مشکوٰۃ شریف، جلد۱، صفحہ۷۱)

اسی طرح عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور، حضرت امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں کسی مسئلے پر بحث کر رہا تھا، بحث کے دوران اس کی آواز بلند ہوگئی، امام مالکؒ نے خلیفہ کو ڈانٹا اور فرمایا:

- **لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ**

''اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے''

پھر سورۂ حجرات کی آیتیں پڑھیں اور یہ بھی فرمایا:

- **اِنَّ حُرْمَتَهٗ مَيْتًا كَحُرْمَتِهٖ حَيًّا**

حضورﷺ کی دنیا سے پردہ پوشی کے بعد ان کی حرمت یقیناً ویسی ہی ہے جیسی زندگی میں تھی''

صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضورﷺ کے تعلق کی کئی نوعیتیں تھیں، صحابہ ان سے روحانی فیض بھی حاصل کرتے تھے اور کتاب وحکمت کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔

❑ **يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ.** (آل عمران:164)

ترجمہ: ''وہ ان کا روحانی تزکیہ کرتے تھے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے''

حضورﷺ ان کے شیخ بھی تھے اور معلم بھی تھے۔ پس مشائخ کا ادب، اساتذہ کا ادب، بزرگوں کا ادب اور اس ادب کے سلیقے اور قرینے بھی ہمیں بارگاہ رسالت ہی سے سیکھنا ہیں، کسی اور کے دروازے پر تو نہیں جانا ہے۔

آخر میں ایک بات کہتا ہوں، موحد ہو کر مؤدب ہونا بڑی بات ہے۔ موحد ہونے کے یہ معنی نہیں کہ انسان بے مہار ہو جائے، اہل اللہ کی شان میں گستاخیاں کرے، اپنے محسنوں کا گریبان پھاڑے اور یہ سمجھے کہ میں غیر اللہ کی نفی کر رہا ہوں۔ اسی طرح بزرگوں کے ادب کے یہ معنی نہیں کہ انہیں اٹھا کر خدا بنا دیا جائے۔ کچھ لوگوں کو توحید کا مفہوم تو کچھ سمجھ میں آیا مگر انہیں اہل اللہ کی معرفت حاصل نہ ہوئی اور ان کا ادب واحترام ملحوظ نہ رکھا، کچھ لوگوں کو ادب کی توفیق ہوئی مگر ان کی توحید میں خلل واقع ہوا، یہ دونوں بیماریاں بہت پرانی ہیں۔ مذاہب عالم کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ جب بھی کسی مذہب کے پیرو راہ راست سے منحرف ہوئے، یہی دو بیماریاں ان کی تباہی کا باعث ہوئیں۔ عیسائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

❑ **اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ.**

(التوبہ:31)

ترجمہ: ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے عالموں اور راہبوں کو خدا بنایا تھا اور مسیح ابن مریم کی الوہیت کے قائل ہو گئے تھے''

یہودیوں کو ایک اور بیماری بھی تھی، اپنے محسنوں کا گریبان پھاڑتے تھے۔ جن سے فیض حاصل کرتے تھے، ان ہی کے ساتھ بدتمیزی اور بدلحاظی سے پیش آتے تھے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی تھی:

- **يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ.** (آل عمران: **21**)

ترجمہ: ''انبیا کو ناحق قتل بھی کر ڈالتے تھے''

پس پھر ایک بار کہتا ہوں کہ موحد ہو کر مؤدب ہونا اور مؤدب ہوتے ہوئے موحد ہونا بہت بڑی سعادت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس سعادت کی بھیک مانگتے ہیں:

- **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ o** (الفاتحہ: **5 تا 7**)

ترجمہ: ''یا اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا، ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے کرم کیا، ان یہودیوں کی راہ پر نہ چلانا جو بے ادب اور گستاخ تھے، جو بدتمیز اور بدلحاظ تھے اور جن پر تیرا غضب نازل کیا گیا اور نہ ان عیسائیوں کی راہ پر چلانا جنہوں نے بندوں کو خدا بنا لیا تھا اور گمراہی میں مبتلا ہوئے''

- **سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o** (الصّٰفّٰت: **180 تا 182**)

ڈاکٹر محمود احمد غازی

قانون توہین رسالت ﷺ

ایک سماجی، سیاسی اور تاریخی تناظر

مغرب کی گزشتہ دو صدیوں سے ہونے والی بالا دستی کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلم ثقافت کو غلط سمجھا گیا۔ نظری اعتبار سے بہت سے لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کا ایک اپنا دنیاوی نظریہ ہے جو زندگی کے بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت یہ وہ بنیادی تصور ہے جو انسان کے اس دنیا میں مقام و مرتبے اور اس کائنات کے ساتھ اس کے رشتہ و تعلق کی نوعیت کا تعین کرتا ہے، جس پر اس زندگی میں اس کے کردار کے متعلق دوسرے تمام سوالات کا دارومدار ہے۔ دنیا کے بارے میں لوگوں کے نقطۂ نظر کو جس قدر بھی کم سنجیدگی سے لیا جائے، اسے ان کی زندگی کی سمت متعین کرنے میں بنیادی اہمیت حاصل رہے گی، کیونکہ یہی ان کی زندگیوں کو منظّم کرتا اور ان کے کاروبارِ حیات میں ترقی کو باضابطہ بناتا ہے۔

اس رعایت کے باوجود مسلمانوں میں عام طور پر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ ہمارے مغربی دوست اور ان کے مغربیت میں رنگے ہوئے پیروکار زندگی کے بہت سے اہم مسائل کے مقابلے میں مسلمانوں کے مقام و مرتبہ کو بنظر تحسین نہیں دیکھتے۔ اگر کسی گروہ کا دنیاوی نقطۂ نظر اس کے نظریات اور آرا کو ایک شکل دینے میں کوئی کردار ادا کرتا ہے اور اگر پہلے کے کئی نتائج بعد کے نتائج سے مختلف ہوں تو پھر اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ کئی معاملات میں مسلمانوں کے حقوق ان لوگوں کے حقوق سے مختلف ہوں گے جن کا دنیاوی نقطۂ نظر ان کے نقطۂ نظر سے مختلف ہے۔

ایک ایسا معاشرہ جو اپنے اخلاقی ڈھانچے اور خاندانی زندگی کو بنیادی اہمیت

دیتا ہے، اس معاشرے سے ضرور مختلف ہوگا جو معاشی امور کو اگر منفرد نہیں بناتا، تو ایک فرد کے مفادات کو زیادہ اہمیت ضرور دیتا ہے۔ مثال کے طور پر میاں بیوی کے درمیان پائے جانے والے رشتہ و تعلق کی نوعیت ایک اسلامی معاشرے میں جدید مغربی معاشرتی ڈھانچے میں پائے جانے والے تعلق سے مختلف ہوتی ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں خاندان کا تحفظ معاشرے کے ایک بنیادی چھوٹے سے حصے کی حیثیت رکھتا ہے، اسے بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کو خاندان کے ادارے کی حفاظت اور بچاؤ کے بارے میں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ ایسے معاشرے میں خاندان کو اپنی بنیاد اسلام کی سماجی و اخلاقی ساخت پر رکھنی پڑتی ہے، خاندان کی سماجی ہم آہنگی اور یکجہتی میں خلل ڈالنے کی ہر کوشش، جیسا کہ ایک مثالی اسلامی ڈھانچے میں یہ تصور موجود ہے، خود اسلامی معاشرے پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایسی کوششوں کو اسلام، شیطانی کوششیں کیوں سمجھتا ہے اور سنت انہیں ناپاک کیوں سمجھتی ہے۔

''معاشرہ اور ریاست'' اسلام میں اپنے اندر اختتام پذیر نہیں ہو جاتے، بلکہ یہ تو اس کائنات میں انسان کے مقصد حیات کے حوالے سے کچھ مقاصد کے حصول کے صرف ذرائع ہیں۔ قرآن کے مطابق یہ مقصد ایک ایسے انسان کی تخلیق ہے جس نے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہو، جس نے خالق کائنات کے حتمی مقاصد کو پورا کرنے کا عہد کر رکھا ہو، جو اُن آدرشوں اور مقصودات سے پوری طرح واقف ہو جو اس کے خالق نے اسے سکھائے تھے۔

اس سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان کو ہمہ وقت یہ احساس رہے کہ اس نے آگے چل کر اپنے تمام ظاہری اور چھپے ہوئے اعمال و افعال کا حساب دینا ہوگا۔ یہ احتساب ہمہ گیر، کُلی، جامع اور اٹل ہونا چاہئے تاکہ کسی فرد کو یہ توقع نہ ہو کہ وہ اس سے بچ جائے گا۔ یہ کُلی، جامع اور اٹل احتساب جس کے لئے ہر انسان کو تیار رہنا چاہئے، وہ واحد غایت ہے جو ایک انسانی معاشرے میں حقیقی عدل و انصاف کے حصول کو یقینی بناتی ہے۔

اسلامی اصولوں پر تشکیل پانے والے معاشرے کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اس عہد و پیمان کی پرورش کرے تا کہ اس احتساب کی آزمائش سے کامیاب گزر جائے، کیونکہ وہ احساس کمزور پڑ جائے یا گہنا جائے تو مردوں اور عورتوں کی مضبوط مادی خواہشات اور جسمانی رجحانات کو اخلاقی حدود کے اندر رکھنے کا کوئی باطنی جواز نہیں رہ جاتا۔ اسی پہچان پر اسلام میں کوئی ریاست اپنے شہریوں کی سماجی زندگی کے اس بنیادی مفاد سے غافل رہنے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

اسلامی ریاست اپنے اخلاقی نصب العین کے بارے میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔ اس کے وجود کا جواز صرف اس وقت بنتا ہے جب یہ ان اصولوں کی حفاظت اور ترقی کے لئے سرگرم عمل رہے جن کی بنیاد پر یہ وجود میں آئی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک مثبت نظریاتی کردار ہے جو اسے اپنے اہداف کی ترقی کے لئے ادا کرنا چاہئے۔

نہ صرف یہ کہ یہ اسلامی ریاست بلکہ کوئی بھی مہذب اور ذمہ دار سیاسی سرگرمی ان بنیادوں کے بارے میں غیر متحرک اور لاپرواہ رہنے کی متحمل نہیں ہوسکتی، جن پر اس کا وجود کھڑا ہو۔ ماضی قریب میں ہم نے جدید دنیا کی چند نہایت اہم اور بڑی توانا نظریاتی ریاستوں میں سے ایک ریاست دیکھی۔ اس کے عہد و پیمان اور فلسفے نے اس کے لئے اس بات کو ضروری ٹھہرایا کہ اسے نہ صرف اپنے قومی پروگرام تیار کرنے بلکہ اپنی بین الاقوامی پالیسیاں وضع کرنے کے لئے بھی ایک فعال نظریاتی کردار ادا کرنا چاہئے۔ جدید مغربی ریاستیں جو اس دور کی واحد محوری دنیا میں برسرِ اقتدار سپر پاور کے نصب العین کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں، اپنی موجودگی کی فلسفیانہ بنیاد کے بارے میں کسی طرح بھی غیر جانبدار نہیں ہیں۔ ایک مغربی جمہوری نظام جس کی بنیاد سیاسی پارٹیوں، بالغ رائے دہی، آزاد مارکیٹ معیشت، اور آزاد خیال نہ کہ بد اخلاق سماجی ڈھانچے پر ہو، مغربی نظام کے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغرب کا ان مقاصد کے حصول کے لئے کیا گیا عہد اتنا بے لچک ہے کہ بعض اوقات تو یہ سیاسی گلا گھونٹنے اور ذہنی گھٹن کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے۔

بظاہر تو یوں لگتا ہے جیسے مشرق میں مغرب اور اس کی اقدار و مقاصد کے علمبردار مشرق والوں کو یہ آزادی دینے کے لیے بھی تیار نہیں کہ وہ مغربی اقدار اور معیارات سے بچ کر نکل جائیں۔ یہاں تک کہ مغربی جمہوری پرزہ کاری بھی جس کی بنیاد بالغ رائے دہی پر ہے، اگر مغربی سماجی اقدار، سماجی نمونوں اور سیاسی مفادات کو ترقی نہیں دیتی تو مغرب کے لئے نا قابل قبول ہوتی ہے۔ الجیریا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جس میں ہمسایہ مغربی طاقتیں چشم پوشی سے کام لے رہی ہیں، اسے دنیا بھر کے مسلمانوں نے مغرب کی طرف سے ان کے حق خودارادی کو تسلیم کرنے سے انکار قرار دیا ہے۔

رواداری: اسلامی نقطۂ نظر

جس طرح جدید ''مہذب'' مغرب اپنی اقدار اور اصولوں کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح اسلامی ریاست کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ بھی اپنے سماجی ڈھانچے کا تحفظ اسی رشک آمیز جذبے سے کرے۔ مسلمانوں نے مغرب کے اس حق کو خلوص دل سے تسلیم کر لیا ہوتا، اگر ایسا ہی حق مسلمانوں کے سابقہ اور موجودہ نو آبادیاتی آقاؤں نے مان لیا ہوتا۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ رواداری کے نام پر یہ حق مسلمانوں کو دینے سے انکار کر دیا گیا۔ ایک قوم جو اپنے بنیادی مطالبات اور مسائل کے متعلق ''روادار'' بن جائے اور اس بارے میں سمجھوتہ کر لے اور دَب جائے، تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اگر کسی طاقتور ہمسایہ ملک کی دلجوئی کی خاطر ہیٹی اور پانامہ کے لئے رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رواداری کی ایک حد ہے جس سے اس کو تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ ایک معاشرہ ان کوششوں کو برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا جو اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے پر صرف ہو رہی ہوں۔ خواہ وہ معاشی، نظریاتی، مذہبی یا اخلاقی ہی کیوں نہ ہوں۔

اسلامی معاشرہ بنیادی طور پر ایک مذہبی معاشرہ ہوتا ہے جو ایک ایسے پیغام کی ترویج کے لئے کوشاں ہوتا ہے جس کی اساس مذہبی ہے۔ گروہ یا رنگ و نسل پر قائم معاشروں میں گروہی اعتقادات اور توہمات کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے، جو درحقیقت

بے حس اور مردہ دل معاشرے ہوتے ہیں۔ دوسرے معاشروں میں معاشی معاملات کو اور مغربی معاشروں میں سماجی و سیاسی اقدار کو جس میں معاشی مفادات بھی شامل ہوتے ہیں جو حیثیت دی جاتی ہے، وہ حیثیت اسلامی معاشرے میں اخلاقی امور اور ان مذہبی و قانونی اصولوں کو حاصل ہے جو قرآن حکیم میں دیے گئے ہیں۔ کسی مسلمان کی اپنے مذہبی اصولوں اور مذہبی شخصیات کے بارے میں ظاہری عدم رواداری مغرب کی ظاہری عدم رواداری سے اساسی طور پر اس وقت مختلف نہیں ہوتی جب ہم فرانس میں معصوم لڑکیوں کے دوپٹے یا سر کی اوڑھنی کا ذکر کرتے ہیں۔

تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام ایک لسانی، معاشرتی، ثقافتی اعتبار سے مختلف گروہوں پر مشتمل معاشرے پر یقین نہیں رکھتا۔ اسلامی تاریخ میں ایسے معاشروں کا ذکر ملتا ہے جو مذہبی، ثقافتی اور تمدنی کثرتِ وجود کے حامل تھے، کم و بیش تمام اسلامی ریاستوں اور حکومتوں میں بے شمار مذہبی، ثقافتی اور دوسرے اقلیتی گروہوں کی گنجائش موجود تھی جس کا کافی ثبوت اسلامی تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے۔ یہودیوں کو بغداد کی عباسی حکومت اور اندلس کے اموی حکمرانوں کے دور میں مثالی عزت و تکریم حاصل تھی۔ اس بات کا دعویٰ بلاخوفِ تردید کیا جا سکتا ہے کہ تاریخ میں کامیاب مذہبی و ثقافتی کثرتِ وجود کی واحد مثال صرف اسلامی معاشرے میں ملتی ہے۔

یہ ایک ناخوش گوار جسارت نظر معلوم ہوتی ہے، اگر ہم مغربی مسلم اقلیتوں کے کردار اور حیثیت کا موازنہ اسلامی تاریخ کی مسیحی اور یہودی اقلیتوں سے کریں۔ تاہم یہ بات پوری شد و مد سے کہی جا سکتی ہے کہ جو ثقافتی گلا گھونٹنے کی کیفیت اور ذہنی گھٹن مسلم اقلیتیں چند مغربی ممالک میں محسوس کر رہی ہیں، وہ ان ملکوں کے ان اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتی جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ فرانس جیسے ملک میں جہاں آزادیِ رائے، مساوات اور اخوت کی روایات کا بڑا چرچا تھا، وہاں مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں یہ تینوں چیزیں حاصل نہیں۔ مسلمانوں سے کئے جانے والے اس سلوک کو فرانسیسی قیادت، انتہائی اعلیٰ سطح پر نہ صرف تسلیم کرتی ہے بلکہ

بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ دانستہ مسلم اقلیت کے خلاف ایسی کوششوں کا رُخ موڑنے میں برابر کی شریک ہے۔

اس پس منظر میں یہ ایک پاکستانی کے تصور سے بھی ماورا بات ہے کہ وہ کسی ایسے قانون پر تنقید سن سکے جو اسلامی آئیڈیالوجی کے بنیادی پتھر، اسلام میں قانون کی بنیاد، معاشرے اور ثقافت کے تحفظ کے مقصد کا حامل ہو۔ ان ممالک کی طرف سے بڑے تجسس کے ساتھ ایسے قوانین کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں جن کی اپنی کارکردگی، جہاں تک مسلم اقلیتوں سے رواداری کا تعلق ہے، حوصلہ افزا نہیں رہی ہے۔

قانون توہینِ رسالت:

قانون توہینِ رسالت پیغمبر اسلام ﷺ کی عزت و تکریم کی قانونی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے ہے۔ یہ ان معنوں میں قانون توہینِ رسالت نہیں ہے جن معنوں میں اسے مختلف مغربی ممالک میں لیا جاتا ہے۔ اس کا موازنہ کسی طرح بھی ان قوانین کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا جو ازمنہ وسطیٰ کے یورپ کی کافرانہ اور توہین آمیز باتوں سے متعلق تھے جو مذہبی شخصیات کے خلاف کی جاتی ہیں۔ اس کا اس عدالتی تحقیق سے بھی کوئی واسطہ نہیں جو ہم مسلم اسپین کے بعد کے دور میں دیکھتے ہیں۔

دراصل یہ قانون اس ماخذ یا سرچشمے کے تقدس اور تکریم کی حفاظت کرتا ہے جہاں سے وہ تمام تر راہنمائی حاصل ہوتی ہے جس پر اسلام کی مکمل قانونی، آئینی، سماجی اور ثقافتی پُرشکوہ عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس راہنمائی کا تقدس، اس کی توثیق اور بنیادی ضمانت اس کے ماننے والوں کے ضمیر اور سچے دل سے کئے گئے عہد و پیمان سے ملتی ہے۔ اگر اس باطن کے عہد و پیمان کو چیلنج کر دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس مکمل نظام کو چیلنج کر دیا گیا ہے جو متزلزل ہو کر رہ گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ ہر اس بات کے بارے میں بے حد حساس رہا ہے جو پیغمبر اسلام کی ذات اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم پر اثر انداز ہوتی ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے عہد سے لے کر اب تک مختلف صورت

حال میں اور تاریخ کے مختلف ادوار میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے ردِعمل کی استقامت کو اس تاریخی تناظر میں بیان کیا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک تاریخی تجزیہ:

پاکستان میں قانون توہینِ رسالت نہ تو کسی مذہبی تعصب یا کٹر پن کا ظہور ہے، نہ مسلمانوں کی طرف سے کسی مذہبی جنون یا انتہا پرستی کا اظہار ہے، نہ ہی یہ ملک میں کسی گروہ کے دباؤ کی وجہ سے کوئی ایسی شے ہے جسے ملک کے قانونی نظام پر ٹھونس دیا گیا ہو۔ یہ اسلامی روایات کے عین مطابق ہے اور ان مسائل کے بارے میں مسلمانوں کے مسلسل شعور و ادراک سے کُلی طور پر ہم آہنگ ہے۔

ان قانونی اور الٰہیاتی اصولوں کی وضاحت سے پہلے جن پر قوانین کی بنیاد رکھی جاتی ہے، قوانین کی دفعات کی جانچ پڑتال ضرور کر لینی چاہیئے۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان (پی پی سی) ابتداء 1860ء میں نافذ ہوا تھا، جس میں ایک پورا باب (باب نمبر 15) مذہبی جرائم سے بحث کرتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ مذہبی جرائم اور قانون کی خلاف ورزیوں کو پی پی سی کا برطانوی مصنف 1860ء میں بھی قابل سزا جرائم تصور کرتا تھا۔ اس باب کے ابتدائی مسودہ میں چار دفعات تھیں جو دفعہ نمبر 298,297,296,295 پر مشتمل تھیں، ان کا تعلق ان جرائم سے تھا جن میں سے کسی فرقے کے مذہب کی بے حرمتی کرنے کے لئے اس کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرنا یا کسی فرقے کے لوگوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنا شامل تھا۔ یوں مذہبی اجتماع میں مخل ہونے، تجہیز و تکفین کی جگہوں میں مداخلت اور ایسی زبان استعمال کرنا ان جرائم میں شامل تھا جس میں مذہبی جذبات و احساسات کو مجروح کرنے کا ارادہ شامل ہو۔

یہ دفعات مجموعہ قوانین میں 150 سے زیادہ برس تک شامل رہیں اور ان دفعات کی روشنی میں ہزاروں مقدمات کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان دفعات میں شامل بنیادی تصورات پر طویل بحث کی جا چکی ہے، ان کا تجزیہ بڑی گہرائی تک کیا گیا ہے اور مختلف سطحوں پر مختلف عدالتوں نے بڑی باریک بینی کی ساتھ ان کی

تشریح کی ہے۔ ایسا نہ صرف برطانوی ہندی عدالتوں میں ہوا بلکہ پریوی کونسل میں بھی ان کی تشریح وتصریح کی گئی تھی۔ چنانچہ اس کی تشریح میں اب کوئی ابہام یا مشکل نہیں پائی جاتی۔

1860ء میں ان دفعات کے نفاذ کے فوراً بعد یہ محسوس کیا گیا تھا کہ دفعات کی یہ تعداد اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ناکافی ہے جو ہندوستان میں بسنے والے مختلف گروہوں کے مذہبی جذبات اور دن بدن بڑھنے والی حساسیّت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ مختلف مراحل میں اس باب میں نئی دفعات شامل کی گئی تھیں اور ایسا نہ صرف برطانوی دورِ حکومت میں بلکہ 1947ء میں آزادی کے بعد بھی ہوا۔

توہینِ رسالت سے متعلق پی پی سی کی دفعات:

پی پی سی کے باب پندرہ (XV) کے اصلی حصے جو اس مذہبی جرائم سے متعلق قانون کے لئے بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتے ہیں، درج ذیل ہیں:

دفعہ 295: عبادت گاہ کو کسی فرقے کے مذہب کی توہین کے ارادے سے بے حرمت کرنا یا اس فرقے کے ماننے والوں کے جذبات مجروح کرنا:

جو کوئی بھی کسی بھی عبادت گاہ کو تباہ کرتا ہے، اسے نقصان پہنچاتا ہے یا اس کی بے حرمتی کرتا ہے یا وہ کسی بھی جماعت کے لوگوں کی کسی متبرک شے کی بے حرمتی اس خیال سے کرتا ہے کہ اس سے ان لوگوں کی توہین ہوگی، یا وہ ایسا اس نیت سے کرتا ہے کہ اس کے اس فعل سے وہ لوگ اس قسم کی تباہی، نقصان یا بے حرمتی کو اپنے مذہب کی توہین تصور کریں گے، ایسا شخص دو قسم کی سزا کا مستوجب ہوگا، یا تو اسے قید کی سزا دی جائے گی جو دو سال تک ہوسکتی ہے یا اسے جرمانہ ہوگا یا پھر اسے قید اور جرمانہ دونوں ہوں گے۔

دفعہ 296: مذہبی اجتماع میں مداخلت:

جو کوئی بھی مذہبی عبادت کے دوران از خود کسی مذہبی اجتماع میں مخل ہوتا ہے یا مذہبی رسومات کی ادائیگی میں مداخلت کرتا ہے تو اس کے لئے جن دو سزاؤں کی صراحت کی گئی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک سزا، جو ایک سال تک کی قید بھی ہوسکتی ہے، دی

جائے گی یا اسے جرمانہ کیا جائے گا یا قید اور جرمانہ دونوں ہوں گے۔

دفعہ 297: قبرستان وغیرہ میں مداخلت بے جا

جو کوئی بھی کسی فرد کے جذبات مجروح کرنے کی نیت رکھتا ہے یا کسی شخص کے مذہب کی توہین کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا وہ کوئی کام اس لئے کرتا ہے کہ اس کے اس فعل سے کسی شخص کے جذبات مجروح ہو سکتے ہیں یا اس سے کسی شخص کے مذہب کی توہین ہو گی، یا کسی کی عبادت گاہ میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہوتا ہے، کسی بت خانے میں مداخلت کرتا ہے، یا کسی جنازہ گاہ کی مخصوص زمین میں مداخلت کرتا ہے یا جو جگہ قبرستان کے لئے مختص کی گئی ہو اس میں دخل بے جا کا مرتکب ہوتا ہے، کسی انسانی لاش کی بے حرمتی کرتا ہے، یا جنازہ کی رسومات میں شریک کسی شخص کے کام میں دخل دیتا ہے تو ایسا شخص کسی ایک سزا کا مستوجب ہو گا یا تو اسے ایک سال تک کی قید کی سزا دی جائے گی یا جرمانہ کیا جائے گا یا قید اور جرمانہ دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

دفعہ 298: مذہبی جذبات مجروح کرنے کے لئے جان بوجھ کر ایسی زبان وغیرہ کا استعمال:

جو کوئی بھی کسی شخص کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے ایسی زبان استعمال کرتا ہے یا کسی کو سنانے کے لئے ایسی آواز نکالتا ہے یا کسی کو دکھا کر کوئی ایسا اشارہ کرتا ہے، یا کوئی ایسی شے اس جگہ رکھ دیتا ہے جہاں سے وہ اس شخص کو نظر آ رہی ہو، تو ایسے شخص کو ایک سال تک کی قید یا جرمانہ کی شکل میں کوئی ایک سزا دی جا سکتی ہے یا قید اور جرمانہ دونوں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ قوانین ایک نو آبادیاتی لا دینی حکومت نے بنائے تھے جس کا بنیادی مقصد ملک میں قانون اور امن و امان کی صورت حال کو یقینی بنانا تھا، وہ کسی مذہبی پیغام یا نظریے کی حفاظت کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

جن دفعات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان میں وہ تمام بنیادی اجزاء موجود ہیں جن پر اب مختلف وجوہ کی بنیاد پر تنقید کی جا رہی ہے۔ یہ تنقید پی پی سی کے اسی باب XV

میں دفعہ C-295 شامل کر لئے جانے کے بعد شروع ہوئی۔ جواز یہ پیش کیا گیا کہ ''توہین'' یا ''بے حرمتی'' دونوں اصطلاحات مبہم ہیں اور ان کے اندر غلط سمجھے جانے کے امکانات پائے جاتے ہیں، اور ان کے غلط اور اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا امکان بھی رہتا ہے۔

اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے اس حق پر جو حدود مقرر کر دی گئی ہیں کہ وہ کسی مذہبی شخصیت کی توہین کرنے کا مرتکب نہ ہو، وہ آئین کی طرف سے دی جانے والی انسانی حقوق کی ضمانت کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ یہ دفعات اپنے اس طرح کے ابہام سمیت گزشتہ 150 برس سے اس کتابِ قانون میں موجود ہیں اور اب جن مشکلات اور مسائل کی توقع کی جاتی ہے وہ بھی پیدا نہیں کر رہی، اس طرح یہ معقول بنیاد بنتی ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچ سکیں کہ نہ تو ان اصطلاحات کی غلط تشریح کی جائے گی، نہ ہی انہیں جان بوجھ کر غلط استعمال کیا جائے گا۔

دفعہ A-295 کا اضافہ:

1927ء میں برطانوی حکومت نے ایک ترمیم کے ذریعے دفعہ A-295 کا اضافہ کر دیا تھا تاکہ اس باب میں وسعت پیدا کر لی جائے۔ یہ دفعہ نیچے دی جا رہی ہے:

دفعہ A-295: کسی بھی جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی توہین کے لئے دانستہ معاندانہ فعل کا مرتکب ہونا:

جو کوئی بھی جان بوجھ کر بدنیتی سے کسی جماعت کے لوگوں کے مذہبی جذبات کو الفاظ سے مشتعل کرے، خواہ وہ الفاظ زبان سے ادا کئے جائیں یا تحریر میں لائے جائیں، یا نظر آنے والے کسی مجسمے یا تصویر کے ذریعے ایسا کرنے کا مرتکب ہو، اس جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی توہین کرے، وہ کسی ایک سزا کا مستوجب ہوگا جو دو سال تک کی قید بھی ہو سکتی ہے یا اسے جرمانہ کیا جا سکتا ہے یا قید اور جرمانہ دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد کے اضافہ جات:

مجموعہ تعزیرات پاکستان کے باب XV کی وسعت میں قیام پاکستان کے بعد مزید اضافہ کر دیا گیا تھا۔ اس وسعت میں اضافہ اصلی قانون کی مزید تشریح وتصریح کے ذریعے کیا گیا تھا اور محض نئے نقطہ ہائے نظر اور اصولوں کی بنیاد پر یہ وسعت نہیں دی گئی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد کے ان اضافوں کو سن وار نیچے پیش کیا جا رہا ہے:

1982ء دفعہ B-295: قرآن حکیم کی بے حرمتی وغیرہ

جو کوئی بھی عمداً قرآن حکیم کے کسی نسخے کی بے حرمتی کرتا ہے، اسے نقصان پہنچاتا ہے، اس کی توہین کرتا ہے یا اس کے کسی حصے کی توہین کرتا ہے یا اسے تحقیر آمیز طریقے سے استعمال کرتا ہے یا اسے کسی غیر قانونی مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے، ایسے شخص کو عمر بھر قید کی سزا دی جائے گی۔

1984ء میں جو اضافے ہوئے ان میں حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تقدس اور حرمت شامل تھی۔ یہ اس قانون کی جانب ایک اہم قدم تھا جس میں مسلمانوں کی صدیوں پرانی روایات اور مستند معیارات کا خیال رکھا گیا تھا، جن کا ہمیشہ اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کا جرم کرنے کے معنی اسلام میں بہت بڑی غداری کے مترادف ہے اور ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والا سزائے موت کا مستوجب ہے۔

لاہوری اور احمدی گروپ (امتناع اور سزا) آرڈیننس XX، مجریہ 1984ء

1974ء کی دوسری آئینی ترمیم کو نافذ کرنے کے لئے اور ضروری ضمنی ترمیم (ترمیم کے وقت پارلیمنٹ کی طرف سے جس کا وعدہ کیا گیا تھا اور جسے قانون میں شامل کرنے کے لئے منظور کیا گیا تھا) مہیا کرنے کے لئے درج ذیل تین دفعات وضع کی گئی اور ایک آرڈیننس کے ذریعے نافذ کی گئی، یہ آرڈیننس قادیانی گروپ کی اسلام دشمن کارروائیاں کہلایا۔

دفعہ A-298: تقدس مآب شخصیتوں کے لئے توہین آمیز الفاظ یا رائے وغیرہ کا استعمال:

جو کوئی بھی الفاظ کے ذریعے، خواہ وہ زبان سے ادا کئے گئے یا احاطہ تحریر میں آئے یا نظر آنے والی تصویروں یا بتوں کے ذریعے، یا بہتان لگا کر، طعن وتعریض سے، بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور نبی کریم ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ (ام المؤمنین) یا آپ کے اہل بیت کے نفوس یا خلفائے راشدین یا حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کرام کی توہین کا مرتکب ہوا سے تین سال تک کی قید کی سزا یا جرمانہ یا قید اور جرمانہ دونوں ہوں گی۔

دفعہ B-298: ان القاب وخطابات اور توصیف وغیرہ کا غلط استعمال، جو کچھ تقدس مآب شخصیتوں اور مقامات کے لئے مخصوص ہوں:

-1 قادیانی یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں یا کسی اور نام سے پہچانے جاتے ہیں) کا کوئی فرد جو الفاظ کے ذریعے، زبانی یا تحریراً یا کسی نظر آنے والی تصویر یا بت کے ذریعے:

(الف) سوائے حضور نبی کریم ﷺ کے کسی خلیفہ یا صحابیؓ کے کسی اور شخص کو امیر المومنین، خلیفۃ المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ سے پکارتا ہے۔

(ب) جو حضور نبی کریم ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کے سوا کسی اور کو اُم المؤمنین کے نام سے پکارتا یا مخاطب کرتا ہے۔

(ج) جو شخص حضور نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے کسی فرد کے علاوہ کسی اور کو اہل بیت کہتا ہے یا

(د) جو شخص اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا حوالہ دیتا ہے، نام دیتا ہے یا پکارتا ہے، وہ تین سال تک کی قید کی سزا اور جرمانے کا مستوجب ہوگا۔

-2 قادیانی یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی اور نام سے پکارتا

ہے) کا کوئی شخص جو اپنے مذہب میں عبادت کے لئے بلانے کے لئے دی جانے والی آواز یا پکار کو اذان کہتا ہے یا جس طرح مسلمان اذان دیتے ہیں، ویسی ہی اذان دیتا ہے اسے تین سال تک کی قید کی سزا دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی ہوگا۔

دفعہ C-298: قادیانی گروپ وغیرہ کا کوئی فرد جو اپنے آپ کو مسلمان کہلوائے یا اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کرے

قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلواتے ہیں یا کسی اور نام سے پکارے جاتے ہیں) کا کوئی فرد جو بلا واسطہ یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، مسلمان کہلاتا ہے یا اپنے مذہب کو اسلام کا نام دیتا ہے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ واشاعت کرتا ہے یا الفاظ کے ذریعے خواہ وہ بولے جائیں یا لکھے جائیں دوسروں کو اپنا عقیدہ ماننے کی دعوت دیتا ہے یا نظر آنے والی تصاویر یا بتوں کے ذریعے یا کسی اور طرح سے مسلمانوں کے جذبات مجروح کرتا ہے وہ تین سال تک کی قید کی سزا اور جرمانے کا مستوجب ہوگا۔

قانون فوجداری (ترمیم) ایکٹ III مجریہ 1986ء

آخرکار 1986ء میں قومی اسمبلی اور سینٹ کے اتفاق رائے سے قانون فوجداری (ترمیم) ایکٹ III مجریہ 1986ء نافذ کر دیا گیا۔ اس سے مذہب، مذہبی اعتقادات، عبادت گاہوں، حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کو جو تحفظ دیا گیا تھا، اس میں توسیع کر دی گئی تاکہ اس تقدس مآب شخصیت کی ذات گرامی اس میں شامل ہو جائے جن کے حوالے نے ان شخصیتوں کو تقدس عطا کرتے ہوئے انہیں لائق ادب و احترام بنایا ہے۔ چنانچہ دفعہ C-295 جو مجموعۂ تعزیرات پاکستان میں مندرج ہوئی، وہ درج ذیل ہے:

دفعہ C-295: حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی یا توہین آمیز رائے کا اظہار

جو کوئی بھی حضور نبی کریم ﷺ کے مقدس نام کی توہین زبانی یا تحریری الفاظ

میں کرتا ہے، یا نظر آنے والی تصاویر یا بتوں کے ذریعے یا بہتان تراشی، طعن وتعریض کے ذریعے، بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے، وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا یا اسے عمر قید کی سزا ہوگی اور اسے جرمانہ بھی کیا جائے گا۔

اس قانون میں دو مختلف سزاؤں کی گنجائش رکھی گئی: سزائے موت اور تاحیات قید۔ اسے وفاقی شرعی عدالت (ایف ایس سی) میں ملک کے کچھ سینئر قانون دانوں اور ماہرین قانون نے چیلنج کر دیا تھا۔ عدالت نے مناسب وقت تک اس عرض داشت کو سنا اور اس موضوع پر عدالت کی مدد کے لئے بہت سے سکالروں اور قانون دانوں کو دعوت دی۔ 30/اکتوبر 1990ء کو عدالت نے متفقہ فیصلہ سنا دیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے اور آپ ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرنے کی متبادل سزا جو تاحیات قید تھی، اسلامی احکامات کی خلاف ورزی کے مترادف ہے اور یوں یہ شرعی قوانین سے تجاوز کرتی ہے۔ حکومت نے عدالت عظمیٰ میں اپیل کرتے ہوئے اس بات کو ترجیح دی کہ اس فیصلے کو چیلنج نہ کیا جائے بلکہ اس میں جج کی دی گئی ضمناً رائے کے بارے میں وضاحت اور راہنمائی کی جائے۔

ازاں بعد ایک نئی حکومت برسرِ اقتدار آئی جس نے یہ کہتے ہوئے کہا کہ اس شیطانی جرم کی سزا صرف سزائے موت ہوسکتی ہے، عدالت عظمیٰ سے اپیل واپس لے لینے کا فیصلہ کیا۔ حکومت کے اس اقدام پر کچھ لوگوں نے تنقید کی اور اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا تاہم ان ذہنی تحفظات کو زیادہ پذیرائی حاصل نہ ہوسکی۔

2/جون 1992ء کو قومی اسمبلی نے ایک قرارداد پاس کی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے جرم کی سزا صرف سزائے موت ہونی چاہئے۔ سینٹ نے بھی اس کی تائید کی۔ 8/جولائی 1992ء کو ایک ترمیمی بل پاس کیا گیا کہ اس جرم کی سزا صرف یہی (سزائے موت) ہونی چاہئے۔

اگر مقبول عام رائے کا احترام کرنے کا اصول کچھ وزن رکھتا ہے اور اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا متفقہ فیصلہ پاکستانی باشندوں کے اجتماعی ضمیر کی بات کرتا

ہے تو اس ملکی تاریخ میں اس قانون کو نمائندہ قانونی دستاویز کے طور پر تسلیم کیا جانا چاہئے۔

سزائے موت کیوں؟

حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کے معنی اس پیغام کی توہین کے ہیں جس سے حضور ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ پیغام کی توہین کا مطلب ہے پیغام بھیجنے والی اتھارٹی یعنی حاکم مقتدر کی توہین۔ اس اتھارٹی کو نہ صرف حتمی مذہبی تقدس اور اس کے ماننے والوں کو جذباتی ادب و احترام حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ پورے نظام کی صحت و درستی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

ابتدائی عہد کے مسلمان، خصوصاً رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے اس فعل کو مسلمانوں اور کئی دوسری مذہبی برادریوں کے ساتھ کئے گئے دوستی اور شہریت کے معاہدوں کی تنسیخ کے لئے معقول وجہ سمجھا۔ امام شافعیؒ نے اپنی شاہکار تصنیف ''کتاب الام'' میں چند معاہدوں کے خاکے پیش کئے ہیں جو غیر مسلموں کی ساتھ کئے جا سکتے ہیں۔ آپ ایک ایسی شرط تجویز کرتے ہیں جس کی رُو سے تمام معاہدے، صلح نامے اور حقوق و مراعات جن کی ضمانت ایک اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کو حاصل ہو سکتی ہے، اس شخص سے واپس لئے جا سکتے ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کا مرتکب ہوا ہو۔

امام شافعیؒ کا یہ اقدام کوئی بے مثل نہیں ہے، یہ پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر ہمارے عہد کے سکالروں تک اسلامی احکامات کے ہر شارح اور ترجمان کے ہاں یکساں طور پر ملتا ہے۔ اس نقطۂ نظر پر اتفاق اس لئے پایا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے محبت و عقیدت پوری اُمّہ کے اتحاد کی بنیاد ہے۔ مختلف مذہبی گروہ ایسے ہیں مثلاً یہودی جو توحید کے عقیدے میں مسلمانوں کے مشترکہ اعتقاد کے حوالے سے ایک جیسے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی ذات مطلق اور صفات کے بارے میں دونوں کے اپنے اپنے نظریے میں اختلافات ہیں لیکن توحید کے عقیدے کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اسی طرح یہودیوں اور کچھ عیسائی گروپوں میں توحید کی بنیاد پر کئی طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے، لیکن انہیں ہمیشہ مختلف مذہبی گروپ

تصور کیا جاتا رہا جو مختلف نظریات کی نمائندگی کرتے تھے، کیونکہ وہ مختلف شخصیات پر اعتقاد رکھتے تھے مثلاً اپنے رسولوں اور پیغمبروں پر۔ مذہبی گروہ اس بات کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں کے تقدس اور عزت و تکریم کی حفاظت کی ذمہ داریوں سے غافل رہیں۔

بہت سے مسیحی سکالروں اور زمانہ قدیم کے علمائے دین نے مسلمان قانون دانوں کے علم سے استفادہ کیا۔ قرون وسطیٰ کے ایک بہت بڑے مسیحی الٰہیات دان سینٹ آگسٹن نے کہا تھا: ''جس کو سچائی کا شعور و ادراک حاصل ہوا مگر اس نے سرکشی کی، اس نے اس شخص کی نسبت ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا، جس نے اس سچائی کو رَد کر دیا تھا۔''

بعد میں آنے والے مسیحی الٰہیات دانوں کا بھی یہی نظریہ تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا اس موضوع پر سینٹ آگسٹن مسلم الٰہیات دانوں کی تحریروں سے متاثر تھے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس موضوع پر مسلم قانون دانوں نے جو منطق پیش کی، یہ بیان اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کے لئے سوال عہد و پیمان اور یقین کامل کا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد وحی پر ہے اور اس میں حتمی سچ پایا جاتا ہے تو وہ اپنے عہد و پیمان اور یقین کامل کے خلاف ہوگا، اگر وہ اس ربّانی وحی کے اصل منبع و ماخذ کی، بے حرمتی کرنے کا کسی کو حق دے رہا ہو۔

یہ غالباً اس منطق و دلیل کی وجہ سے ہے کہ مسلم قانون دان بعض اوقات ان سے متفق نہیں ہوتے جو ایک مذہبی پیغام یا اس پیغام کے پہنچانے والے کو اپنے قانونی اور سماجی و سیاسی ڈھانچے میں اہم جگہ نہ دیتے ہوں۔ ان کے نزدیک ایسا رویہ مکمل عدم رواداری کے مترادف ہے۔ ان کے لئے جن کی زندگی اپنی مذہبی اقدار سے یقین کامل اور عہد و پیمان کے ساتھ کیا جانے والا مظاہرہ کرتی ہے یہ رواداری منافقت کی خوش کلامی کے سوا کچھ اور نہیں۔ ان کے لئے ایسے معاملات میں رواداری جرم کی توثیق کرتی

ہے، دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ وہ بھی اس جرم کے مرتکب ہوں اور سچائی کو شبہات سے ڈھانپ لیتی ہے۔

سزائے موت پر قرآن وسنت سے استدلال

حضور نبی کریم ﷺ کے مقدس نام کی توہین کرنے کے جرم میں سزائے موت کو درست قرار دینے کے بارے میں مسلم قانون دانوں نے قرآن پاک کی درج ذیل آیات پر انحصار کیا ہے:

1- 9 ہجری میں نازل ہونے والی سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❑ **فان تابوا واقاموا الصلاۃ واتوا الزکاۃ فاخوانکم فی الدین ونفصل الایات لقوم یعلمون. وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون.** (التوبہ: 11، 12)

ترجمہ: پس اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ جاننے والوں کے لئے ہم اپنے احکام واضح کئے دیتے ہیں اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قَسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان قَسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہ آیات ان دو جرائم کے بارے میں ہیں، جن میں ان لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کو حق بجانب قرار دیا گیا ہے، جو ان جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ان کے خلاف جہاں اہل ایمان کے ساتھ کئے گئے عہد، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ دوسرے نمبر پر وہ لوگ آتے ہیں جو مسلمانوں کے دین پر حملہ کرتے ہو۔ مسلم سکالر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو کوئی پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف یا آپ کی تعلیمات میں سے کسی ایک کے بارے میں توہین آمیز اور رسوا کن رائے کا اظہار کرتا ہے، وہ اس عام ہدایت اور فرمان کے تحت سزا کا مستوجب ہے۔

2- اسی سورت کی آیات نمبر 61 تا 69 مدینہ طیبہ کے منافقین کے جوڑ توڑ کے

بارے میں اُتریں۔ ان کی حرکات حضور نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچاتی تھیں۔ ان کی طعنہ زنی اور بیہودہ گفتگو جو وہ لوگ حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف کرتے تھے، انہیں کفر و الحاد کی گہرائیوں میں گرا دیتی تھی جس پر وہ سزا کے مستوجب تھے۔ انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ ان کے اعمال و افعال اس دنیا میں اور آخرت میں بے ثمر قرار دیئے گئے ہیں، اس لئے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی تضحیک کرتے تھے۔

مسلم قانون دان اس فیصلے پر پہنچے ہیں کہ اچھے اعمال و افعال کو اس دنیا میں بے ثمر بنا دیا جانا بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے، اگر کوئی فعل فوجداری جرم تصور ہو کر سزائے موت کا مستوجب قرار نہیں دیا جاتا۔ گویا ان مسلم قانون دانوں کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ پر طعنہ زنی کرنے کے فعل کی سزا، سزائے موت سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

سورۃ الاحزاب کی آیت:

❑ **ان الذین یئوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذابا مھینا.** (الاحزاب:57)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔

قرآن کے مفسرین کے خیال میں یہ آیت ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کرتے ہیں۔ آخرت کے عذاب الٰہی سے مراد یہ ہے کہ انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا، لیکن اس دنیا میں عذاب الٰہی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک جرم کے لئے دنیاوی سزا نہ ہو۔

-3 4 ہجری میں ایک یہودی قبیلے بنو نضیر نے مسلمانوں کے ساتھ شہریت کا معاہدہ کیا اور میثاقِ مدینہ پر دستخط کیے۔ بعد ازاں انہوں نے اس میثاق کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھا دیئے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں سزا دی، اور بالآخر انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ قرآن حکیم کی سورۃ الحشر اس موقع پر نازل کی گئی جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- **ولولا ان کتب الله علیهم الجلاء لعذبهم فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب النار. ذلک بانهم شاقوا اللّٰه ورسوله ومن یشاق اللّٰه فان اللّٰه شدید العقاب.** (الحشر: 3، 4)

ترجمہ: اگر اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے، اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں صاف صاف بیان ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مخالفت کے عمل کی اللہ کے ہاں بہت سخت سزا ہے اور یہ کہ اس سزا کو اس دنیا میں صرف اس لئے نافذ نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اللہ کے فرمان کے مطابق انہیں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔

- **ان الذین یحادون الله ورسوله کبتوا کما کبت الذین من قبلهم وقد انزلنا آیات بینات وللکافرین عذاب مهین.** (المجادلۃ: 5)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جا چکے ہیں۔ ہم نے صاف صاف آیات نازل کر دی ہیں اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

اس آیت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی کھلی مخالفت اور اعلانیہ مزاحمت ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا بڑی عبرت ناک ہے۔

قرآن حکیم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین و شارحین اور مسلم قانون دانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے کے جرم کی سزا کا ذکر کیا ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیات 64 تا 66 اس صورت حال سے متعلق ہیں جس میں منافقین کی ایک جماعت حضور نبی کریم ﷺ کا تمسخر اڑایا کرتی تھی اور اپنی نجی محفلوں میں

شوخی اور مذاق سے آپ کے بارے میں اور آپ کے مشن کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرتی تھی۔ کوئی بھی ایسا موقع نہ تھا جس میں کسی مسلمان کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کی توہین کرنے کے جرم یا آپ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرنے کے جرم میں، یہ ضروری نہیں رہ جاتا کہ مجرم نے اس گناہ کا ارتکاب مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے اور انہیں اکسانے کی نیت سے کیا ہو۔

ایک بار توہین کا جرم ثابت ہو جائے تو مجرم کو سزا ملے گی اور سزا دیتے وقت یہ بالکل تصور نہیں کیا جائے گا کہ اس نے ایسا کس مقصد اور کس نیت سے کیا۔ تاہم اس بات کا تعین کرنے کے لئے کہ آیا کسی شخص کا فعل توہین کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں، اس متعلقہ شخص کے ارادے اور نیت کو وہاں مدنظر رکھا جائے گا جہاں استعمال ہونے والے الفاظ واضح اور صاف صاف نہ ہوں۔ چنانچہ مجرم کی نیت حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے یا آپ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرنے کے بارے میں ضرور پیش نظر رکھی جائے گی تا کہ مجرم کے خلاف جرم کا تعین کیا جا سکے۔

جرم کے اس بنیادی عنصر پر بحث کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت پر انحصار کیا ہے کہ حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کو قذف (تہمت لگانا) کی سزا دی گئی، ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ پر تہمت لگائی تھی۔ ان میں سے کسی پر بھی فردِ جرم عائد نہیں ہوئی تھی کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کا مرتکب ہوا ہے اور اسی لئے سزائے موت نہیں دی گئی تھی۔

ابن تیمیہؒ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ قرآنی آیت: **النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجه امھاتھم.** (الاحزاب:6) (بلا شبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں) ابھی نازل نہیں ہوئی تھی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو امہات المومنین (ایمان والوں کی مائیں) قرار دیا گیا تھا۔ اس

کا مطلب یہ ہوا کہ اب آپ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی ایک پر تہمت لگانے کو حضور نبی کریم ﷺ کی توہین سمجھا جائے گا۔

ان قرآنی آیات کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی بہت سے واقعات ایسے پیش آئے جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے افراد کو آپؐ کے صحابہ کرام نے جان سے مار دیا تھا اور آپ ﷺ نے ان کے اس فعل کی توثیق فرما دی تھی۔

اس موضوع پر اپنی شاہکار تصنیف ''الصارم المسلول'' میں ابن تیمیہؒ نے ان واقعات پر مفصل بحث کی ہے۔ ان تمام واقعات کا لبِ لباب یہ ہے کہ کچھ لوگ حضور اقدس ﷺ کی توہین کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی شان کے خلاف ایسے توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے جو مسلمان برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس حرکت کے مرتکب شخص کو مار ڈالتے تھے۔ ان معاملات میں حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والوں کو مار ڈالنے پر آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں فرماتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کے مار ڈالنے کو شریعت کی رو سے جائز قرار دیا تھا کیونکہ موت کی سزا پانے والے افراد نے اس جرم کا ارتکاب کر کے قانونی تحفظ کھو دیا تھا۔

فقہاء کا موقف:

ان اقدامات کی بنیاد پر مسلم قانون دانوں کا ہر زمانے میں متفقہ نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم جو حضور نبی کریم ﷺ کے مقدس نام کی توہین کرتا ہے، حضور ﷺ کا تمسخر اڑاتا ہے یا آپ ﷺ کی ہتک کرتا ہے، وہ سزائے موت کا مستوجب ہے۔ اس موضوع پر مسلم قانون دانوں کے درمیان کبھی عدم اتفاق نہیں ہوا۔

تمام مسلم مکاتب فکر کے ماہرین قوانین اور علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی توہین یا آپ کی تحقیر کرنے کے مرتکب شخص نے دراصل اسلامی ریاست اور مسلم برادری کے خلاف بہت بڑی باغیانہ سازش کی ہوتی ہے اور اسی کے مطابق اسے سزا ملنی چاہیے۔

شافعی اور حنفی مکاتب فکر کے بہت سے قانون دانوں کے خیال میں کوئی غیر

مسلم شہری اگر حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرتا ہے تو وہ اسلامی ریاست میں اپنا حق شہریت اسی وقت کھو بیٹھتا ہے جب اس کا جرم ثابت ہو جائے۔ اس کے تمام حقوق اور مراعات واپس لے لی جاتی ہیں اور وہ سزائے موت کا مستوجب ٹھہرتا ہے۔ اس کے برعکس بہت سے حنفی اس نقطۂ نظر سے اس حد تک متفق ہیں جس میں اس کا تعلق ایک مسلمان سے ہے۔ لیکن ایک غیر مسلم کے بارے میں ان کا ابتدائی نقطۂ نظر یہ تھا کہ توہین کرنے کا یہ جرم اسے بطور ایک شہری کے حقوق و مراعات سے محروم نہیں کرے گا تاہم وہ سزائے موت کا مستوجب ضرور ہو گا۔

اس بات کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ توہینِ رسالت کے چار پانچ واقعات آپؐ کی حیات طیبہ میں پیش آئے تھے، ان سب میں قدر مشترک کے طور پر یہ بات شامل تھی کہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع دیئے بغیر مجرموں کو مار ڈالا تھا۔ بعد میں جب کبھی آپ کو کسی ایسے واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کہ جرم کا واقعی ارتکاب ہوا ہے، مجرموں کی موت سے چشم پوشی فرمائی۔

مدینہ طیبہ میں پیش آنے والے ان واقعات کے علاوہ چند واقعات ایسے بھی پیش آئے جن میں مختلف مکی قبائل کے افراد ملوث تھے۔ ان افراد میں زیادہ تر شعراء تھے جو اپنے شاعرانہ مشغلے کو حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی توہین کے لئے استعمال کر رہے تھے، اور آپ ﷺ کی کردار کشی کے لئے مبہم تصورات کو مقبولیت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ جب فتح مکہ کے سفر پر روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ہدایات جاری فرمائیں کہ ایسے افراد کو فتح کے بعد ہرگز نہ چھوڑا جائے بلکہ اگر وہ خانہ کعبہ کی دیواروں سے چمٹ جائیں، تب بھی انہیں مار ڈالا جائے۔ تاہم ایک یا دو ایسے واقعات میں استثنٰی برتا گیا۔ بعض افراد آپ ﷺ کے سامنے پیش ہو گئے تھے اور صدقِ دل سے اعلان کیا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہونا چاہتے ہیں۔

اس جرم کے مرتکب ہونے والے مجرموں کو معاف کر دینے کے امکان پر مسلم

سکالروں اور قانون دانوں نے بحث کی ہے اور اس کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایسے افراد کی طرف سے توبہ کر لینے پر آپ کی نرم دلی اور ترس کھانے کی مثالوں کو سامنے رکھا ہے، لیکن قانون دانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس نظریے کی حامل ہے کہ اس جرم میں معافی کا حق صرف حضور نبی کریم ﷺ کے پاس تھا اور آپ ﷺ کے بعد کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں رہا۔ اسی نقطۂ نظر کی وجہ سے پوری اسلامی تاریخ میں ان تمام واقعات میں حضور ﷺ کی توہین کے مرتکب ہونے والے کسی شخص کو معافی نہیں دی گئی۔

برصغیر کے تناظر میں:

مسلم انڈیا میں چند اہم واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے جنوبی ایشیا کی مسلم تاریخ پر دیرپا اثر چھوڑا ہے۔ راجہ آف متھرا کا مقدمہ مشہور مقدمات میں سے ایک ہے۔ بادشاہ نے پوری کوشش کی کہ راجہ کی جان بچ جائے لیکن عدلیہ نے بادشاہ کی درخواست پر غور کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سخت اور لچک سے خالی عدلیہ کے اقدام پر بادشاہ نے کوشش کی کہ عدلیہ کے اختیارات کم کر دے لیکن نہ کر سکا جس کے نتیجے میں حکمران جماعت اور عدلیہ کے درمیان نہ ختم ہونے والی عداوت پیدا ہو گئی تھی۔ اکبر بادشاہ کے بدنام دین الٰہی نے بھی اسی زمانے میں سر اٹھایا تھا۔

برطانوی عہد حکومت کے دوران، خصوصاً **1920**ء اور **1930**ء کے اواخر میں توہین رسالت کے کچھ واقعات پیش آئے تھے جن میں ہندوؤں کا ہاتھ تھا اور ایسا شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے اثر کے طور پر ہوا تھا۔ برطانوی پالیسی سازوں کے اشارے پر تحریک خلافت کا زور ٹوٹنے پر یہ تحریکیں شروع ہوئی تھیں۔ ان تمام واقعات میں وہ افراد جو توہینِ رسالت کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے، انھیں مسلمان رضا کاروں نے مار ڈالا تھا۔ برطانوی قانون کے تحت ان رضا کاروں پر برطانوی حکومت نے مقدمہ چلایا تھا اور انہیں بالآخر مجموعہ تعزیراتِ ہند کے تحت پھانسی دے دی گئی۔

یہ بات بڑی اہم ہے کہ ان تمام رضا کاروں کو مسلمانوں نے اپنے ہیرو تصور

کیا۔ان کی سوانح عمریاں لکھی گئیں اوران کی زندگیوں پر مبنی بعض بڑی مقبول فلمیں بنائی گئیں۔ جنوبی ایشیا کے مشہور مسلم راہنماؤں نے انہیں خراجِ عقیدت اور خراجِ تحسین پیش کیا۔مسلمانوں نے انہیں غازی کا لقب دیا اور آج بھی وہ غازی کہلاتے ہیں۔ان غازیوں میں غازی علم الدین نے جوایک غیرتعلیم یافتہ بڑھئی تھے، 6/اپریل 1929ء کو راج پال کوجہنم رسید کیا تھا، جن کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ان کا مقدمہ برصغیر کی تاریخ میں ضرب المثل بن گیا تھا۔ان ایماء پر دائر کردہ اپیل پر جس شخصیت نے مقدمہ لڑا وہ قائد اعظمؒ محمد علی جناح تھے۔ جب یہ اپیل مسترد کر دی گئی اور 31/اکتوبر 1929ء کوانہیں بالآخر پھانسی دے دی گئی تو پاکستان کے مفکر شاعر کی آنکھوں میں اس وقت آنسو تھے، جب آپ نے فرمایا: ’’اسی گلاں کر دے رہ گئے تے ترکھان دا منڈا بازی لے گیا‘‘ (ہم باتیں ہی کرتے رہ گئے اور بڑھئی کا لڑکا میدان مار گیا)۔

پنجاب کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ غازی علم الدینؒ کومیانوالی کی بجائے جہاں پھانسی دی گئی تھی، لاہور میں دفن کیا جائے۔ برطانوی حکومت سے اس بات کی اجازت لینے کے لئے کہ غازی علم الدین کے جسدخاکی کومیانوالی سے لاہور لایا جاسکے، سینئر مسلم راہنماؤں کا ایک وفد پنجاب کے انگریز گورنر سے ملا۔ اس وفد میں علامہ اقبالؒ، سرمحمد شفیع، غلام محی الدین قصوری اور میاں عبدالعزیز شامل تھے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ ان صاحبان عز وشرف کے دلوں میں غازی علم الدین کے لئے کس قدر احترام اور گہری ذاتی دلچسپی پائی جاتی تھی۔

اسی نوعیت کے ایک واقعہ میں کراچی کے ایک ہندو وکیل نے حضور نبی کریم ﷺ کی توہین اور آپؐ کے خلاف تحقیر آمیز الفاظ استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑا دی تھی۔ عبدالقیوم نامی تانگہ ڈرائیور نے ستمبر 1934ء میں کراچی کے کمرہ عدالت میں اس گستاخِ رسول وکیل کو مار ڈالا تھا۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد نے اسے بھی غازی عبدالقیوم کہہ کرعزت وتکریم سے پکارا تھا۔ اس پر برطانوی حکومت نے مقدمہ چلایا اور آخرکار اسے سزائے موت سنائی گئی تھی۔ کچھ لوگوں نے

غازی عبدالقیوم کی طرف سے عدالت عالیہ میں اپیل دائر کرائی جو نامنظور ہو گئی۔

اپیل کے مسترد ہو جانے کے بعد اور پھانسی پانے سے پہلے کراچی اور لاہور کے مسلمان راہنماؤں کے ایک وفد نے علامہ اقبالؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ وہ وائسرائے سے ملیں اور عبدالقیوم کے لئے رحم کی اپیل کریں۔ علامہ اقبالؒ جن پر اس واقعہ کا گہرا اثر تھا، خاموش رہے اور زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ جب دوبارہ یہ بات دہرائی گئی تو علامہ نے پوچھا: ''کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟'' جب انہیں بتایا گیا کہ نہیں، عبدالقیوم نے تو شہادت سے سرفراز ہونے کا عزم کر رکھا ہے تو علامہ اقبال نے ایک ایسے شخص کی طرف سے رحم کی اپیل کرنے سے انکار کر دیا، شہادت جس کا مقصود تھی تاکہ وہ اس شہادت سے سرفراز ہو سکے جس کا وہ متمنی تھا۔ اس موقع پر اقبالؒ نے اپنے جذبات کا اظہار ایک مختصر سی نظم میں کیا جس کا عنوان ہے ''لاہور و کراچی'' اور جو آپ کی کتاب ''ضربِ کلیم'' میں شامل ہے۔ اس نظم کا ایک شعر اس طرح سے ہے:

ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ اس اہم موضوع پر ممتاز سیاسی اور دانشور مسلم راہنماؤں کو کتنا لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے جذباتی، قانونی اور سیاسی لگاؤ کا اظہار کر کے اپنے بھائیوں کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ قائداعظم کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کوئی جھوٹا مقدمہ نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے غازی علم الدین کا مقدمہ فیس لئے بغیر لڑا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد سے اپنی ذاتی وابستگی کہاں تک رکھتے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے جن جذبات و احساسات کا اظہار فرمایا، ان سے ایک سچے مسلمان کے باطن کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں ایسے تمام واقعات میں ایک بات قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ تمام مسلمان رضا کار، توہینِ رسالت کے مرتکب مجرموں کو قتل کرنے کے بعد اپنے آپ کو برطانوی پولیس کے حوالے کر دیا کرتے تھے اور صاف

صاف اقبال کر لیتے تھے کہ انہوں نے متعلقہ مجرموں کو قتل کیا ہے۔ مقدمات کی کارروائی کے دوران میں وہ اپنے اس اعتراف پر قائم رہتے تھے اور بیان تبدیل کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ تقریباً سبھی کو ان کے خیر خواہ یہ مشورہ دیتے تھے کہ اپنی جانیں بچانے کے لئے انکار کر دیں کہ قتل انہوں نے نہیں کیا لیکن وہ ایسے مشورے ماننے کو تیار نہ ہوتے۔ کچھ وکلاء نے تجویز کیا کہ وہ یہ مؤقف اختیار کریں کہ اچانک اور شدید اشتعال میں آ کر انہوں نے قتل کیا اور وہ اس وقت ہوش وحواس میں نہ تھے۔ مگر غازیوں کو یہ مشورہ بھی قابل قبول نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تو اپنے پیارے نبی ﷺ کی حرمت کی حفاظت کرتے ہوئے شہادت کا بلند رتبہ حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سزائے موت کے بہت سے دوسرے مقدمات کی طرح ان مقدمات کا فیصلہ بھی قتل کے رضا کارانہ اعتراف پر کیا جاتا تھا۔

مغرب میں پائے جانے والے توہینِ رسالت کے تصور کا تجزیہ:

توہینِ رسالت کی تاریخ کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جب دفعہ 295-C کے متعلق ذہنی تحفظات کا اظہار کیا جا رہا ہو۔ مسلمان جو مختلف سیاسی آراء، مذہبی تقسیم، جغرافیائی، علاقائی تفریق اور گروہی ونسلی پس منظر کے حامل ہوں، اس موضوع پر گہری جذباتیت رکھتے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کی حرمت اور آپ کے مقدس مشن کی توقیر پر کبھی مصالحت نہیں کرتے، حالانکہ توہینِ رسالت کے قانون کے اصول اور نظریات کی بنیاد مغربی ممالک میں توہینِ رسالت کے نظریہ کے تصور سے مختلف ہے اور اس لئے مختلف ادوار میں قوانین توہینِ رسالت کی تاریخ کے ساتھ کسی طرح کا موازنہ کرنے کا جواز پیش نہیں کرتے۔

پھر بھی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں توہینِ رسالت کے تصور کی مختصر تاریخ کو تلاش کیا جائے۔ یہ تجزیہ ضروری ہے کیونکہ پاکستان میں اس قانون کے بہت سے نقاد اسے مغرب کی تاریخ توہینِ رسالت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس قانون کا سہارا لے کر کلیسا اور ریاست نے جو بے اعتدالیاں کیں، اس کا

نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ اس کے خلاف ردِعمل بڑھتا گیا اور بالآخر کچھ ملکوں میں اسے کالعدم کر دیا گیا اور کچھ ممالک میں اس کا وجود برائے نام رہ گیا تھا۔ کلیسا نے اپنے آپ کو نہ صرف یسوع مسیح کا جانشین ثابت کرنے کی کوشش کی بلکہ اس کا ترجمان بن کر خود خدا کی نمائندگی کی۔

کلیسا نے غور کیا کہ اس کے اپنے نظریات میں جو تضاد تھا، وہ توہینِ رسالت کے مترادف تھا اور سخت سزا کا مستوجب تھا۔ ایک مشہور محاورہ ہے "جو میں چاہتا ہوں تم وہ مت کرو۔" اس سے اس معاملے میں کلیسا کے رویے کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس طرح کا رویہ آزاد علم اور بامعنی چھان بین یا تحقیق کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ پادریوں نے اپنے علم و فضل کی گرتی ہوئی سطح اور اپنی سیاسی طاقت کی بڑھتی ہوئی دھاک سے ہر اس رائے یا نقطۂ نظر کو جو ان کی پالیسیوں اور دعوؤں سے ہم آہنگ نہ تھے، توہینِ رسالت اور کفر و الحاد کہا۔ ریاست نے کلیسا کے اثر و رسوخ کو ترقی دینے اور یکجا کرنے کے لئے اپنی ہدایات کے نفاذ کے ذریعے معاونت کی۔

1553ء میں برطانیہ کی ملکہ الزبتھ نے کچھ لوگوں کو محض اس لئے زندہ جلا دیا تھا کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یسوع مسیح خدا نہیں تھے اور یہ کہ معصوم بچوں کو بپتسمہ نہیں دینا چاہیے۔

Blasphemy (توہین) کا لفظ یونانی زبان سے آیا ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں بدگوئی، بہتان یا ہتک عزت۔ لیکن وسیع تر مفہوم میں یہ لفظ نازیبا الفاظ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، وہ نازیبا الفاظ جو مذہب یا خدا کے خلاف استعمال کیے جائیں۔

"انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاقیات" میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کوئی گناہ یا کلیسائی جرم جو یہودیوں اور عیسائیوں کے مذاہب اور دوسرے حلیف توحیدی مسلکوں سے بالخصوص منسوب ہیں۔ تاہم یہود و نصاریٰ کی روایات میں اسے ان مقدس اقدار اور عقائد کے خلاف ایک خیالی جرم تصور کیا جائے گا جن کا اعلان کلیسا بطور مسیحی اقدار و عقائد کرے گا۔

اس سلسلے میں بائبلی متن کی ایک دیانتدارانہ اور مخلصانہ تشریح پر بھی غور کیا جا سکتا تھا جو توہینِ رسالت اور الحاد کے بارے میں تھی اور ایسا اس وقت ہو سکتا تھا جب یہ

کلیسا کے سرکاری نقطۂ نظر سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ اس قسم کی حکم عدولی ''خدا کے خلاف بغاوت'' تصور ہوتی تھی۔ جبکہ از روئے نصوص جو بنیاد عہد نامہ قدیم وجدید میں تلاش کی گئی ہے، وہ کلیسا کے لفظ یا رائے کو اس طرح کی حرمت یا تقدس نہیں دیتی۔ بائبل میں خدا کے خلاف بدگوئی ممنوع ہے۔ توریت میں اس طرح ذکر آیا ہے:

- ''خدا کے لئے بدگوئی مت کرنا۔'' (توریت 28:22)

خدا کے نام کی بے حرمتی کرنے پر اس کے مطابق موت کی سزا مقرر ہے۔

- ''اور تو بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کرے، اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا۔ اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے، ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے۔ خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔'' (احبار: باب 24 فقرہ 15، 16)

کچھ حوالے اور بھی ایسے ہیں جن کے مطابق خدا کے خلاف بدگوئی کرنے یا اس کے نام کی توہین کرنے پر سخت سزا کی دلیل ملتی ہے۔ اس کے برعکس اس بات پر بڑا شور وغل ہوا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں اللہ اور اس کے نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کسی غیر مسلم کو سزائے موت نہیں دی جانی چاہئے۔ اس طرزِ استدلال کے پیچھے مسلم قانون دانوں کو کوئی منطق نظر نہیں آتی۔

تاہم توہینِ رسالت کا تصور مسیحی روایت میں کبھی یکساں نہیں رہا۔ یہ قدیم عبرانی جرم توہینِ خدا سے لے کر ان بیانات تک کو احاطہ کرتا ہے جو دوسروں کے مذہبی احساسات کو مشتعل کرتے ہوں۔ ملحدانہ یا کافرانہ کلمات مختلف معاشروں میں مختلف ہوتے ہیں اور ان میں وقت اور مقام کے ساتھ فرق آ سکتا ہے، لیکن جسے توہینِ رسالت کا نام دیا گیا ہے، اسے ہمیشہ آزادیٔ خیال کا غلط استعمال سمجھا گیا ہے اور وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ نہ اسے برداشت کرتا ہے نہ کر سکتا ہے۔ مسیحی تاریخ میں کس قسم کے فعل یا گفتگو کو ملحدانہ سمجھا گیا، اس کی وضاحت کے لئے درج ذیل نکات مددگار ثابت ہو سکتے ہیں:

- بدگوئی کرنا، الزام لگانا، چیلنج کرنا، تضحیک کرنا یا حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرنا۔

- ان کی ہمسری کا دعویٰ کرنا۔
- جو صلاحیتیں اور صفات ان میں پائی جاتی ہیں، ان کا دعویٰ کرنا۔
- جس روح القدس نے حضرت عیسیٰؑ کو متحرک کیا، اس سے یا خدا کے کسی کام سے کسی بُری اور غیر اخلاقی امنگ کو منسوب کرنا۔
- عقیدہ ترک کرنا یا اس سے انکار کرنا۔
- حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے اختلاف اور عدم اتفاق کرنا۔

مگر اسلام ایک رواداری کی تصویر پیش کرتا ہے۔ مسیحی برادری نے زیادہ تر جسے توہین و بے حرمتی سمجھا، اگر اس کا مرتکب کوئی غیر مسلم ہو تو اس کے خلاف جرم کا ارتکاب بنتا ہی نہیں ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی غیر مسلم حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت سے انکار کرتا ہے تو اسے اس قانون کی رو سے سزا نہیں دی جا سکتی، اس لئے کہ اس نے آپ کی توہین نہیں کی۔ اسی طرح سے کوئی غیر مسلم آپ کی تعلیمات میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے یا عدم اتفاق کا اظہار کرتا ہے تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے کے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا جب تک کہ وہ آپ ﷺ کے لئے توہین آمیز الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قانون توہینِ رسالت کا مسیحی اطلاق اسلام کے قانون شاتمِ رسولؐ سے زیادہ وسیع تھا۔

مغرب میں یہود و نصاریٰ کے نظریہ توہینِ رسالت نے اس پر اور اس سے ملے جلے موضوعات پر قانون کی تشکیل کو متاثر کیا ہے۔ **1611**ء میں جب امریکی ریاست ورجینیا نے اپنا پہلا قانون مدوّن کیا جس میں تثلیث یا عیسائیت کی توہین کرنے کی سزا موت رکھی گئی تو دوسری ریاستوں نے اس کی تقلید میں اس جرم کی سزا موت مقرر کر دی تھی۔ دوسری سزاؤں میں جرمانہ، جسم داغنا، کوڑے مارنا، جلا وطن کرنا اور قید کر دینا شامل تھا۔ یہ سزائیں چھوٹے جرائم کے لئے تھیں یا اعلیٰ سماجی رتبے کے حامل مجرموں کو دی جاتی تھیں۔ یورپ کے دورِ روشن خیالی (سترہویں، اٹھارویں صدی کا عہد) میں توہین کے مقدمات میں کمی آ گئی تھی، لیکن اس دورِ روشن خیالی میں بھی جو

سزا دی جاتی تھی، اس میں زبان میں سوراخ کر دینا بھی شامل تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر پوری شد و مد سے کرنا چاہیے کہ اس قانون کے تحت جب فیصلے سنائے گئے تو زیادہ تر برطانیہ اور امریکہ کے ججوں سے راہنمائی حاصل کی گئی تھی اور ان باتوں کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا جو مسلم قانون دانوں کے ذہنوں میں اعلیٰ درجہ رکھتی تھیں۔ مثال کے طور پر 1676ء میں جان ٹیلر نامی کسان نے مذہب اور حضرت عیسیٰؑ کے خلاف بدکلامی کا ارتکاب کیا تھا۔ اس پر عدالت شاہی نے اسے مجرم قرار دیا تھا۔ چیف جسٹس میتھیو ہب نے فیصلہ اس طرح دیا:

1- سیکولر عدالتوں کے دائرہ اختیار میں کیا تھا کہ وہ توہین مذہب و خدا کے مرتکب مجرموں پر مقدمہ چلائیں اور مرتکبین توہین کو سزا دے سکیں۔

2- عیسائیت ملکی قانون کا حصہ ہے۔

3- ریاست کو حکومت اور مذہب کو تنسیخ سے بچانا ہوتا ہے۔

فیصلے کی آخری شق (3) خاص طور پر اہم ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین کرنے کے جرم کا مقصد حکومت اور مذہب کی تنسیخ کی کوشش تھی۔

چند مغربی مصنفین دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں شامل توہین کرنے والوں کو سزا دینے کے حق میں ہیں۔ کارل ڈبلیو ارنسٹ جس نے انسائیکلو پیڈیا مذاہب کے لئے لکھا، اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

- ''یہود و نصاریٰ کی مذہبی روایت کی توہین خدا و مذہب پر کوئی بالا دستی نہیں ہے۔ کسی بھی معاشرے کو یہ حق حاصل ہے کہ جو بھی ان کے خداؤں کا انکار کرے یا ان کا تمسخر اڑائے اسے سزا دے، اس لئے کہ توہین کا مرتکب ہونا مقدس و متبرک کی زبانی خلاف ورزی ہے، یہ پادریانہ گروہ کی ہتک ہے، پرستش کرنے والوں کے گہرے اعتقادات اور ان بنیادی مذہبی اقدار کی بے حرمتی ہے جو کسی معاشرے کا حصہ ہوتی ہیں۔

اس کی نظر میں توہین ایک لٹمس کاغذ ہے جس سے کسی معاشرے کے ان معیارات کا ٹیسٹ ہوسکتا ہے جن کے بارے میں کوئی معاشرہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے

اپنے مذہبی امن وسلامتی، نظام، اخلاق اور سب سے بڑھ کر نجات کو محفوظ رکھنے کے لئے نافذ کرنا چاہیئے۔ جب کبھی بھی کوئی منظّم مذہب موجود ہو، اس وقت توہین معاشرتی طور پر ممنوع قرار پاتی ہے۔اس کی رائے میں اس وحشیانہ جرم پر قابو پانے کے لئے سزائے موت آخری حربہ ہوتی ہے۔''

درج بالا بحث کی روشنی میں بڑی آسانی سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے اس مضبوط عقیدے کو مغرب سے حاصل کردہ نتائج کی بنیاد پر منسوخ کرنا یا فوجداری قوانین میں ترمیم کرنا غلطی ہو گی۔ کیتھولک چرچ بدعنوان تھا اور معاشرے کا سیکولر نظریہ اس سے ایک مقبول انحراف اور روگردانی تھی۔ اسلام میں روگردانی اور انحراف کی ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی اور بخشش کا سرٹیفکیٹ دینے والے اور پروانہ طلبی بھیجنے والے قرونِ وسطیٰ کے کلیسا اور اس دور کے مُلّا کے درمیان مماثلتیں مرتب کرنا غلط ہو گا کہ یہ جھوٹی ہیں اور مسلمانوں کو اپنے عقیدہ و ایمان سے دور لے جانے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ اس دور کے اسلامی قوانین فوجداری کے صحیح ہونے کا مکمل طور پر جواز مل جاتا ہے جو اسلامی احکامات سے مطابقت رکھتا ہے اور یہ اس لئے ہے کیونکہ اس میں عوام الناس کی مکمل مرضی کا جواز شامل ہوتا ہے۔

قانون توہینِ رسالت اور کچھ بدگمانیاں:

قانون توہین (قانون توہینِ رسالت) کے بارے میں ان اندیشوں پر بحث کرنے سے پہلے جس کا اظہار پاکستانی معاشرے کے چند حلقوں نے کیا ہے، آیئے ہم اس بات کو اپنے ذہنوں میں دُہرا لیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق ریاست کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ جمہوریت کے اصولوں، آزادی، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کی پاسداری کرے، لیکن اس طرح نہیں جس طرح مغرب میں ان اصطلاحات کو سمجھا جاتا ہے، نہ ہی کسی نظری اعتبار سے بلکہ اس طرح جیسے اسلام میں بیان کیا گیا ہے۔ جواز مہیا کرنے والا یہ بیان قرارداد مقاصد میں شامل ہے جسے ہمارے بانیوں نے اس واضح سمجھ بوجھ کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ ان اصطلاحات کی تشریح یورپ

کی لا دینی روایات کے حوالے سے اور نہ ہی کسی اور کلچر کے حوالے کی جائے گی بلکہ انہیں اسلامی احکامات کے تناظر میں سمجھا جائے گا۔

پاکستان کا آئین بلا شبہ غیر مسلم اقلیتوں کو تمام حقوق کی ضمانت مہیا کرتا ہے لیکن یہ حقوق آئین، قانون، عوام الناس کی حکمت عملی اور اخلاقیات سے مشروط ہیں۔ ہمارا آئین شہریوں کے حقوق و مراعات کی کچھ حد بندی بھی کرتا ہے۔ ملکی قانون کی اپنی ضرورتیں اور تقاضے ہوتے ہیں۔ جہاں تک عوام الناس کی حکمت عملی اور اخلاقیات کا تعلق ہے، اسے لوگوں کی اکثریت کے جذبات اور امنگوں کی روشنی میں سمجھا جانا چاہئے اور اس حوالے سے اس کی تشریح بھی ہونی چاہیے۔

کچھ لوگ قانون توہین رسالت کے بارے میں بڑے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں آئین کی رُو سے جن انسانی حقوق کی ضمانت فراہم کی جاتی ہے، یہ اس سے ہم آہنگ نہیں۔ اس بنیاد پر اس احساس کی بمشکل توثیق ہوتی ہے اس لئے کہ آئین نے خود کچھ حدود و قیود مقرر کر رکھی ہیں۔ سیاسی طور پر بھی پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کو ہم یہ مشورہ دیں گے کہ وہ اس قانون پر چیں بہ چیں نہ ہوں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر نہ جانتے ہوں تو انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ پاکستان کے مسلمان کسی کا بھی، جن میں اقلیتیں شامل ہیں، یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کسی بھی بنیاد پر یہ دعویٰ کریں کہ انہیں اپنے ہمسائے کے مذہب کی توہین کرنے یا حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا کوئی حق حاصل ہے۔ پاکستانی مسلمان تو در حقیقت اس منطق کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی پوری تاریخ بنی نوع انسان کی سب سے زیادہ قابل احترام اور محبوب شخصیت کی توہین کرنے کی آزادی کا حق کس طرح مانگ رہا ہے۔

یہ ہمارے معاشرے کے ایک ایسے طبقے کی نام نہاد آزاد خیالی ہے جو فی الحقیقت برائے نام تعداد میں ہیں، اس کا مطالبہ صرف اس وقت کیا جاتا ہے جب مسلم آبادی کو اکثریت کے حقوق و مراعات کی بات پیش نظر ہوتی ہے لیکن جہاں ان کے اپنے مفادات وابستہ ہوں وہاں وہ سب سے زیادہ عدم رواداری بلکہ ظلم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آزاد خیال دانشور یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ ان کی اپنی آزادی کے اصولوں کی باطنی تنگ نظری کس حد تک ہے۔ آزاد خیالات اور سائنسی نقطۂ نظر کے نام پر جو تباہی و بربادی کی گئی، وہ انسانی آزادی اور شائستگی کے لئے مذہب کے نام پر پھیلائی جانے والی بربادی سے کہیں زیادہ تباہ کن ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں آزاد خیالات کے علمبرداروں نے جس سفا کی و بے رحمی کا مظاہرہ کیا، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں وسطی ایشیا کے بائیں بازو کے انتہا پسندوں کے حقائق و واقعات اور جو کچھ ان دنوں بوسنیا میں ہو رہا ہے، وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہم مسلمانوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم ان لوگوں کے خیالات سے مصالحت کرتے ہوئے اپنی بنیادی اقدار اور اپنی قومی شناخت کو نظر انداز کر دیں جن لوگوں نے خود ہمارے ساتھ کبھی کشادہ دلی اور بے تعصبی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

کچھ لوگ اس دلیل کی آڑ لے کر اس قانون پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جدید سیکولر تصورات سے ہم آہنگ نہیں۔ وہ شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ پاکستان کبھی بھی ایک سیکولر یا لادینی ملک نہیں رہا، نہ ہی یہ سیکولرازم یا لا دینیت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا بلکہ یہ تو عین اس وقت معرضِ وجود میں آیا تھا جب مسلمانوں نے انڈین نیشنل کانگریس کا متحدہ ہندوستان کا نیشنلزم کا لا دینی نظریہ مسترد کر دیا تھا اور ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ محض اس لئے کیا کہ وہ ایک جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا دین اکثریت کے مذہب سے مختلف تھا۔

اس لئے ہمارے غیر مسلم دوستوں کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کبھی بھی ایک لادینی ریاست نہیں رہا۔ ایک لادینی ریاست کا اپنے مفہوم کے لحاظ سے کبھی کوئی ریاستی مذہب نہیں رہا۔ یہ کسی مذہب کے نصب العین اور اقدار کی علمبردار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ یہ مذہبی اعتقادات کی بنیاد پر قومیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس لئے پاکستان اور پاکستانیوں سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہئے کہ وہ دوسری لادینی ریاستوں کا سا رویہ اختیار کریں گے اور ان جیسی پالیسیاں وضع کریں گے۔ قطع

نظر اس بات کے کہ دوسری لادینی ریاستیں کہاں تک ان معاملات میں لادینی طور طریقوں پر عمل کر رہی ہیں جن میں مسلمان محض اتفاق کے طور پر مستفید ہو رہے ہوں۔

کچھ لوگ اس قانون کے تشکیل پانے کی وجہ مُلّا کا ''کٹر پن'' اور ''ابہام پسندی'' قرار دیتے ہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ مُلّا کی ہٹ دھرمی اور آمریت پسندی وہ بنیادی سبب ہے جس کے نتیجے میں اس طرح کے ناپسندیدہ قوانین متعارف ہوئے، لیکن مُلّا کی سخت گیری اور آمریت پسندی کے نقادوں نے مغربی مُلّا کے کٹر پن اور آمریت پسندی کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے جو اس وقت ہر طرح کی نفاست اور تہذیب کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے جب وہ حضور نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ و ارفع ذات گرامی کا ذکر کرنے لگتا ہے۔ جو مسلمانوں کو اپنے لئے مناسب لباس منتخب کرنے کی آزادی دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا اور وہ مسلمانوں کو اس قدر آزادی دینے پر بھی تیار نہیں جو انہوں نے اپنی کوششوں سے ہندوستان پر برطانوی نوآبادیاتی عہدِ حکومت میں حاصل کر رکھی تھی۔

کچھ لوگوں نے یہ کوشش کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت سے انکار کے معاملے کو آپ کی ذات اقدس اور رتبے کی توہین کے ساتھ گڈ مڈ کر کے الجھا دیا جائے۔ یہ دونوں بالکل علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں۔ کوئی غیر مسلم اس فعل میں آزاد ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن یہ اجازت کسی کو بھی نہیں دی جا سکتی کہ وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ ﷺ کے خلاف توہین آمیز زبان استعمال کرے۔

کچھ اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ اس قانون کے خلاف دلچسپ بلکہ عجیب و غریب استدلال کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نفاذِ قانون اور عدلیہ کے شعبے کے موجودہ رو بہ زوال حالات کے پیشِ نظر کسی شخص کو نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے کے جرم میں سزا دینا بے معنی ہوگا۔ اگر اس استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر قابل سزا اور مجرمانہ قواعد وضوابط کے قانون کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں منسوخ کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ آج دنیا کے کونے کونے میں امن و امان کی صورتِ حال خراب ہوتی جا رہی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کے صاحبانِ اقتدار ان معاملات میں

مناسب شعور نہیں رکھتے۔

حال ہی میں حکومت نے ایک ایسی کمیٹی تشکیل دی ہے جس کے اراکین میں چار مسلمان اور چار اقلیتی نمائندے ہوں گے لیکن مسلم اراکین میں قانون دانوں اور علمائے کرام میں سے کسی کو شامل نہیں کیا گیا۔ کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ان جرائم میں جو مجموعہ تعزیراتِ پاکستان باب نمبر 15 کی دفعہ C-295 کے تحت زیرِ سماعت ہیں، ایک مختلف ضابطۂ عمل اپنایا جائے۔ مجوزہ ضابطۂ عمل یہ ہے کہ پولیس کو ایف آئی آر درج کرنے کی بجائے فوری طور پر تفتیش شروع کر دینی چاہیئے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ رپورٹ درج کی جائے یا نہیں، یوں پولیس افسروں کو ایسے عدالتی اختیارات حاصل ہوں گے جو انہیں یہ فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے کہ جرم کا ارتکاب ہوا ہے یا نہیں۔

اس تجویز میں سنگین مضمرات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف ایف آئی آر کے درج کرنے میں تاخیر کی وجہ سے زیادہ تر مقدمات کی کارروائی دیر سے شروع ہو گی، امن و امان کا مسئلہ کھڑا ہو گا جس کے نتیجے میں ملزم اور دوسرے مشتبہ افراد کا قتل بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک طرح سے ملزم کو اپنے قانونی تحفظ کے حق سے محروم کر دینے کے مترادف ہے۔ مزید برآں ایف آئی آر کے اندراج میں تاخیر شکوک وشبہات کو جنم دے گی اور اس مقدمے کی قانونی حیثیت کے بارے میں شکوک پیدا ہوں گے۔ جس کا آغاز ایک تاخیر سے درج شدہ ایف آئی آر کی بنیاد پر ہوا۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک میں جرم کی تفتیش میں پولیس کی کارکردگی تنقید کا موضوع بنی رہی ہے۔ ایسی مضبوط بنیادیں موجود ہیں جن پر پولیس کی کارکردگی کے بارے میں ذہنی تحفظات کا جواز ملتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں پولیس کو جو اختیارات دیے جاتے ہیں کہ وہ کسی معاملے کو اپنی سطح پر نمٹا دے گی، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ فی الواقع خود قانون کو کالعدم کر دیا گیا ہے۔

کچھ لوگوں نے تجویز دی ہے کہ قانون میں ایسی خصوصی گنجائش رکھی جائے جس کی مدد سے مستغیث کو جھوٹا الزام دینے پر اس وقت سزا دی جا سکے جب عدالت میں مقدمے کی سچائی ثابت نہ ہو سکے۔ یہ بات قانون و انصاف کے تمام معیارات کے خلاف لگتی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عدالتی نظام تیزی کے ساتھ رو بہ زوال ہونے

کے عمل سے گزر رہا ہو، جہاں مدعیان اور فریادیوں کو قانون کا تحفظ حاصل نہ ہو، جہاں عدالتی کمروں میں گواہوں کو دھمکیاں ملتی ہوں، جہاں فریقین کو قتل کر دیا جاتا ہو اور عدالتوں کے احاطے کے اندر مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہو، اس قسم کی ترمیم اس قانون کے تحت مجرموں کو سزا دینے کے تمام دروازے بند کر دے گی۔ کس میں اتنی جرات ہوگی کہ وہ سامنے آئے اور بات کرے جبکہ وہ یہ جانتا ہو کہ اگر اس کی درخواست کسی بھی بنیاد پر مسترد ہو گئی تو خود اس پر مقدمہ چلے گا، خصوصاً اس وقت جبکہ نہ صرف قانون بنانے والوں، اعلیٰ سرکاری افسروں بلکہ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی ہمدردیاں بھی مجرموں کے ساتھ ہوں۔

مستغیث کو سزا دینے کی مجوزہ ترمیم بے جواز اور غیر موزوں لگتی ہے، اس لیے کہ پی پی سی اور سی پی سی میں تو پہلے ہی اس شخص کو سزا دینے کی گنجائش موجود ہے جو جھوٹی اور غلط معلومات محض اس ارادے سے مہیا کرتا ہے کہ دوسرے شخص کو نقصان پہنچا سکے۔ مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان (پی پی سی) کا باب گیارہ **(XI)** ایسے مقدمات کے بارے میں ہے جس میں جھوٹی شہادت اور انصاف عامہ حاصل نہ ہونے سے متعلق جرائم شامل ہیں۔ اس مجرم کے لئے جو حضور نبی کریم ﷺ کی تقدس مآب شخصیت کی توہین کرے، قانون میں دفعات شامل کرنے کی بجائے باب **XI**
(Evidence and Offences Against Public Justice of False)
پر نظر ثانی کی جانی چاہیئے، اسے مزید آسان اور زیادہ مؤثر بنایا جائے۔

ڈاکٹر انیس احمد

تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ اور ہماری ذمہ داری

پاکستان کی داخلی سیاست میں ہر تھوڑے عرصے کے بعد، خصوصاً ایسے مواقع پر جب ملک کو سخت معاشی بحران اور سیاسی انتشار کا سامنا ہو، بعض ایسے معاملات کو جو غیر متنازع اور اُمت کے اندر اجماع کی حیثیت رکھتے ہوں، نئے سرے سے کھڑا کر دیا جاتا ہے تاکہ عوام کی توجہ کو معاشی اور سیاسی مسائل سے ہٹا کر ان معاملات میں اُلجھا دیا جائے اور غیر متنازع امور کو متنازعہ بنا دیا جائے۔ اس سلسلے میں الیکٹرونک میڈیا باہمی مسابقت اور بعض دیگر وجوہ سے مسئلے کو اُلجھانے میں اور ان سوالات کو اُٹھانے میں سرگرم ہو جاتا ہے جو نام نہاد حقوق انسانی کے علم بردار اور سیکولر لابی کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔

ان موضوعات میں ایک قانونِ ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں سیکولر لابی اور بیرونی امداد کے سہارے چلنے والی این جی اوز اور انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والے بعض ادارے نہ صرف خصوصی دلچسپی لیتے ہیں بلکہ منظّم انداز میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ملک کو تصادم کی طرف دھکیلنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

آج کل ایک مسیحی خاتون آسیہ بی بی کے حوالے سے ملکی صحافت اور ٹی وی چینل عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مروجہ قانون ایک انسانی قانون ہے۔ یہ کوئی الٰہی قانون نہیں ہے، اس لیے اسے تبدیل کر کے شاتمِ رسولؐ کے لیے جو سزا قانون میں موجود ہے، اسے ایسا بنا دیا جائے جو 'مہذب دنیا' کے لیے قابلِ

قبول ہوجائے (حالانکہ اس 'مہذب دنیا' کے ہاتھوں دنیا کے گوشے گوشے میں معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے، اسی 'مہذب دنیا' نے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر پوری دنیا میں دہشت گردی کا بازار گرم کررکھا ہے جس سے لاکھوں افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں اور اب بھی ہزاروں کو محض شبہے کی بنیاد پر گولیوں اور میزائل کا نشانہ بنایا جا رہا ہے)۔ واضح رہے کہ موصوفہ کا معاملہ ابھی عدالتِ عالیہ میں زیر سماعت ہے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لیے ایک طوفان برپا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ [14 اکتوبر 2014ء کو لاہور ہائی کورٹ کے دو معزز جج صاحبان جناب جسٹس سید شہباز علی رضوی اور جناب جسٹس محمد انوار الحق نے سیشن کورٹ کی طرف سے دی گئی مجرمہ کی سزا کو بحال رکھا۔ جبکہ 31 اکتوبر 2018ء کو سپریم کورٹ نے مجرمہ آسیہ مسیح کو رہا کر دیا۔]

گورنر پنجاب نے بھی اپنے اخباری بیان میں اسی بات پر زور دیا کہ یہ ایک انسان کا بنایا ہوا قانون (بلکہ العیاذ باللہ ان کے الفاظ میں: 'کالا قانون') ہے اور اسے تبدیل کیا جانا چاہیے۔ وہ اپنے منصب کے دستوری تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے جیل میں پہنچ گئے اور ملزمہ کے ساتھ ایک پریس کانفرنس تک منعقد کرڈالی جو ملک میں نافذ دستور اور نظامِ قانون کی دھجیاں بکھیرنے کے مترادف تھی۔ ہم چاہیں گے کہ اس موضوع پر انتہائی اختصار کے ساتھ معاملے کے چند بنیادی پہلوؤں کی طرف صرف نکات کی شکل میں اشارتاً کچھ عرض کریں۔

مسئلے کا سب سے اہم اور بنیادی پہلو وہی ہے جسے ایک صوبائی گورنر نے متنازعہ بنانا چاہا ہے، یعنی شاتمِ رسولؐ کی سزا کیا انسانوں کی طے کی ہوئی شے ہے، یا یہ اللہ کا حکم ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت کی واضح ہدایات اور نصوص ہیں، نیز کیا یہ حکم اسلام کے ساتھ خاص ہے یا یہ الٰہی قانون تمام مذاہب اور تہذیبوں کی مشترک میراث ہے۔ مناسب ہوگا کہ قرآن کریم یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے سے قبل یہ دیکھ لیا جائے کہ کیا قبلِ اسلام اس نوعیت کا کوئی الہامی یا الٰہی حکم پایا جاتا تھا یا نہیں۔

یہودیت اور عیسائیت میں

یہودی اور عیسائی مذہب کی مقدس کتابوں عہدنامہ قدیم اور عہدنامہ جدید پر نظر ڈالی جائے تو عہدنامہ قدیم میں واضح طور پر یہ الفاظ ملتے ہیں:

you shall not revile God (Exodus 22: 28)

اس کا مفہوم یہ ہوگا: ''تو خدا کو نہ کوسنا'' اور بُرا بھلا نہ کہنا'' (ملاحظہ ہو، کتاب مقدس پرانا اور نیا عہدنامہ، لاہور **1993**ء، بائبل سوسائٹی، ص **75**)۔ عہدنامہ قدیم میں آگے چل کر مزید وضاحت اور متعین الفاظ کے ساتھ یہ بات کہی گئی: اور جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔

(ایضاً احبار، باب **24**: **15-17**، ص **118**)

انگریزی متن کے الفاظ بھی غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے:

"And he that blasphemeth the name of the Lord, he shall surely be put to death, and all the congregation shall certainly stone him: as well as the stranger, as he that is born in the Land, when he blashphemeth the name of the Lord, shall be put to death."

(Leveticm 24: 11-16)

میثاقِ جدید کے یہ الفاظ بھی قابلِ غور ہیں:

"Wherefore I say unto you, all manner of sin and blasphemy shall be forgiven unto men: but to blasphemy against the Holy Christ, shall not be forgiven unto men." (Mathen 12:31)

اس کا مفہوم یہ ہوگا: ''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روحِ مقدس کے بارے میں ہو، وہ معاف نہ کیا جائے گا'' (متی باب **12**:**31**، کتاب مقدس، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، **1993**ء، میثاقِ جدید، ص **15**)

قرآن وسنت کی رو سے

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص بغاوت (Treason) کرتا ہے، قرآن کریم نے اس کی سزا کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (المائدہ:33)

ترجمہ: ’’جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کردیے جائیں۔‘‘

سورۂ مجادلہ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا، چنانچہ فرمایا:

- اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ط وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ (المجادلہ:5)

ترجمہ: ’’جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے تھے اور ہم نے صاف اور کھلی آیتیں نازل کردی ہیں جو نہیں مانتے، ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔‘‘

گویا الٰہی قانون میں توہینِ رسالت (Blasphemy) کی سزا بنی اسرائیل کے لیے، عیسائی مذہب کے پیروکاروں کے لیے، اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یکساں طور پر مجرم کا قتل کیا جانا ہے۔

ایک لمحے کے لیے اس پہلو پر بھی غور کرلینا مفید ہوگا کہ کیا ایسی سزا کا نفاذ ایک ایسی ہستیؐ کے مزاج، طبیعت اور شخصیت سے مناسبت رکھتا ہے جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہو، جو خون کے پیاسوں کو قبائیں دینے کا

حوصلہ رکھتا ہو، جو اپنے چچاؓ کے قاتلوں کو بھی معاف کردینے کا دل گردہ رکھتا ہو۔ بات بڑی آسان سی ہے۔ سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تابناک ابواب میں سے فتح مکہ کے باب کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ہرممکنہ ظلم مکّی دور میں آپؐ پر کیا، حضرت یوسفؑ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سب کو معاف کر دیا، لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ...... لیکن بات یہاں رُک نہیں گئی ...... اس عظیم معافی کے باوجود وہ چار افراد جو ارتداد اور توہینِ رسالت ﷺ کے مرتکب ہوئے پیش کیے گئے تو ان کے قتل کا فیصلہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا اور ان تین مردوں اور ایک خاتون کو موت کی سزا دی گئی۔ ان میں سے خاتون قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی مکہ کی مغنیہ تھی اور حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی اور ہجو پرمبنی گیت اس کا وتیرہ تھے۔ (ملاحظہ ہو: بخاری، فتح مکہ اور شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ، جلد اوّل، اعظم گڑھ، مطبع معارف، 1946ء، ص 525)

یہ محض ایک واقعے سے استدلال نہیں، نبی اکرمؐ کے ایک قانونی فیصلے کا معاملہ ہے جو اُمت کے لیے ہمیشہ کے لیے حجت ہے۔

قرآن وسنتِ رسولؐ کے ان نصوص کے بعد قرآن اور حدیث کو سند اور حجت ماننے والا کوئی شخص کس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ شاتمِ رسولؐ کی سزا قتل کے علاوہ کچھ اور ہوسکتی ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔ چنانچہ وہ اہلِ سنت ہوں یا اہلِ تشیع، 15 سو سال میں اس مسئلے پر کسی کا اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس سلسلے میں فقہاے اُمت میں علامہ ابن تیمیہ کی الصارم المسلول علی شاتم الرسولؐ، تقی الدین سبکی کی السیف المسلول علی من سب الرسولؐ، ابن عابدین شامی کی تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیرالانامؐ ان چند معروف کتب میں سے ہیں جو اس اجماعِ اُمت کو محکم دلائل اور شواہد کے ساتھ ثابت کرتی ہیں۔

پاکستان کے تناظر میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سیکولر لابی عموماً اس معاملے میں اپنا نزلہ مولویوں پر ہی گراتی ہے کہ یہ ان کا پیدا کردہ مسئلہ ہے ورنہ جو لوگ

روشن خیال، وسیع القلب اور تعلیم یافتہ شمار کیے جاتے ہیں، وہ اس قسم کے معاملات میں نہ دل چسپی رکھتے ہیں اور نہ ایسے مسائل کی توثیق کرتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس حوالے سے صرف دو ایسی شخصیات کا تذکرہ کر دیا جائے جنھیں سیکولر لابی کی نگاہ میں بھی 'روشن خیال'، 'وسیع القلب' اور 'تعلیم یافتہ' تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ مغربی قانون اور فلسفۂ قانون پر ان کی ماہرانہ حیثیت بھی مسلّم ہے۔ گویا کسی بھی زاویے سے انھیں مولویوں کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا، یعنی بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور تصورِ پاکستان کے خالق اور شارح علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔

اس خطے میں جب غازی علم الدین شہید نے ایک شاتمِ رسولؐ کو قتل کیا تو ملزم کا وکیل کوئی 'مولوی' نہیں وہی 'روشن خیال' برطانیہ میں تعلیم پانے والا، اصول پرست اور کھرا انسان محمد علی جناح تھا جس نے کبھی کوئی جھوٹا یا مشتبہ مقدمہ لڑنا پسند نہیں کیا اور اپنے ملزم کے دفاع میں اور ناموسِ رسولؐ کے دفاع میں اپنی تمام تر صلاحیت کو استعمال کیا۔ اور جب غازی علم الدین کی تدفین کا مرحلہ آیا تو 'روشن دماغ' علامہ اقبال نے یہ کہہ کر اسے لحد میں اُتارا کہ ''ایک ترکھان کا بیٹا ہم پڑھے لکھوں پر بازی لے گیا''۔

سوچنے کی بات صرف اتنی سی ہے کہ کیا یہ دو ماہر قانون دان 'حریت بیان'، 'قلم کی آزادی'، 'انسان کے پیدایشی حقِ اظہار' سے اتنے ناواقف تھے کہ 'جذبات' میں بہہ گئے۔

بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی

معاملے کا دوسرا پہلو حقوقِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر انسان کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرے اور اگر کوئی چیز قابلِ تنقید ہو تو اس پر تنقید بھی کرے، لیکن کسی بھی انسان کو آزادیِ قلم اور حریت بیان کے بہانے یہ آزادی نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی دوسرے فرد کی عزت، ساکھ، معاشرتی مقام اور کردار کو نشانہ بنا کر نہ صرف اس کی بلکہ اُس سے وابستہ افراد کی دل آزاری کا ارتکاب کرے۔

اگر یورپ کے بعض ممالک میں (مثلاً ڈنمارک، اسپین، فن لینڈ، جرمنی، یونان، اٹلی، آئرلینڈ، ناروے، نیدرلینڈ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا وغیرہ) آج تک

یا مذہبی جذبات مجروح کرنے پر قانون پایا جاتا ہے اور برطانیہ جیسے Blasphemy رواداری والے ملک میں ملکہ کے خلاف توہین Blasphemy کی تعریف میں آتی ہے، تو کیا کسی کارٹونسٹ یا کم تر درجے کے ادیب یا ادیبہ بلکہ کسی بھی فرد کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ گھٹیا ادب کے نام پر جو ہرزہ سرائی چاہے کرے۔ معاملہ تحریر کا ہو یا تقریر کا، ہر وہ لفظ اور ہر وہ بات جو ہتک آمیز ہو، اسے 'آزادیِ رائے' کے نام پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی عقل کا اندھا ہی کرسکتا ہے۔ کسی بھی مہذب معاشرے میں آزادیِ رائے کے نام پر کسی دوسرے کے حقِ شہرت، حقِ عزت کو پامال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو یہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی۔

ہولوکاسٹ پر تنقید جرم

سیکولر اور آزاد خیال دنیا جس چیز کو اہم سمجھتی ہے، اس پر حرف گیری کو جرم قرار دیتی ہے اور عملاً اپنے پسندیدہ تصورات اور واقعات پر تنقید، محاسبے اور بحث و استدلال تک کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

آج جو لوگ اللہ کی مقدس کتابوں کی تحقیر و تذلیل اور اللہ کے پاک باز رسولوں کو سب و شتم کا نشانہ بنانے سے روکنے کو آزادیِ رائے اور آزادیِ اظہار کے منافی قرار دیتے ہیں اور ان گھناؤنے جرائم کے مرتکبین کو پناہ دینے میں شیر ہیں، ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جرمنی میں ہٹلر کے دور میں یہودیوں پر جو مظالم ڈھائے گئے اور جنھیں بین الاقوامی قانون اور سیاست کی اصطلاح میں 'ہولوکاسٹ' کہا جاتا ہے، محض یہودیوں اور صہیونیت کے علَم برداروں کو خوش کرنے کے لیے ان پر تنقید کو اپنے دستور یا قانون میں جرم قرار دیتے ہیں۔ ایسے محققین، مؤرخین اور اہلِ علم کو جو دلیل اور تاریخی شہادتوں کی بنا پر 'ہولوکاسٹ' کا انکار نہیں صرف اس کے بارے میں غیر حقیقی دعووں پر تنقید و احتساب کرتے ہیں، نہ صرف انھیں مجرم قرار دیتے ہیں بلکہ عملاً انھیں طویل مدت کی سزائیں دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آسٹریا کا قانون National Socialism

Prohibition Law 1947 amended 1992 کی رُو سے جو مندرجہ ذیل جرم کا ارتکاب کرے گا:

‘‘**Whoever denies, grossly plays down, approves, or tries to excuse the National Socialist genocide or other National Socialist crimes against humanity in print publication, in broadcast or other media....will be punished with imprisonment from one to ten years, and in cases of particularly dangerous suspects or activity be punished with upto twenty years imprisonment.**’’

جو کوئی طباعتی، نشری یا کسی اور میڈیا میں انسانیت کے خلاف قومی سوشلسٹ جرائم یا قومی سوشلسٹ نسل کشی کا انکار کرتا ہے، یا اسے بہت زیادہ کم کر کے بیان کرتا ہے یا اس کے لیے عذر فراہم کرتا ہے، اسے ایک تا **10** سال کی سزائے قید اور خصوصی طور پر خطرناک مجرموں کو یا سرگرمیوں پر **20** سال تک کی سزائے قید دی جا سکے گی۔

آسٹریا میں یہ قانون کتابِ قانون کی صرف زینت ہی نہیں ہے بلکہ عملاً دسیوں محققین، اہلِ علم، صحافیوں اور سیاسی شخصیات کو سزا دی گئی ہے اور برسوں وہ جیل میں محبوس رہے ہیں۔ اس سلسلے کے مشہور مقدمات میں مارچ **2006**ء میں برطانوی مؤرخ ڈیوڈ ارونگ کو ایک سال کی سزا اور جنوری **2008**ء میں وولف گینگ فروہلچ کو ساڑھے چھے سال کی سزا دی گئی اور عالمی احتجاج کے باوجود انھیں اپنی سزا بھگتنی پڑی۔ حقوقِ انسانی کے کسی علَم بردار ادارے یا ملک نے ان کی رہائی کے لیے احتجاج نہیں کیا اور نہ سیاسی پناہ دے کر ہی انھیں اس سزا سے نجات دلائی۔ یورپ کے جن ممالک میں محض ایک تاریخی واقعے کے بارے میں اظہار یا تخفیف کے اظہار کو جرم قرار دیا گیا، ان میں آسٹریا کے علاوہ بلجیم، چیک ری پبلک، فرانس، جرمنی، ہنگری، سوئٹزرلینڈ، لکسمبرگ، ہالینڈ اور پولینڈ میں قوانین موجود ہیں۔ اسی طرح اسپین، پرتگال اور رومانیہ میں بھی قوانین موجود ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر ایک عام آدمی کی عزت کی حفاظت کے لیے **Law of**

آزادیِ اظہار کے خلاف نہیں اور ہولوکاسٹ کے انکار یا Libel and Slander بیان میں تحقیر یا تخفیف کو جرم قابلِ سزا تسلیم کیا جاتا ہے تو اللہ کے رسولوں اور انسانیت کے محسنوں اور رہنماؤں کی عزت و ناموس کی حفاظت کے قوانین نعوذ باللہ' کالے قوانین' کیسے قرار دیے جاسکتے ہیں۔

رہی آج کی مہذب دنیا جو انسانی جان، آزادی اور اظہار رائے کی محافظ اور علَم بردار بن کر دوسرے ممالک اور تہذیبوں پر اپنی رائے مسلط کرنے کی جارحانہ کارروائیاں کررہی ہے، وہ کس منہ سے یہ دعویٰ کررہی ہے جب اس کا اپنا حال یہ ہے کہ محض شبہے کی بنیاد پر دوچار اور دس بیس نہیں لاکھوں انسانوں کو اپنی فوج کشی اور مہلک ہتھیاروں سے موت کے گھاٹ اُتار رہی ہے۔ بیسویں صدی انسانی تاریخ کی سب سے خوں آشام صدی رہی ہے۔ جس میں صرف ایک صدی میں دنیا کی کُل آبادی کا 7.3 فی صد استعماری جنگوں اور مہم جوئی کی کارروائیوں میں لقمۂ اجل بنا دیا گیا ہے اور اکیسویں صدی کا آغاز ہی افغانستان اور پاکستان میں بلاامتیاز شہریوں کو ہلاک کرنے سے کیا گیا ہے۔

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

قانون توہینِ رسالت ﷺ کی ضرورت

تیسرا قابلِ غور پہلو اس قانون کا اجماعی قانون ہونا ہے۔ یہ کسی آمر کا دیا ہوا قانون ہے یا پارلیمنٹ کا پاس کردہ، اس پر تو ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ اس قانون کی ضرورت کم ازکم چار وجوہات کی بنا پر تھی:

اوّل، یہ قانون ملزم کو عوام کے رحم و کرم سے نکال کر قانون کے دائرے میں لاتا ہے۔ اس طرح اسے عدلیہ کے فاضل ججوں کے بے لاگ اور عادلانہ تحقیق کے دائرے میں پہنچا دیتا ہے۔ اب کسی کے شاتم ہونے کا فیصلہ کوئی فرد یا عوامی عدالت نہیں کرسکتی۔ عوام کے جذبات اور دخل اندازی کی گنجایش ختم ہوجاتی ہے۔ جب تک فاضل

عدالت پوری تحقیقات نہ کرلے، ملزم کو صفائی کا موقع فراہم نہ کرے، کوئی اقدام نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے یہ قانون سب سے زیادہ تحفظ ملزم ہی کو فراہم کرتا ہے اور یہی اس کے نفاذ کا سب سے اہم پہلو ہے۔

دوم، یہ قانون دستورِ پاکستان کا تقاضا ہے کیونکہ دستورِ پاکستان ریاست کو اس بات کا ذمہ دار ٹھیراتا ہے کہ وہ اسلامی شعائر کا احترام و تحفظ کرے اور ساتھ ہی مسلمان اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچائے۔

سوم، یہ قانون پاکستان کی 95 فی صد آبادی کے جذبات کا ترجمان ہے جس کا ہر فرد قرآن کریم اور حدیثِ رسولؐ کے ارشادات کی رُو سے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اپنی جان، اپنے والدین، دنیا کی ہر چیز والد والدہ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ (بخاری، مسلم)

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ National Commission for Justice & Peace کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ 1986ء سے 2009ء تک اس قانون کے حوالے سے پاکستان میں کُل 964 مقدمات زیرِ سماعت آئے جن میں 479 کا تعلق مسلمانوں سے، 340 کا قادیانیوں سے، 119 کا عیسائیوں سے، 14 کا ہندوؤں سے اور 12 کا دیگر مسالک کے پیروکاروں سے تھا۔ ان تمام مقدمات میں سے کسی ایک میں بھی اس قانون کے تحت عملاً کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی۔ عدالتیں قانون کے مطابق انصاف کرانے کے عمل کے تمام تقاضے پورا کرتی ہیں، جب کہ سیکولر لابی ہر ملزم کو مظلوم بنا کر پیش کرتی ہے۔ انصاف کے عمل کو سبوتاژ کیا جاتا ہے۔ میڈیا وار اور بیرونی حکومتوں، اداروں اور این جی اوز کا واویلا قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے، قانون کی عمل داری اور انصاف کی فراہمی کے عمل کو ناکام کرنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہتک، توہین، سب وشتم کا ارتکاب کرتا ہے تو عدالت کو حقیقت کو جاننے اور اس کے مطابق مقدمے کا فیصلہ کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ صحافت اور الیکٹرونک میڈیا اور

این جی اوز اس کی ہمدردی اور 'مظلومیت' میں رطب اللسان ہوجاتے ہیں، حالانکہ مسئلہ ایک عظیم شخصیت، انسانِ کامل اور ہادیِ اعظم کو نشانہ بنانے کا اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا ہے۔ کیا اہانت اور استہزا کو محض 'آزادیِ قلم و لسان' قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا اسی کا نام عدل و رواداری ہے؟ حقیقی مظلوم کون ہے؟

جو کھیل ہمارے یہ آزادی کے علَم بردار کھیل رہے ہیں وہ نہ اخلاق کے مسلّمہ اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ انصاف کے تقاضوں سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ یہ محض جانب داری اور من مانی کا رویہ ہے۔ اسلام ہر فرد سے انصاف کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ایک شخص اس وقت تک صرف ملزم ہے مجرم نہیں جب تک الزام عدالتی عمل کے ذریعے ثابت نہیں ہوجاتا۔ لیکن جس طرح عام انسانوں کا جذبات کی رو میں بہہ کر ایسے ملزم کو ہلاک کردینا ایک ناقابلِ معافی جرم ہے، اسی طرح ایسے فرد کو الزام سے عدالتی عمل کے ذریعے بری ہوئے بغیر مظلوم قرار دے کر اور سیاسی اور بین الاقوامی دباؤ کو استعمال کر کے عدالتی عمل سے نکالنا بلکہ ملک ہی سے باہر لے جانا بھی انصاف کا خون کرنا ہے اور لاقانونیت کی بدترین مثال ہے۔

حالیہ مقدمہ اور قانون کی تنسیخ کا مطالبہ

قانونِ توہینِ رسالتؐ پر جس کیس کی وجہ سے گرد اُڑائی جارہی ہے، اب ہم اس کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرتے ہیں:

آسیہ کیس کے بارے میں دی نیوز کی وہ رپورٹ بڑی اہمیت کی حامل ہے جو 26 نومبر کے شمارے میں شائع کی گئی ہے اور جس میں اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے کہ یہ واقعہ جون 2009ء کا ہے جس کو ایس پی پولیس کی سطح پر واقعے کے فوراً بعد شکایت کرنے والے 27 گواہوں اور ملزمہ کی طرف سے پانچ گواہوں سے تفتیش کے بعد سیشن عدالت میں دائر کیا گیا۔ ملزمہ نے ایک جرگے کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور معافی کی درخواست کی۔ مقدمے کے دوران کسی ایسے دوسرے تنازعے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا جسے اب وجہِ تنازع بنایا جارہا ہے۔ جس جج نے فیصلہ دیا ہے، وہ اچھی

شہرت کا حامل ہے اور ننکانہ بار ایسوسی ایشن کے صدر رائے ولایت کھرل نے جج موصوف کی دیانت اور integrity کا برملا اعتراف کیا ہے۔ رپورٹ میں یہ بات بھی صاف الفاظ میں درج ہے کہ:

''علاقے کی بار ایسوسی ایشن کا دعویٰ ہے کہ اصل فیصلے کو پڑھے بغیر شور وغوغا کیا جا رہا ہے، حالانکہ عدالت میں ملزمہ کے بیان میں کسی دشمنی یا کسی سیاسی زاویے کا ذکر نہیں جس کا اظہار اب کچھ سیاست دانوں یا حقوقِ انسانی کے چیمپئن اور این جی اوز کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اصل فیصلے کے مندرجات کو یکسر نظرانداز کر کے اس کیس کو سیاسی انداز میں اُچھالا جا رہا ہے اور قانون ناموسِ رسالتؐ کو ہدف بنایا جا رہا ہے۔ ہم اس رپورٹ کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی عدالتی عمل کے اہم مراحل موجود ہیں۔ ہائی کورٹ میں اپیل اور سپریم کورٹ سے استغاثہ وہ قانونی عمل ہے جس کے ذریعے انصاف کا حصول ممکن ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس عمل کو آگے بڑھانے کے بجائے ایک گروہ اسے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے، اور اس سے بھی زیادہ قابلِ مذمت بات یہ ہے کہ تحفظ ناموس رسالتؐ کے قانون ہی کی تنسیخ یا ترمیم کا کورَس برپا کیا جا رہا ہے جو ایک خالص سیکولر اور دین دشمن ایجنڈے کا حصہ ہے۔ پاکستان کی حکومت اور قوم کو اس کھیل کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔

آزادیِ اظہار کے نام پر جرم کی تحلیل اور مجرموں کی توقیر کا دروازہ کھلنے کا نتیجہ بڑی تباہی کی شکل میں رونما ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کی یہ قانون ایک حصار ہے اور ایک طرف دین اور شعائر دین کے تحفظ کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف سوسائٹی میں رونما ہونے والے کسی ناخوش گوار واقعے کو قانون کی گرفت میں لانے اور انصاف کے عمل کا حصہ بنانے کا ذریعہ ہے ورنہ معاشرے میں تصادم، فساد اور خون خرابے کا خطرہ ہوسکتا ہے جس کا یہ سدباب کرتا ہے۔ قانون اپنی جگہ صحیح، محکم اور ضروری ہے۔ قانون کے تحت پورے عدالتی عمل ہی کے راستے کو ہر کسی کو اختیار کرنا چاہیے، نہ عوام کے لیے

جائز ہے کہ قانون اپنے ہاتھ میں لیں اور نہ ان طاقت ور لابیز کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ قانون کا مذاق اُڑائیں اور عدالتی عمل کی دھجیاں بکھیرنے کا کھیل کھیلیں۔ معاشرے میں رواداری، برداشت اور قانون کے احترام کی روایت کا قیام ازبس ضروری ہے اور آج ہر دو طرف سے قانون کی حکمرانی ہی کو خطرہ ہے۔

حق تو یہ ہے کہ یہ قانون نہ صرف اہلِ ایمان بلکہ ہر ایسے انسان کے لیے اہمیت رکھتا ہے جو رواداری، عدل و انصاف اور معاشرے میں افراد کی عزت کے تحفظ پر یقین رکھتا ہو۔ یہ معاملہ محض خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے ہر نبی اور ہر رسول کی عزت و ناموس محترم ہے۔ اس لیے اس قانون کو نہ تو اختلافی مسئلہ بنایا جاسکتا ہے اور نہ اسے یہ کہہ کر کہ یہ محض ایک انسانی قانون ہے، تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ہاں، اگر کہیں اس کے نفاذ کے حوالے سے انتظامی امور یا کارروائی کو زیادہ عادلانہ بنانے کے لیے طریق کار میں بہتری پیدا کرنے کی ضرورت ہو، تو دلیل اور تجربے کی بنیاد پر اس پر غور کیا جاسکتا ہے اور قانون کے احترام اور اس کی روح کے مطابق اطلاق کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری اقدام ہوسکتے ہیں تاکہ عدالت جلد اور معقول تحقیق کرنے کے بعد فیصلے تک پہنچ سکے۔ بیرونی دباؤ اور عالمی استعمار اور سیکولر لابی کی ریشہ دوانیوں کے تحت قانون کی تنسیخ یا ترمیم کا مطالبہ تو ہمارے ایمان، ہماری آزادی، ہماری عزت اور ہماری تہذیب کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہی نہیں ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے جن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ معذرت خواہانہ رویہ دراصل کفر کی یلغار اور دشمنوں کی سازشوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

توہینِ رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کا بل

میڈیا، این جی اوز، عیسائی اور احمدی لابی اور پیپلز پارٹی کے گورنر اور ترجمانوں کی ہاؤ ہو کو ناکافی سمجھتے ہوئے اور استعماری قوتوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے پیپلز پارٹی کی ایک رکن پارلیمنٹ نے عملاً قومی اسمبلی میں توہینِ رسالتؐ کے قانون میں

ترامیم کی نام پر ایک شرانگیز مسودہ قانون جمع کروا دیا ہے، جو اَب قوم کے سامنے ہے اور اس کے ایمان اور غیرت کا امتحان ہے۔ اس قانون کے دیباچے میں قائداعظم کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کو ایک بار پھر اس کے اصل پس منظر اور مقصد سے کاٹ کر اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور سارا کھیل یہ ہے کہ دین و مذہب کا ریاست اور قانون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قانون سازی کو شریعت کی گرفت سے باہر ہونا چاہیے حالانکہ یہ اس بنیادی تصور کی ضد ہے جس پر تحریکِ پاکستان برپا ہوئی اور جس کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوا ہے اور جسے قراردادِ مقاصد میں تسلیم کیا گیا، وہ قراردادِ مقاصد جسے سیکولر لابی کی تمام ریشہ دوانیوں کے باوجود پاکستان کے دستور کی بنیاد اور اساسی قانون (grundnorm) تسلیم کیا گیا ہے۔

قائداعظم کی اس تقریر کو قائداعظم کی دوسری تمام متعلقہ تقاریر کے ساتھ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس تقریر کی اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں کہ تقسیمِ ملک کے خوں آشام حالات میں قائداعظم نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جو وہ اس سے پہلے ہی بارہا دے چکے تھے اور جو پوری پاکستانی قوم کا عہد ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مذہب کا اور شریعت کا قانون سے کوئی تعلق نہیں اور ریاست پاکستان قانون سازی کے باب میں اسی طرح آزاد ہے جس طرح ایک لادین ملک ہوتا ہے تو یہ حقیقت کے خلاف اور اقبال اور قائداعظم پر ایک بہتان ہے۔

24 نومبر 2010ء کو پارلیمنٹ میں جو بل داخل کیا گیا ہے، اس میں محرک نے یہ درخواست کی ہے کہ مروجہ قانونِ توہینِ رسالتؐ C-295 اور اس سے متعلقہ دیگر دفعات میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ بل میں جو تبدیلیاں تجویز کی گئی ہیں ان کا مقصد ترمیم نہیں، بلکہ اس قانون کی عملی تنسیخ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترمیم کی ضرورت پر غور کرلیا جائے۔ ترمیم کا عمومی مقصد قانون کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے کسی ایسے پہلو کا دُور کرنا ہوتا ہے جو قانون کے نفاذ میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو یا کسی ایسے پہلو کی تکمیل مقصود ہو جو مروجہ قانون میں

رہ گیا ہو۔ اس حیثیت سے اگر حالیہ قانون کی دفعہ 295-C اور مجوزہ ترمیم کے الفاظ کا مقابلہ کیا جائے تو صورت حال کچھ مختلف نظر آتی ہے۔ مروجہ قانون میں 295-B میں ارتکاب جرم کرنے والے کے لیے سزا عمر قید ہے، shall be punishable with imprisonment to life۔ 295 میں الفاظ ہیں: shall be punished with death جب کہ مجوزہ بل میں 295-B کے لیے جو متبادل الفاظ تجویز کیے گئے ہیں وہ ہیں: shall be punishable with imprisonment of either description for a term which may extend to five years or with fine or both.۔ اسی طرح 295-C کے لیے جو متبادل الفاظ تجویز کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

shall be punishable with imprisonment of either description for a term which may extend to ten years or with fine or with both.

گویا دونوں مجوزہ دفعات میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف قید کی مدت، یعنی 295-B میں حد سے حد پانچ سال ، 295-C میں حد سے حد 10 سال! جو بھلا انسان بھی باہوش وحواس اس تقابل کو دیکھے گا وہ یہی کہے گا کہ اس تجویز کا اصل کام 'تنسیخ' ہے ترمیم نہیں۔ واضح رہے کہ اس میں قید اور جرمانہ کے درمیان 'یا' کا رشتہ قائم کیا گیا ہے۔ گویا سزا کے بغیر صرف جرمانہ، جس کا بھی تعین نہیں کیا گیا ادا کر کے کوئی بھی شاتمِ رسولؐ اُمت مسلمہ کے جذبات کا خون اور اُن کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے۔

اس تجویز میں ناموسِ رسالتؐ کو پامال کرنے والے کے لیے قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت کے فیصلے کی جگہ ملزم کو معصوم اور بے گناہ تصور کرتے ہوئے ساری ہمدردی اسی کے پلڑے میں ڈال دی گئی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناموسِ رسالتؐ یا قرآن کریم کی بے حُرمتی کرنا ایک اتنا ہلکا سا جرم ہے کہ اگر حد سے حد پانچ سال یا 10 سال کی قید دے دی جائے یا صرف چند روپے جرمانہ کر دیا جائے تو اس گھناؤنے جرم کی

قرار واقعی سزا ہو جائے۔ یہ بھی نہ بھولیے کہ اس سزا کو چند لمحات بعد کوئی نام نہاد صدرِ مملکت معاف بھی کر دے تو اُمت مسلمہ بری الذمہ ہو جائے گی!

ہمارے خیال میں کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں رکھی جاتی کہ اگر اس کے نسب کے بارے میں ایک بُرا لفظ منہ سے نکالا جائے تو وہ کہنے والے کی زبان کھینچنے کو اپنا حق نہ سمجھے لیکن اگر قرآنِ کریم یا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حملہ ہو اور کھلی بغاوت ہو تو 'رواداری' اور 'عفوو درگزر' میں پناہ دی جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز پیش کرنے والوں کے خیال میں کسی کی عزت، جذبات، شخصیت اور مقام پر حملہ کرنا تو 'انسانی حق'، 'آزادی رائے' اور 'اقلیتی حقوق' کی بنا پر ایک نادانستہ غلطی مان لیا جائے، اور جس پر یہ حملہ کیا جا رہا ہے، جس کی شخصیت کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس زیادتی کو نہ ظلم کہا جائے، نہ اسے انسانی حقوق کی پامالی سمجھا جائے، بلکہ الزام تراشی کرنے والے کو معصوم ثابت کرنے اور جرم کی سنگینی اور گھناؤنے ہونے کو کم سے کم کیا جائے اور عملاً اس جرم پر گرفت ایک سنگین جرم بنا دیا جائے۔ گویا ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ بل ملت اسلامیہ کے ایمان، حبِ رسولؐ اور عظمتِ قرآن کے ساتھ ایک ہتک آمیز مذاق کی حیثیت رکھتا ہے، اور اقلیتوں کے 'تحفظ' کے نعرے کے زور سے اُمت مسلمہ کی اکثریت کو بے معنی قرار دیتے ہوئے اس کی روایات اور قرآن وسنت کے واضح فیصلوں کی تردید بلکہ تنسیخ کرتا ہے۔

اس موقع پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پاکستان ہی میں نہیں، پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان مسلم ممالک میں غالب اکثریت رکھتے ہیں، غیر مسلموں کا تحفظ ان کا دینی فریضہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کا ذمہ لیا ہے، اس لیے کوئی مسلمان ان کی جان، مال اور عزت کو اپنے لیے حلال نہیں کر سکتا لیکن کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسے یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ برسرِ عام جب چاہے قرآن اور صاحبِ

قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حُرمتی کا مرتکب بھی ہو اور اس پر کوئی قانونی کارروائی بھی نہ کی جائے کہ ایسا کرنے سے بعض پڑوسی ناراض ہوجائیں گے۔

یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ بل میں 203-A میں یہ اضافہ کرنے کی تجویز کی گئی ہے کہ:

"Anyone making a false or frivolous accusation under any of the sections 295-A, 295 B and 295-c, of the Pakistan Penal Code shall be punished in accordance with similar punishment prescribed in the Section under which the false or frivolous accusation was made."

حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے افراد قانون کی پاسبانی کا دعویٰ کرتے ہیں جو قانون کے بنیادی تصورات کو کھلے عام پامال کرنے پر آمادہ ہیں۔ ملزم کے ساتھ تمام تر ہمدردی کے باوجود کیا 15 سو سال میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص نے کسی پر بدکاری کا الزام لگایا جس کے ثابت ہونے کی شکل میں بدکار کو سنگسار کیا جانا تھا لیکن الزام ثابت نہ ہوسکا تو الزام لگانے والے کو سنگسار کر دیا گیا ہو۔ قذف کا قانون اسلامی قانون کا حصہ ہے لیکن وہ نصوص پر مبنی ہے اور صرف زنا کے ایک جرم کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ اتہام، جھوٹی شہادت وغیرہ تعزیری جرم ہوسکتے ہیں اور ان پر ضرورت اور حالات کے مطابق غور کیا جاسکتا ہے مگر جھوٹے گواہ کو ہمیشہ کے لیے ناقابلِ قبول گواہ قرار دینا اسلام کے تعزیری قانون کا حصہ ہے۔ لیکن جس طرح یہاں ان نامساوی چیزوں کو برابر برابر (juxtapose) کیا گیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ قانون کا صحیح نفاذ نہیں بلکہ قانون سے جان چھڑانے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ جو تصور اس ترمیم میں پیش کیا گیا ہے، کیا تمام تعزیری قوانین پر اس کا اطلاق ہوگا؟ اس کا اصولِ قانون و انصاف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو جنگل کے قانون کی طرف مراجعت کا نسخہ معلوم ہوتا ہے! کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ ہمارا حکمران طبقہ اس معاملے میں شاید اُس مقامِ زوال تک پہنچ گیا ہے جہاں عقل کا استعمال قابلِ دست اندازی

پولیس جرم تصور کر لیا جائے گا؟

اسلامی قانون میں قذف کی سزا کی موجودگی میں نہ تو حد میں اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ قذف کے ملزم پر زنا کی حد جاری کی جاسکتی ہے۔ ایک پارلیمنٹ کے رکن کی جانب سے ردعمل کی بنیاد پر یہ تجویز بنیادی انسانی حقوق اور قانون کے فطری اصولوں کے ساتھ گھناؤنا مذاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو سمجھ بوجھ سے نوازے تاکہ وہ اپنی فکری غلطیوں کو محسوس کر سکے۔

قوم کا امتحان

ایک ایسے قانون کو جسے ملک کی وفاقی شرعی عدالت نے تجویز کیا ہو، جسے پارلیمنٹ اور سینیٹ کے اجلاس نے متفقہ طور پر قانون کا درجہ دیا ہو، محض یہ کہہ کر ایک طرف رکھ دینا کہ یہ فلاں فوجی آمر کے دور میں پارلیمنٹ نے بنایا، ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ دستورِ پاکستان کے ساتھ ایک مذاق کے مترادف ہے۔

1860ء سے **1992**ء تک جو قانون عوامی ضرورت کی بنا پر وجود میں آیا جس میں ناموسِ رسولؐ کے تحفظ کے لیے اضافی قانون شامل کیا گیا، وہ ایک غیر متنازع اور متفق علیہ معاملہ ہے۔ اسے ایسے وقت میں ایک اختلافی مسئلہ بنا کر پیش کرنا جب ملک کو شدید معاشی زبوں حالی اور سیاسی انتشار کا سامنا ہے، ملک کے باشندوں کے ساتھ بے وفائی اور ان کے جذبات کو مجروح کرنے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔

اس امر کی ضرورت ہے کہ یک طرفہ پروپیگنڈے بلکہ ایک نوعیت سے کروسیڈ کا بھرپور انداز میں مقابلہ کیا جائے۔ اس موقع پر اہلِ حق کی خاموشی ایک جرم کا درجہ رکھتی ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ اس سے ان عناصر کو شہ ملے گی جو دلیل، قانون اور سیاسی عمل کے ذریعے اصلاح سے مایوس ہوکر تشدد کے راستے کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ جہاں قانون کا منصفانہ نفاذ وقت کی ضرورت ہے اور عوام و خواص سب کی تعلیم اور رائے عامہ کی استواری ضروری ہے، وہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک مبنی برحق قانون کو جھوٹے سہاروں اور نفاذ کے باب میں مبینہ بدعنوانیوں کے نام پر قانون کو مسخ کرنے کی

کوشش کا دلیل اور عوامی تائید کے ذریعے مقابلہ کیا جائے۔ میڈیا پر ناموسِ رسالتؐ کے قانون کا مؤثر دفاع اور اس کی ضرورت اور افادیت کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کیا جائے، وہیں عمومی تعلیم اور انتظامیہ، پولیس اور عدالت سب کے تعاون سے اس قانون کے غلط استعمال کو جہاں کہیں بھی ہو، قانون اور عدل و انصاف کے معروف ضابطوں کے مطابق روکا جائے، اور جو عناصر مسلمانوں کے ایمان اور ان کے جذبات سے کھیلنے پر تلے ہوئے ہیں اور جو کردار ان کے آلۂ کار بننے کو تیار ہوں ان کی سرپرستی اور بیرونِ ملک آبادکاری کے مذموم کھیل میں مصروف ہیں، ان کی ہر شرارت کا دروازہ بند کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف اہلِ علم اور اہلِ قلم اپنی ذمہ داری ادا کریں تو اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے وہیں مسجد اور منبر سے بھی پورے توازن اور ذمہ داری کے ساتھ اس آواز کو اُٹھایا جائے۔ نیز پارلیمنٹ کے ارکان تک حق کی آواز کو مؤثر انداز میں پہنچایا جائے اور ہر ہر حلقے میں اہلِ علم اور سیاسی کارکن اپنے امیدواروں کو پاکستان کے دستور اور اسلام کے شعائر کی حفاظت کے لیے مضبوطی سے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دیں۔

قائداعظم کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کو بددیانتی اور دیدہ دلیری سے استعمال کیا جارہا ہے۔ قراردادِ مقاصد کے خلاف جو فکری جنگ برپا ہے، اس کا بھرپور مقابلہ کیا جائے اور قائداعظم کے بیان کو آج جس طرح اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، اس کا پردہ چاک کیا جائے۔ اس لیے کہ قائداعظم نے قیامِ پاکستان کی ساری جنگ دوقومی نظریے، مسلمانوں کی نظریاتی قومیت، دین پر مبنی ان کی شناخت اور اسلامی نظریے کے لیے پاکستان کو تجربہ گاہ بنانے کے مسلسل وعدوں پر لڑی تھی۔ آج سیکولر لابی اس عظیم تاریخی تحریک کو جس کے دوران ملّت اسلامیہ ہند نے بیش بہا قربانیاں دی ہیں، ہائی جیک کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اسے محض معاشی مفادات کا کھیل بنا کر پیش کیا جا رہا ہے جو تاریخ کے ساتھ مذاق، قائداعظم سے بے وفائی اور اُمت مسلمہ اور پاکستان کے لیے قربانی دینے والوں کے خون سے غداری کے مترادف ہے۔

قائداعظم کا تصورِ پاکستان

قائداعظم نے پاکستان کس مقصد اور کس عہدو پیمان پر قائم کیا تھا، وہ بار بار سامنے لانا ضروری ہے۔ ہم قائداعظم ہی کے چندزریں اقوال پران گزارشات کا خاتمہ کرتے ہیں تا کہ ناموسِ رسول ﷺ کی حفاظت کے قانون پر ان تازہ حملوں کے لیے قائداعظم کے نام کو استعمال کرنے والوں کی بدباطنی سب پر آشکارا ہوجائے۔ کاش! وہ خود بھی اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیں اور قائداعظم کا سہارا لے کر اپنے اس شیطانی کھیل سے اجتناب کریں۔

قائداعظم نے **11** اگست **1947**ء کی تقریر کے بعد اکتوبر **1947**ء میں ان تمام غلط فہمیوں کو خود دور کر دیا تھا جو مخالفین پیدا کر رہے تھے بلکہ واضح الفاظ میں پاکستان کے قیام کے مقاصد اور اس عمرانی معاہدے کا برملا اعلان کیا تھا جو انھوں نے ملّت اسلامیہ پاک و ہند سے کیا تھا:

پاکستان کا قیام جس کے لیے ہم **10** سال سے کوشاں تھے، بفضلہٖ تعالیٰ اب ایک زندہ حقیقت ہے لیکن خود اپنی آزاد مملکت کا قیام ہمارے اصل مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا، اصل مقصد نہ تھا۔ ہمارا اصل منشا و مقصود یہ تھا کہ ایک ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں، جس کو ہم اپنے مخصوص مزاج اور اپنی ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصولِ آزادی کے ساتھ برتے جائیں۔

قائداعظم اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام محض عقائد اور عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو تطہیر افکار اور تعمیر اخلاق کے ساتھ اجتماعی زندگی کی نئی صورت گری کا تقاضا کرتا ہے اور جس میں قانون، معاشرت اور معیشت سب کی تشکیل کو قرآن وسنت کے مطابق ہونا ہی اصل مطلوب ہے۔ معاملہ حدود قوانین کا ہو یا تحفظ ناموسِ رسالتؐ کے قانون کا، زکوٰۃ وعشر کے قوانین ہوں یا اسلام کا قانونِ شہادت، یہ سب پاکستان کے مقصدِ وجود کا تقاضا ہیں اور قائداعظم کو اس بارے میں کوئی ابہام نہیں

تھا۔ ان کا ارشاد ہے:

❑ ''ان لوگوں کو چھوڑ کر جو بالکل ہی ناواقف ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے۔ مذہبی، معاشرتی، دیوانی، معاشی، عدالتی، غرض یہ کہ ہماری مذہبی رسومات سے لے کر روز مرہ زندگی کے معاملات تک، روح کی نجات سے جسم کی صحت تک، اجتماعی حقوق سے انفرادی حقوق تک، اخلاقیات سے جرائم تک کو دنیاوی سزاؤں سے لے کر آنے والی زندگی کی جزا وسزا تک کے تمام معاملات پر اس کی عمل داری ہے اور ہمارے پیغمبرؐ نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہر شخص اپنے پاس قرآن رکھے اور خود رہنمائی حاصل کرے۔ اس لیے اسلام صرف روحانی احکام اور تعلیمات اور مراسم تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ ایک کامل ضابطہ ہے جو مسلم معاشرے کو مرتب کرتا ہے۔''

11 اگست **1947**ء کی تقریر سے قبل دہلی میں پاکستان کے لیے روانہ ہونے سے پہلے قائداعظم نے بہت صاف الفاظ میں اس وقت کے صوبہ سرحد میں استصواب کے موقع پر جو عہد و پیمان قوم سے کیا تھا خود اس کو بھی ذہن میں تازہ کرلیں۔ یہ کوئی عام تقریر نہیں بلکہ سرحد کے مسلمانوں کے ساتھ ایک عہد (**covenant**) ہے جس کے مطابق انھوں نے خان عبدالغفار خان کے موقف کو رد کیا اور قائداعظم کے موقف پر اعتماد کرکے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا:

❑ ''خان برادران نے اخبارات میں ایک اور زہریلا نعرہ بلند کیا ہے کہ مجلس دستور ساز پاکستان، شریعت کے بنیادی اصولوں اور قرآنی قوانین کو نظرانداز کردے گی۔ یہ بھی ایک بالکل نادرست بات ہے۔ **13** سے زیادہ صدیاں بیت گئیں، اچھے اور بُرے موسموں کا سامنا کرنے کے باوجود، ہم مسلمان نہ صرف اپنی عظیم اور مقدس کتاب قرآن کریم پر فخر کرتے رہے، بلکہ ان تمام ادوار میں جملہ مبادیات کو حرزِ جاں بنائے رکھا...... معلوم نہیں کہ خان برادران کو اچانک اسلام اور قرآنی قوانین کی علَم برداری کا دورہ کیسے پڑا ہے، اور انھیں اُس ہند مجلس دستور ساز پر اعتبار ہے کہ جس میں ہندوؤں کی ظالمانہ اکثریت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صوبہ سرحد کے مسلمان واضح طور پر یہ سمجھ لیں کہ وہ پہلے مسلمان ہیں اور بعد میں پٹھان۔'' (قائداعظم: تقاریر و بیانات، ج**4**، ترجمہ اقبال احمد

صدیقی، بزمِ اقبال، لاہور، ص 346 تا 347)

دیکھیے بات بہت واضح ہے، پاکستان کے قیام کا مقصد قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی اور زندگی کے پورے نظام کو ان اصولوں اور ہدایات کے مطابق منظّم اور مرتب کرنا تھا۔ اس لیے آج ایشو یہ ہے کہ کیا ناموسِ رسالتؐ کی حفاظت اور توہینِ رسالتؐ کے خلاف قانون قرآن وسنت کا حکم اور اقتضا ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو پھر اس سلسلے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ قانون کی تنسیخ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بغاوت ہوگی اور قانون میں ایسی ترمیم جس سے وہ محض ایک نمایشی چیز بن کر رہ جائے قرآن و سنت سے مذاق اور ذاتِ رسالت مآبؐ سے بے وفائی ہوگی۔ بلاشبہہ قانون کا نفاذ اس طرح ہونا چاہیے کہ کوئی شاتمِ رسولؐ اپنے جرم کی سزا سے بچ نہ سکے اور کوئی معصوم فرد ذاتی، گروہی، معاشی مفادات کے تنازعے کی وجہ سے اس کی زد میں نہ آسکے۔ انصاف سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضروری ہے اور وہ یہ کہ آپؐ کی ذاتِ مبارک کے بارے میں کسی کو بھی تضحیک اور توہین کی جرأت نہ ہو۔ پھر انصاف معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ ضروری ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیرمسلم، مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، تعلیم یافتہ ہو یا ناخواندہ کہ مجرم اور صرف مجرم قانون کے شکنجے میں آئے۔ نہ عام انسان قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں اور نہ کسی کو قانون کی گرفت سے نکلوانے کے لیے سیاسی وڈیروں، دولت مند مفاد پرستوں، سیکولر دہشت گردوں یا بین الاقوامی شاطروں کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل سکے۔ اس سلسلے میں جن انتظامی اصلاحات یا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جن تدابیر کی ضرورت ہے، ان کے بارے میں نہ ماضی میں کوئی مشکل حائل تھی اور نہ آج ہونی چاہیے۔ لیکن ترمیم کے نام سے قانون کو بے اثر کرنے اور امریکا و یورپ اور عالمی سیکولر اور سامراج کے کارندوں کو کھل کھیلنے کا موقع دینا ہمارے ایمان، آزادی، عزت اور حمیت کے خلاف ہے اور اس کی یہ قوم کبھی اور کسی کو بھی اجازت نہیں دے گی۔ اس لیے کہ

کی محمدﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

طارق جان

قانونِ توہین رسالت ﷺ: آزادی اور انارکی میں خطِ امتیاز

ہمارے زمانے کے زندقہ (سیکولر) توہین رسالت ﷺ قوانین سے بڑے دل برداشتہ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ کی توہین نعوذ باللہ بنیادی حقوق کے زمرے میں لائی جائے اور اس طرح وہ باز پرس سے آزاد ہوں۔ لیکن برا ہو وطنِ عزیز کے ''دقیانوسی عوام'' کا کہ وہ اس ضمن میں کسی ایسے حق سے محروم رہنے کو ترجیح دیتے ہیں جس سے توہین رسالت کا پہلو نکلتا ہو۔ سیکولر حضرات کی اب تک کی کوششوں کے تین پہلو نمایاں ہیں:

اوّل: یہ کہ ایسا کوئی قانون بننے نہ دیا جائے۔

دوم: کسی نہ کسی طرح اسے کالعدم قرار دیا جائے۔

سوم: اگر ایسا ممکن نہ وہ تو پھر ایسی ترامیم قانون میں لائی جائیں جس سے اس کا اطلاق سرے سے غیر موثر ہو جائے۔

سیکولر لابی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود مندرجہ بالا اول الذکر دونوں صورتوں میں ناکام ہوگئی تو پھر وہ قانون توہین رسالت ﷺ کو غیر موثر کرنے کے لیے کمر بستہ ہوگئی۔ لیکن بُرا ہو ان ''جذباتی'' مسلمانوں کا کہ انہوں نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ انتظامیہ نے باوجود اپنی آزاد روی کے اچھا کیا کہ توہین رسالت آرڈیننس میں مجوزہ ترمیم واپس لے لی۔ بظاہر تو یہ معمولی سی بات تھی لیکن اپنی علامتی قدر و قیمت میں کافی وزنی ہے۔ اس نے پاکستان کے اٹھارہ کروڑ عوام کو یہ تسلی آمیز پیغام دیا کہ اسلام اس مملکت کی نفسیات میں دُور تک پیوست ہے، اور اسے ترک کرنا ملت اسلامیہ پاکستان کو ختم کرنے کے مترادف ہوگا، جس کی اجازت کبھی نہیں دی جانی چاہیے۔ ترمیم

کی واپسی سے ہمارے اُن ''دانشوروں'' کو مایوسی ہوئی، جو ایک مورچہ بند انتظامیہ کی آس لگائے بیٹھے تھے کہ وہ ان ''تاریک قوتوں'' کے منہ پر ''ناں'' کہے گی، جو وطن عزیز میں اسلامی تصورات اور روایات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ کچھ اور حضرات جنہوں نے اپنے ذہن میں موجودہ حکمرانوں کو سخت گیر آزاد خیال سمجھا ہوا تھا اور جو ان کے خیال میں سماوی قدروں کے مخالف تھے اور واقعتاً ہیں، ان کے منہ لٹک گئے، کیونکہ جو وہ چاہتے تھے، وہ نہ ہوا۔ اُن کے سوچے سمجھے خاکے بے رنگ رہے۔

فلسفیانہ سطح پر بھی سیکولر نظریے کو دو حوالوں سے جھٹکا لگا:

اوّل، سیکولروں کی اولین خواہش یہ ہے کہ ریاست کا دین سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ سوسائٹی اپنا استناد دینی جوہر سے نہ پائے، نہ اس کی تعریف دینی نظریے کے تحت متعین ہو۔ اس لحاظ سے کوئی بھی اسلامی حوالہ ان کے نزدیک خطرناک ہے، کیونکہ اس کا مطلب قومی تشکیل میں دین کا کردار تسلیم کرنا ہے۔ اس انداز سے دیکھیں تو مملکت اور دین کی جدائی آزاد خیالوں کے لیے بنیادی تزویراتی اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ ایک دفعہ یہ تفریق بروئے کار آجائے تو پھر مسلم عوام اس سیکولر اقلیت کے سامنے بے بس کھڑے ہوں گے، جو انہیں اپنی دشنام طرازی کا نشانہ بنائے گی، اور اس طرح ان کی اخلاقی اور روحانی قدروں کی پامالی کا سلسلہ تیز تر ہو جائے گا۔ توہین رسالت کے سابقہ قانون کا باقی رکھنا لادینوں کے لیے تشویشناک یاد دہانی ہے کہ جب سیکولر خواص سب حوالوں سے برتر حوالے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ الجھنے کی کوشش کریں گے تو سوسائٹی کی طرف سے جوابی اقدام بھی ہوگا۔ انتظامیہ کے توہین رسالت قانون میں مجوزہ قواعد وضوابط کی ترمیم واپس لینے کے فیصلہ نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ اسلام ایک اجتماعی ضرورت ہے جو ریاست اور نظریے کی مصنوعی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا۔ نیز یہ کہ جب معاملہ پیغمبر خدا ﷺ کے مقامِ احترام کا ہو تو طاقتور اور کمزور، امیر اور غریب غرض ملک کی اکثریت کے جذبات ایک سے ہوتے ہیں۔ اس صورتحال نے بے چارے لادینوں کو وہیں واپس دھکیل دیا جہاں سے وہ چلے تھے۔

دوم، لادینوں کا تکیہ بدلتے موسموں پر تھا، جو سیکولر تعلیم اور الیکٹرانک میڈیا کا ثمر ہے۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان اور اسلام کے متعلق غیر دوستانہ بین الاقوامی ماحول، توہین رسالت کے قانون کی تنفیذ کو معرض التوا میں ڈالنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ ان کے ایکشن پلان کی کامیابی کے لیے اس امر کی بے حد اہمیت تھی، کیونکہ ایک بار وہ توہین رسالت کے قانون کو شکار کرلیں تو ان کے لیے آسانی پیدا ہوجاتی کہ وہ آزادی اظہار کی دہائی دیں اور ہر اس سماجی اور اخلاقی قدر کی بیخ کنی کردیں جس نے ہماری قوم کو جوڑ رکھا ہے۔ کچھ لوگ اس بدقسمت مہم میں پہلے سے جُتے ہوئے ہیں کہ اسلامی قوانین، نبی اکرم ﷺ، یہاں تک کہ ذات باری تعالیٰ کو بھی بدنام اور رُسوا کیا جائے۔ ان لوگوں کے نزدیک اسلامی قوانین ''ازمنۂ وسطیٰ سے متعلق''، ''وحشیانہ'' اور ''رواجی'' ہیں۔ اسلامی مملکت کو یہ لوگ ''پھٹکار'' سمجھتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ کو محض ''مصلح'' قرار دیتے ہیں اور قرآن کے پیش کردہ خدا کو ''پدرانہ'' سمجھتے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے آزادی اظہار کا اتنا بے قید اور بے دریغ استعمال نہیں ہوا تھا۔ ہماری قومی خصوصیت کو کچھ اور شکل دینے کی مجنونانہ کوشش میں لادین حضرات آزادی اور انارکی کے نزدیک فرق کو بالکل بھول جاتے ہیں۔

بہرکیف، آرا ونظریات کی اس کشمکش میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اور مرتبے کی حفاظت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اسلامی نظریے کے علمبردار کہتے ہیں کہ اسلام جو کچھ بھی کہنا یا چاہتا ہے، اس میں حضرت محمد ﷺ کا مقام مرکزی ہے۔ تحقیر اور طنز کے ذریعہ حضور نبی کریم ﷺ کی گرفت مسلمانوں پر سے کمزور پڑ جائے تو خود اسلام کے حصے بخرے ہوجائیں گے۔ اس کے جواب میں لبرل روایت کا خیال ہے کہ افراد اور سوسائٹیوں کو مذہبی قیود اور اثرات سے آزاد کردیا جائے کہ انسانی تاریخی فکر، اداروں اور افراد پر کسی طرح کی پابندی خواہ کتنی ہی ضروری ہو، رجعت پسندی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک اسلام کے اجتماعی اظہار میں، انہیں ایک مذہبی ریاست کی بو آنے لگتی ہے۔ پس جب سیکولر کسی قانون کو رجعت پسندانہ کہتے ہیں یا اسے غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف قرار دیتے ہیں، تو یہ دراصل ان کی سیکولر روایت کا اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ ظاہر بات ہے کہ اس مناظرے میں لبرل آواز اگرچہ کافی کرخت اور بلند آہنگ ہے، لیکن ایک آوارہ للکار سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتی۔ پاکستان کا سواد اعظم یہ پختہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ان کی محبت اور عقیدت ان کی زندگی میں ایسی بنیادی حیثیت رکھتی ہے، جیسی محبت آپ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں اس امت کے لیے رکھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس امت کی سلامتی، ان کے عزت، وقار اور ان کی ترقی اور سرفرازی کے لیے دعا کی کہ یہ امت عالم انسانیت کے لیے عدل و انصاف کی علمبردار ہو۔ چنانچہ منطق بڑی سادہ اور قابل فہم ہے۔ ہمیں جو کچھ بھی ملا، خواہ یہ بحیثیت مسلمان اور انسان اپنے شرف کا احساس ہو یا اللہ کی ذاتِ بابرکات کا ادراک، یہ سب کچھ انہی کی عطا ہے۔ ہم جب زمین کے بے مایہ خس و خاشاک سے زیادہ کچھ نہ تھے تو انہوں نے **1400** برس پہلے ہمیں دنیا کی سب سے بڑی مہذب طاقت بنا دیا تھا۔ نوع انسانی کی تاریخ میں یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے تو اپنے اوپر بھیجے جانے والے درود و سلام میں بھی ہمیں یاد رکھا اور اسے سب مومنین تک وسعت دے دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ کروڑوں مسلمان روزانہ ایک دوسرے کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ یہ اجتماعیت اور ایک ملت ہونے کا احساس مسلمانوں کا امتیازی وصف ہے۔ چنانچہ جو رسول اللہ ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے، وہ دراصل پوری امت کی توہین کرتا ہے۔

لیکن سیکولر حضرات کو حضور نبی کریم ﷺ اور ان کی امت کا ان سے گہرا قلبی تعلق محسوس ہی نہیں ہوتا، حالانکہ یہ رشتہ بہت مقدس، گہرا اور بے حد جذباتی نوعیت کا ہے۔

اسلامی نکتۂ نظر کے حاملین بجا طور پر یہ کہتے ہیں کہ اقلیتوں کا معاملہ ضرورت سے زیادہ اُچھالا جا رہا ہے، اور اسے سیکولر حلقہ اغیار کے روبرو بڑی چالاکی اور چابک دستی سے استعمال کر رہا ہے۔ عیسائی اقلیت کے دوست خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہ السلام سے کتنی محبت ہے۔ بلکہ کوئی شخص مسلمان رہ ہی نہیں سکتا اگر وہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے کسی کا بھی انکار کر دے۔ اندریں حالات مسلمان بھی دوسروں سے جوابی احترام کی توقع کرتے ہیں۔ توہین رسالت کے

بدقسمت معاملے میں بھی ان کا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ شکایت کا فیصلہ قانون کی عدالت کرے۔ اگر معاملہ ضلعی سطح کے کسی افسر کے سپرد ہوگا تو یہ عدلیہ کی توہین بھی ہوگی اوراس کی دیانت پر شُبہ کا اظہار بھی۔

ایسے معاشرے میں کیا تہذیب اور انسانیت نوازی ہوگی کہ جس میں دوسروں کی توہین برداشت کی جاتی رہے، خواہ وہ کسی عام شہری ہی کی توہین کیوں نہ ہو؟ آخر مملکت اور معاشرے کو یکجا رکھنے کی صورت کیا ہوگی؟ کیا عدم اطمینان پھیلا کر، لوگوں کے جذبات و احساسات مجروح کرکے اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرکے یکجہتی کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟ یہ صحیح ہے کہ توہین رسالت کے معنی و مفہوم دینی قدروں سے ہی ماخوذ ہیں، لیکن سماجی حوالے سے یہ ایک دنیاوی مسئلہ بھی ہے، کیونکہ اس کے قانونی اور امن و امان سے متعلق مضمرات ہیں۔

یہاں توہین رسالت کے حوالے سے مغرب کے طرزِعمل پر نگاہ ڈالنا ہمارے موضوع سے متجاوز نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں اینگلوسیکسن روایت کو دیکھنا بھی اہم ہے، کیونکہ پاکستانی لادینوں کی مہربانی سے مغرب کو بھی اس معاملے میں گھسیٹ لیا گیا ہے۔ میں اس سلسلے میں برطانیہ کے ''میری وہائٹ ہاؤس بنام گے نیوز'' کیس پیش نظر رکھوں گا۔ 1977ء میں ''گے نیوز'' (Gay News) نے ایک مصور کی تشریحی نظم شائع کی، جس میں (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم جنس زدہ دکھایا گیا تھا۔ مقدمے میں پبلشر کو دو کے مقابلے میں دس ججوں نے مجرم قرار دیا۔ اپیل میں بھی تین اور دو کی اکثریتی رائے نے فیصلہ برقرار رکھا۔ اس کیس میں ارادے اور جذبات کو مجروح کرنے کے دونوں پہلو زیر بحث رہے کہ یہی دوسوال ہمارے ہاں کے لادین بھی اٹھاتے رہے ہیں۔ قانونی کیس کا حوالہ دے کر کوئین یونیورسٹی بلفاسٹ کے شعبہ فقہی امور کے پروفیسر سائمن لی (Simon Lee) کا کہنا تھا:

❑ ''جج صاحبان کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا ہتک و توہین کا جرم اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کی پشت پر ایک ارادہ ہو جو صدمے کی کیفیت کو جنم دے اور عیسائی عوام میں غصے اور آزردگی کا باعث بنے۔ یا جرم یہ بھی ہوگا کہ محض ایک نظم کی اشاعت کا ارادہ

تھا جس کے مذکورہ اثرات تو ہوئے جبکہ پبلشر کا مقصد دوسروں کو مشتعل کرنا نہ تھا''۔

فیصلے میں کہا گیا کہ اگر کسی کے جذبات مجروح کرنے کا ارادہ نہ بھی ہو، لیکن اس کی اشاعت سے لوگ مشتعل ہوگئے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

سائمن لی کے بقول لارڈ سکارمین **(Lord Scarman)** کا اس قانونی نکتہ پر اظہار رائے ''منصفانہ حد تک کافی مشہور و معلوم'' ہے، کیونکہ موصوف برطانوی ججوں کے حلقے میں بہت زیادہ آزاد خیال مانے جاتے ہیں اور بائیں بازو کے بہت پسندیدہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

- ''مائی لارڈز! میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ توہین و ہتک کے عام قانون کا جُرم قانونی نظام میں کوئی مفید خدمت انجام نہیں دیتا۔ اس کے برعکس میں سمجھتا ہوں کہ یہ قانون سازی کا ایک کیس بنتا ہے، جس کا دائرہ غیر عیسائی آبادی کے مذہبی عقائد اور جذبات کے تحفظ تک وسیع کیا جائے۔ اس جرم کا تعلق ان فوجداری جرائم کے گروپ سے ہے، جن کی تشکیل و تسوید برطانوی مملکت کے امن و سکون کے تحفظ کے لیے کی گئی ہے۔ ایک روز افزوں ہم رنگ عقائد و نظریات کے حامل معاشرے میں، جیسا کہ جدید برطانوی معاشرہ ہے، یہ لازم ہے کہ نہ صرف سبھی اختلافی مذہبی عقائد، محسوسات اور طور طریقوں کو احترام دیا جائے بلکہ انہیں فحش گوئی و بدکلامی، تذلیل و رسوائی اور تحقیر و توہین سے بھی بچایا جائے۔''

اس مذکورہ متن میں ایک بہت ہی آزاد خیال جج توہین رسالت کے قوانین کی پاسداری پر زور دے رہا ہے، کیونکہ بقول اس کے: اس سے اس کی قوم کے امن و سکون کی حفاظت ہوگی۔ کیا مسلم ملت کے لیے اس سے بڑھ کر بھی عدم استحکام کا باعث کوئی عامل ہوسکتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی عزت و احترام کی حفاظت کا انتظام نہ ہو؟

ظفر علی راجا ایڈووکیٹ

اقبال اور قانون توہین رسالت ﷺ

یہ ایک تسلیم شدہ قانونی حقیقت ہے کہ کسی فریق کے کردار اور قانونی رویے جانچنے کے لیے تین امور کو پیمانہ بنایا جاتا ہے۔ یعنی

-1 ذہنی رجحان (STATE OF MIND)

-2 بیان (STATEMENTS)

-3 عمل (CONDUCT)

توہین رسالت کے حوالے سے دیکھا جائے تو بیرسٹر محمد اقبال مندرجہ بالا تینوں پیمانوں کے مطابق شاتمِ رسولؐ کی سزائے موت کے حوالے سے اپنا ایک نظریہ رکھتے تھے۔ شاتمِ رسولؐ کے لیے موت کی سزا کا قانون حدیث اور سنّتِ رسولؐ سے ثابت ہے۔ لیکن چونکہ تعزیراتِ ہند میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں تھا جسے رو بہ عمل لا کر شاتمانِ رسولؐ کو رائج الوقت عدالتی نظام کے ذریعے قرار واقعی سزا سنائی جا سکتی، اس لیے گاہے بگاہے مسلمان نوجوان اپنے پیغمبر ﷺ کی توہین برداشت نہ کر پاتے تھے اور مذکورہ جرم کے مرتکب شخص کو غیرتِ اسلامی کے تحت موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ بیرسٹر محمد اقبال کی زندگی میں دو ایسے واقعات پیش آئے۔ اس کے علاوہ کشمیر میں قرآن کی توہین اور لاہور میں مسجد شہید کرنے کے سانحات بھی رونما ہوئے۔ ان تمام جرائم پر مقدمات میں تعزیراتِ ہند کے مطابق ججوں نے فیصلے سنائے۔ لیکن علامہ اقبالؒ نے اپنے قول و فعل سے ثابت کیا کہ وہ تعزیراتِ ہند کے مقابلہ میں اسلامی تعزیری قانون کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس ضمن میں علامہ اقبالؒ کے قول و فعل کی تصدیق مندرجہ ذیل واقعات سے ہوتی ہے۔

سلیم یوسف چشتی نے اپنے ایک مضمون ''اقبال کے بعض ملفوظات'' میں

اقبال سے ایک ملاقات کا احوال قلمبند کیا ہے۔ یہ ملاقات 3/اکتوبر 1930ء کو بیرسٹر اقبال کے میکلوڈ روڈ والے گھر (یا دفتر) میں ہوئی تھی۔ سلیم یوسف چشتی راوی ہیں کہ انہوں نے ایک جرمن عالم الٰہیات شلائرمیخر کی کتاب میں پڑھا کہ مذہب کی بنیاد عقل کے بجائے فیلنگ (FEELINGS) پر ہے تو مذکورہ ملاقات میں اس فلسفے کی روشنی میں اقبال سے یہ سوال کیا:

''مذہب کا دارومدار عقل پر ہے یا جذبات پر؟''

یہ سُن کر اقبال نے فرمایا:

''یہ سوال ہی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ایگو (EGO) یعنی خودی اپنے اِردگرد کی دنیا کا جائزہ لیتی ہے تو اس میں جذبہ، شعور اور ارادہ تینوں کارفرما ہوتے ہیں۔ مذہب کا تعلق انسان سے ان تینوں پہلوؤں سے ہے۔ کوئی جذبہ ایسا نہیں جس میں خودی کے دوسرے پہلو (شعور اور ارادہ) شامل نہ ہوں۔ انسان خالص جذبات یا خالص شعور یا خالص ارادے سے ناآشنا ہے۔ مثلاً علم الدین شہید کا جذبہ اس کی مکمل شخصیت کی گہرائی سے ابھرا تھا اور اس میں شعور اور ارادہ بھی شامل تھا۔''

ڈاکٹر وحید قریشی نے اس گفتگو کے حوالے سے لکھا ہے کہ اقبال تا دمِ وفات علم الدین کے عشق رسولؐ کے مداح رہے اور ہمیشہ اس کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ (منتخب مقالات۔ اقبال ریویو مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، صفحہ 410)

خواجہ عبدالوحید لاہور کی سماجی زندگی کے شناسا تھے۔ وہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے بچپن میں اقبال کو دیکھا اور اقبال کی زندگی کے آخری ایام تک ان کا تعلق خاطر قائم رہا۔ اندرون بھاٹی دروازے میں خواجہ عبدالوحید کے والد خواجہ کریم بخش کی رہائش گاہ لاہور کا ایک اہم ادبی مرکز گردانی جاتی تھی۔ یہاں بیرسٹر سر عبدالقادر، مولوی احمد دین وکیل، بیرسٹر شہاب الدین، اسلامی قوانین کے ماہر مفتی عبداللہ ٹونکی، مولانا ظفر علی خان اور بیرسٹر شیخ محمد اقبال اکثر اپنی شامیں گزارا کرتے تھے۔ خواجہ عبدالوحید نے اپنی ڈائری میں 29/اپریل 1935ء کے دن حسب

ذیل عبارت لکھی:

''پرسوں رات علامہ سر محمد اقبال نے بڑی پُر جوش باتیں کیں۔ جب کبھی ان سے ملتا ہوں، جی چاہتا ہے کہ ان کی باتیں لکھتا جاؤں لیکن ایسا نہیں ہوسکتا اور بعد میں اکثر باتیں بھول جاتا ہوں۔ اس روز آپ نے فرمایا...... ''جو جذبہ آج شاتم رسولؐ کی سزا کے طور پر ہندو کے خلاف ظاہر ہو رہا ہے وہ عنقریب انگریزوں کی طرف رُخ پھیرنے والا ہے۔'' (خواجہ عبدالوحید کی ''یاد ایام'' میں ذکر اقبال، مضمون ڈاکٹر انور سدید، روزنامہ نوائے وقت 21/اپریل 2011ء)

شاتم رسولؐ کی سزا کے حوالے سے بیرسٹر محمد اقبال نے جن خیالات کا اظہار کیا، ان کی بنیاد غازی عبدالقیوم شہید اور غازی علم الدین شہید کے وہ اقدامات تھے جن کے نتیجے میں دو شاتمانِ رسولؐ کو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔

توہین رسالت کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کے سلسلے میں بیرسٹر اقبال کی کاوشات کا اندازہ اس بات سے اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے کہ جب ہسپتال روڈ لاہور کے ایک ہندو کتب فروش راجپال نے توہین رسالت پر مبنی کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کی تو لاہور کے ساتھ ساتھ دیگر شہروں میں بھی مسلمانوں نے راجپال کی اس جسارت کے خلاف عمومی مظاہرے شروع کر دیئے۔ اس پر صورتِ حال کو منظّم رکھنے کے لیے بیرسٹر اقبال نے ایک خصوصی اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں بڑے مشہور اور خطاب یافتہ وکلاء اور جج صاحبان نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں ناموسِ رسولؐ پر حملہ کرنے والوں کے خلاف استغاثہ دائر کرنے والے مختلف مذہبی جماعتوں کے نمائندگان بھی شامل کیئے گئے۔ استغاثہ مکمل ہونے پر مروجہ طریقہ کار کے مطابق اسے مسٹر فیل بوتھ (اینگلو انڈین) مجسٹریٹ کی عدالت میں دائر کیا گیا۔ استغاثے کی پیروی کے لیے اقبال کے مشورے سے شیخ محمد نصیب ایڈووکیٹ کو منتخب کیا گیا تھا۔ اقبال کے کہنے پر شیخ محمد نصیب نے مولانا غلام مرشد سے متعدد ملاقاتیں کیں اور جرح و بحث کی تیاری کی۔ مولانا غلام مرشد بتاتے ہیں کہ مقدمہ کی تیاری کے سلسلے میں مشاورت کے دوران اکثر

علامہ اقبال کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ مقدمہ جب انجام کو پہنچا تو عدالت نے راجپال کو مجرم قرار دے کر چھ ماہ کی سزا سنا دی۔ (اقبالیات نقوش از تسلیم احمد تصور، صفحہ 268 تا 271) اس فیصلے پر اقبال نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ (بعد ازاں راجپال نے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی جسے ایک غیر مسلم جج نے سنا اور راجپال کو بری کر دیا)۔ اس فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ 6 اپریل 1929ء کو جبکہ راجپال اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ محلّہ سریانوالہ اندرون شہر کے ایک ترکھان علم الدین نے چاقو سے حملہ کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ علم الدین کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ 302 کے تحت مقدمہ چلا۔ مقدمہ کے اختتام پر سیشن جج لاہور نے مورخہ 22 مئی 1929ء کو علم الدین کو سزائے موت سنائی۔ اس فیصلے کے خلاف علم الدین کی طرف سے لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ علم الدین کی جانب سے اپیل کی پیروی بیرسٹر محمد علی جناح اور بیرسٹر فرخ حسین نے کی۔ اپیل کا فیصلہ 15 جولائی 1929ء کو سنایا گیا جس میں سزائے موت کی توثیق کی گئی۔ اس کے بعد علم الدین کی جانب سے لندن میں رحم کی اپیل کی گئی۔ یہ اپیل بھی مسترد کر دی گئی۔ 31 اکتوبر 1929ء کو میانوالی کی جیل میں اس عاشق رسولؐ کو تختہ دار پر کھینچ دیا گیا۔ اس طرح اٹھارہ انیس سال کا یہ نوجوان شہادت کا رتبۂ بلند پر فائز ہو کر مکین جنت بنا۔

غازی علم الدین کا مقدمہ لاہور کی سیشن عدالت میں زیر سماعت تھا۔ ہندو جاتی راجپال کے قتل پر احتجاج کا دائرہ وسیع کر رہی تھی۔ 9/اپریل کو اس سلسلے میں ہندوؤں نے لاہور کے علاوہ قصور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، راولپنڈی، گوجر خان، راجہ جنگ، کوہاٹ اور موجودہ آزاد کشمیر کے اضلاع میر پور اور کوٹلی میں احتجاجی اجلاس منعقد کیے۔ ان اجلاسوں میں راجپال کے قتل کی مذمت اور غازی علم الدین کو سزائے موت دینے کے مطالبات کیے گئے۔ ہندوؤں کے اس احتجاجی دباؤ کا توڑ کرنے کے لیے لاہور میں بیرسٹر محمد اقبال، بیرسٹر میاں عبدالعزیز، بیرسٹر محمد شفیع اور مراتب علی شاہ نے ایک اجلاس میں علم الدین کے حق میں قرارداد پاس کروائی۔ اس کے بعد اس کی

پیروی میں دوسرے شہروں کے مسلمانوں نے بھی علم الدین کے حق میں قراردادیں پاس کیں۔(غازی علم الدین شہید از ظفر اقبال نگینہ صفحہ 47) موجودہ آزاد کشمیر کے اضلاع میرپور اور کوٹلی تک ان قراردادوں کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

غازی علم الدین کے مقدمہ کی پیروی کا آغاز بیرسٹر فرخ حسین نے کیا۔ بعدازاں اس ذمہ داری میں بیرسٹر خواجہ فیروزالدین بھی شامل ہو گئے۔ (غازی علم الدین شہید از ظفر اقبال نگینہ صفحہ 52) بیرسٹر خواجہ فیروزالدین اقبال کے نہ صرف بہت عقیدت مند تھے بلکہ ان کے رشتہ دار بھی تھے۔ اس لیے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ انہوں نے یہ ذمہ داری سنبھالنے سے قبل بیرسٹر اقبال سے مشورہ نہ کیا ہو۔ خود علامہ اقبالؒ چونکہ توہین رسالت کے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے حق میں تھے اور ان کا ایمان تھا کہ شاتمِ رسولؐ کو جہنم واصل کرنے والا جنت اور بخشش کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس لیے وہ قانونی حیلہ سازیوں کے ذریعے اس کی آخرت کو خراب کرنے کے حق میں رائے نہیں دیتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ان غازیان اسلام سے پوری ہمدردی رکھنے کے باوجود ان کے خلاف قائم مقدمات میں بطور وکیل شامل نہیں ہوئے۔

لاہور کے دانشوروں اور قانون دانوں نے باہمی رضامندی سے علم الدین ڈیفنس کمیٹی بھی تشکیل دی۔ اس کمیٹی میں بھی بیرسٹر عبدالعزیز، بیرسٹر محمد شفیع اور بیرسٹر اقبال شریک ہوتے رہے۔ غازی علم الدین پر تحقیق کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھنے والے وکیل سیف الحق ضیائی نے راقم الحروف کو مولانا محمد بخش مسلم اور بیرسٹر عبدالعزیز مالواڈہ کے حوالے سے بتایا کہ مقدمے کے دوران بیرسٹر اقبال شروع سے آخیر تک عدالتی کارروائی سے آگاہی حاصل کرتے رہے۔ ایسا بھی ہوا کہ غازی علم الدین سیشن کورٹ میں مقدمہ کی پیشی پر آئے تو بیرسٹر اقبال نے ان کا ماتھا چوما اور سینے سے سینہ لگا کر ملے۔ اس روایت کا ذکر سیف الحق ضیائی ایڈووکیٹ نے اپنی کتاب غازی علم الدین شہید میں بھی کیا ہے۔(غازی علم الدین شہید از سیف الحق ضیائی صفحہ 205)

لاہور ہائی کورٹ میں 2011ء کے دوران بیرسٹر فاروق حسن نے غازی علم

الدین کا کیس ری اوپن کرنے کے لیے رِٹ دائر کی۔ اس رِٹ کے ایک پیرے سے انکشاف ہوتا ہے کہ سزائے موت کے خلاف اپیل میں وکالت کے لیے بیرسٹر محمد علی جناح کو وکیل مقرر کرنے میں بھی بیرسٹر محمد اقبال سے مشورہ کیا گیا تھا اور علم الدین ڈیفنس کمیٹی کی جانب سے بیرسٹر اقبال نے بیرسٹر محمد علی جناح کو پانچ سو روپے فیس بذریعہ منی آرڈر ارسال کی تھی۔ بیرسٹر محمد علی جناح نے یہ فیس وصول کر کے رسید واپس بھجوائی اور اس کے ساتھ ایک ہزار روپے کا منی آرڈر اپنی طرف سے بھیجا اور ہدایت کی کہ یہ رقم علم الدین ڈیفنس کمیٹی کے فنڈ میں جمع کر لی جائے۔

غازی علم الدین کو 31؍اکتوبر 1929ء کے دن میانوالی میں پھانسی دی گئی۔ اس روز جیل کے باہر علم الدین کے والد طالع مند اور سینکڑوں مسلمان انتظار میں موجود تھے کہ وہ غازی کا جسدِ خاکی وصول کر کے شانِ شایان طریقے سے شہید کی تدفین کریں گے۔ لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے جیل حکام نے حکومت سے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شہید کی نعش مسلمانوں کے حوالے نہ کی جائے۔ فسادِ خلق کے خوف سے جیل حکام نے قیدیوں کے قبرستان میں ایک گڑھا کھود کر اس میں شہید کی نعش کو بغیر غسل دیئے رکھا اور اس کے اوپر ایک کمبل ڈال کر اسے پاٹ دیا۔ اس خبر کے باہر آتے ہی مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار زمیندار کا خصوصی ضمیمہ شائع کیا۔ جس کی شہ سرخی میں لکھا تھا:

''میاں علم الدین جنت میں جا پہنچے''

''حکام نے ان کی نعش ان کے والد کی اجازت کے بغیر جیل کے احاطہ میں دفن کر دی۔ سرکار کی فرعونیت اور حکام کے عدمِ تدبر کا شرمناک مظاہرہ۔''

مسلمانانِ ہند نے جب یہ خبر پڑھی تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ماتمی جلوس نکلنے لگے۔ ہڑتالیں، جلسے اور قراردادیں پاس ہونے لگیں۔ غازی کا جسدِ خاکی وارثان کے حوالے کرنے کے پُر جوش مطالبے ہونے لگے۔ ہزاروں لوگ میانوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جیل حکام اس صورتِ حال سے خوف زدہ ہو گئے اور انہیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں لوگ زبردستی شہید کا جسدِ خاکی نکال کر نہ لے جائیں۔ لہٰذا اس صورتِ

حال سے بچنے کے لیے پولیس کے مسلح دستے قبرستان میں متعین کر دیئے گئے۔

31 اکتوبر کو لاہور میں مسلمانوں کا ایک بڑا جلوس ننگے سر نکلا۔ اندرون لاہور سے سفر کا آغاز کر کے یہ جلوس بھاٹی دروازہ سے گزر کر بلدیہ کے باغات سے موری گیٹ، لوہاری گیٹ اور شاہ عالمی دروازے سے ہوتا ہوا موچی دروازہ پہنچا جہاں بہت بڑا جلسہ ہوا اور مقررین نے علم الدین شہید کے جسدِ خاکی کے حصول کے لیے پُر جوش تقاریر کیں۔ جلوس کے احترام میں مسلمانوں نے اپنی دکانیں بند رکھیں۔ مسلمانوں کی مشتعل جذباتی کیفیت کے پیشِ نظر بیرسٹر سر محمد شفیع، بیرسٹر محمد اقبال، بیرسٹر عبدالعزیز اور مولانا محی الدین قصوری پر مشتمل ایک وفد نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی اور نعش کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ جوابی طور پر گورنر نے یہ مطالبات وفد کے سامنے رکھے کہ:

''موجودہ ایجی ٹیشن کو بند کیا جائے۔ اخبارات ایسی خبریں اور مضامین شائع نہ کریں جن سے حالات خراب ہوں۔ جلسے جلوس روک دیئے جائیں۔ نعش لے کر لاہور شہر کے اندر جلوس نہ نکالا جائے اور جنازہ میں شریک لوگ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے کسی خاص قوم کے جذبات کو ٹھیس لگے۔''

بیرسٹر اقبال اور دیگر قانون دانوں نے باہم مشورے کے بعد وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے ان امور پر عمل کے لیے اپیل کریں گے۔ گورنر نے صورتِ حال پر مزید غور کے لیے وقت مانگا۔ لہٰذا شام سات بجے بیرسٹر اقبال، بیرسٹر سر محمد شفیع، بیرسٹر عبدالعزیز اور مولانا محی الدین قصوری نے دوبارہ گورنر سے ملاقات کی جس میں طے پایا کہ نعش کی حوالگی کی اطلاع مسلمانوں کو بیس گھنٹے پہلے دی جائے گی اور ایک مسلمان مجسٹریٹ شہید کی نعش میانوالی سے لاہور لائے گا۔

13 نومبر کو ایک سپیشل ٹرین علم الدین شہید کی صندوق میں بند نعش لے کر لاہور کے لیے روانہ ہوئی اور بغیر کہیں رکے ہوئے لاہور چھاؤنی کے سٹیشن پر ٹھہر گئی۔ بعد ازاں شہید کی نعش سینٹرل جیل کے حکام کے حوالے کی گئی جنہوں نے پونے سات بجے پونچھ ہاؤس کے سامنے بیرسٹر اقبال، بیرسٹر سر محمد شفیع اور میونسپل کمشنر کی موجودگی میں مسلمان معززین کے حوالے کر کے باقاعدہ رسید حاصل کی۔ سات بجے کے قریب میّت

چوبرجی کی جنازگاہ میں لائی گئی۔ 14/نومبر کی صبح جنازے کا وقت مقرر ہوا۔ علی الصبح مولانا سیّد حبیب کے جنازگاہ میں پہنچنے پر بیرسٹر محمد اقبال نے سوال کیا کہ جنازہ کون پڑھائے گا۔ شہید علم الدین کے والد سے پوچھا گیا تو انہوں نے یہ حق اقبال کو دے دیا۔ اقبال نے سیّد حبیب سے مشورے کے بعد حضرت مولانا سیّد محمد دیدار علی شاہ کا اسم گرامی تجویز کیا۔ لیکن شاہ صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کے آنے میں تاخیر ہوسکتی ہے، اس صورت حال میں دوسری مرتبہ قاری محمد شمس الدین کا نام تجویز ہوا جو مسجد وزیر خان کے امام تھے۔ لہٰذا نماز جنازہ قاری محمد شمس الدین نے پڑھائی۔ جنازے میں شرکت کے لیے مسلمانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تابوت کے ساتھ چل رہا تھا جس میں مستورات کی بھی ایک بڑی تعداد کلمہ شہادت کا ورد کر رہی تھی۔ تمام راستہ پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب تدفین کے مراحل شروع ہوئے تو مولانا ظفر علی خان تدفین سے قبل شہید کے لیے بنائی قبر میں اتر گئے اور فرمایا:

''کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی''

شہید کے لاشے کو اشک بار آنکھوں کے ساتھ جن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا، ان میں بیرسٹر محمد اقبال بھی شامل تھے۔ انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا:

❑ ''یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا۔''

جنازے کے جلوس میں آغاز سے اختتام تک بیرسٹر محمد شفیع، بیرسٹر محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان، حکیم احمد حسن، غلام مصطفیٰ حیرت اور ملک لال خان قیصر ہجوم کو پُرسکون اور قابو میں رکھنے کے لیے مصروفِ عمل رہے۔ 18 نومبر کو مذکورہ بالا کمیٹی کی جانب سے ایسوسی ایٹڈ پریس کے ذریعے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا گیا:

''چونکہ میاں علم الدین شہید کی میّت حکام نے ہمارے حوالہ کر دی اور شہید کی وصیت کے مطابق امن اور بغیر کسی ناگوار واقعہ کے میانی صاحب میں سپرد خاک کر دی گئی۔ ہم مسلم قوم کی طرف سے ہز ایکسیلینسی سر جافرے ڈی مونٹ مورنسی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ازراہ عنایت ہمارے وفد کی اس درخواست کو قبول کر لیا کہ میّت

لاہور میں دفن کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دی جائے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے دور اندیشانہ یہ فعل نہ صرف اہل وفد بلکہ تمام مسلم قوم کے لیے عمیق اطمینان کا موجب ہوا ہے۔ جنازہ کے موقع پر مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع نے جس بردباری کا ثبوت دیا ہے، تمام جماعتوں اور فرقوں کے باشندگانِ لاہور اس کی تعریف کرتے ہیں۔''

اس اعلان پر جن اکابر نے دستخط کئے ان میں بیرسٹر محمد شفیع، بیرسٹر ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال، بیرسٹر میاں عبدالعزیز، سیّد محسن شاہ ایڈووکیٹ جیسے قانون دانوں کے علاوہ میاں امیر الدین، ملک محمد حسین اور مولوی غلام محی الدین کے نام نامی شامل ہیں۔

توہین رسالت ﷺ اور ختم نبوت سے متعلق اسلام کے قانون اور عقیدے پر اقبال کے تحریر کردہ ایک انگریزی مضمون کا حوالہ بھی اہم ہے۔ اس مضمون کا عنوان "ISLAM AND AHMEDISM" ہے۔ بیرسٹر اقبال نے مرزا غلام احمد قادیانی کی جاری کردہ احمدی تحریک پر مباحث کے تسلسل میں اپنا نکتہ نظر واضح کرنے کے لیے یہ مضمون سپرد قلم کیا تھا۔ مذکورہ مضمون پہلی مرتبہ مجلّہ ''اسلام'' کی اشاعت 22/جنوری 1936ء میں زیورِ اشاعت سے آراستہ ہوا۔ (تصنیفات اقبال کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ صفحہ 337) بعد ازاں اس مضمون کا اردو ترجمہ تصدق حسین تاج نے کیا اور اسے اپنی مرتب کردہ کتاب ''مضامین اقبال'' میں شائع کیا۔ یہ کتاب 1943ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اس مضمون میں ختم نبوت اور توہین رسالت کی سزا سے متعلق اقبال کی تحریر کا ایک اقتباس اس طرح ہے۔

- ''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت کے موجود ہیں یا کہ مجھے الہام ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل ہے۔ مسلیمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا...... حالانکہ جیسا طبری لکھتا ہے وہ حضور رسالت مآب ؐ کی نبوت کا مصدق تھا اور اس کی اذان میں حضور رسالت مآب ؐ کی نبوت کی تصدیق تھی......''

(مضامین اقبال از تصدق حسین تاج، تصنیفات اقبال کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ...... رفیع

الدین ہاشمی صفحہ 362، روزنامہ نوائے وقت، کالم: علامہ اقبال اور اصول ختم نبوت (محمد آصف بھلی ایڈووکیٹ)، مورخہ 21 ستمبر 2011ء)

علم الدین شہید کی پھانسی کے بعد ایک روز کچھ طلباء بیرسٹر اقبال سے ملاقات کے لیے آئے۔ ان میں سے ایک طالب علم محمد محمود نے ان سے سوال کیا:

''علم الدین کی موت شہادت ہے یا نہیں۔''

اقبال نے جواب دیا:

''اس کا انحصار نیت پر ہے۔ اگر یہ حقیقت ذہن میں ہو کہ حملہ آور کا اصل مقصد پیغمبر کے ذاتی وقار کو نقصان پہنچانا ہی نہیں بلکہ اس کے لائے ہوئے پیغام کو مجروح اور اس ایمان محکم کو متزلزل کرنا ہے جو اس پیغام رشد و ہدایت پر قائم و استوار ہے تو یہ حملہ صرف انسانی یا پیغمبرانہ وقار کا قتل نہیں رہتا بلکہ اس ایمان اور عقیدہ کا قتل بھی بن جاتا ہے۔ اس کوشش یا اقدام کے خلاف ہر مدافعت یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہے اور وہی اس کا ٹھیک اجر دینے والا ہے۔''

فقیر سیّد وحید الدین جو اس موقع پر موجود تھے، لکھتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد اقبال نے نہایت رقت انگیز لہجہ میں فرمایا: ''میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص میرے پاس آ کر کہے کہ تمہارے پیغمبرؐ نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔''

(روزگارِ فقیر سیّد وحید الدین صفحہ 113)

بیرسٹر اقبال اسلام کے قانونِ توہین رسالت پر ایمان رکھتے تھے اور چونکہ تعزیراتِ ہند میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں تھا جو اسلامی قانون کا متبادل ہو سکتا اور اس کے مطابق شاتمانِ رسولؐ کو سزا مل سکتی، اس لیے وہ تعزیراتِ ہند کے تحت علم الدین اور عبدالقیوم جیسے غازیوں کے مقدمات میں بطور وکیل خدمات دینا ان غازیان کے اجر و ثواب کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف خیال کرتے تھے۔ اس بات کا ثبوت اقبال کی مسلمانوں کے ایک وفد سے ملاقات میں ہونے والی گفتگو سے بھی ملتا ہے۔ عدالتوں نے غازی عبدالقیوم کی جب حتمی طور پر سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا تو مسلمانوں کا ایک

وفد بیرسٹر اقبال کے پاس آیا اور اقبال سے استدعا کی کہ وہ وائسرائے ہند کے پاس رحم کی اپیل داخل کریں اور کوشش کریں کہ سزائے موت عمر قید میں تبدیل ہو جائے۔ اقبال نے کچھ دیر اپیل کی تجویز پر غور کے بعد دریافت کیا کہ کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے۔ جواب میں وفد نے بتایا کہ نہیں وہ تو بار بار کہتا ہے کہ میں نے گستاخ رسولؐ کو قتل کر کے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔ اس پر اقبال نے جواب دیا کہ جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں۔ (مکالماتِ اقبال، راشد سعید، صفحہ 163، 164)

راشد سعید اپنی کتاب ''مکالمات اقبال'' میں لکھتے ہیں کہ ''ضربِ کلیم'' میں لاہور اور کراچی کے عنوان سے جو اشعار ہیں، وہ (علم الدین شہید کے مقدمے) اور غازی عبدالقیوم کی رحم کی اپیل دائر کرنے سے بیرسٹر اقبال کے انکار کے پس منظر میں دیکھنا چاہئیں۔ اقبال نے توہینِ رسالت کے حوالے سے ہندوستان یا برطانیہ کی عدالتوں سے انصاف طلب کرنے کو بے فائدہ قرار دیا اور بہ زبان شاعری کہا

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالمِ معنیٰ کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

بیرسٹر اقبال نے اپنی زندگی ہی میں مذہبی اہمیت کے مقامات اور انبیا کرام کی توہین کے خلاف قانون سازی کی کاوشات کا آغاز کر دیا تھا اور اس سلسلے میں ایک مسوّدہ قانون بھی تیار کر لیا تھا۔

تعزیراتِ ہند پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ 1898ء میں فوجداری قانون میں دفعہ 158-A کا اضافہ کیا گیا جس میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے اور اس کے نتیجے میں فتنہ فساد پھیلانے والوں کو دو سال قید اور جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی تھیں۔ شاتمانِ رسولؐ کے خلاف مقدمات بھی اسی دفعہ کے تحت عدالتوں میں زیرِ سماعت آتے تھے۔ 1927ء میں مسلمانوں کی اشک شوئی کے لیے

دفعہ 295-A کو فوجداری قوانین میں شامل کیا گیا۔ اس دفعہ میں کہا گیا تھا کہ مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرنے یا ایسی کوشش کرنے والے کو دو سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

قانون توہین رسالت و مذہب کے حوالے سے بیرسٹر اقبال نے جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر کا سلسلہ قیام پاکستان کے بعد 23/مارچ 1956ء سے شروع ہوا جب دفعہ 295-A میں پہلی ترمیم کی گئی۔ بعد ازاں 1980ء میں ایک ترمیمی آرڈیننس کے ذریعے تعزیراتِ پاکستان میں 298-A کا اضافہ کیا گیا جس کے ذریعے اُمہات المؤمنین، اہل بیتؓ یا خلفائے راشدینؓ یا اصحابِ رسولؐ کی بے حرمتی، توہین یا ان پر طعنہ زنی اور بہتان تراشی پر تین سال کی سزا یا سزائے تازیانہ یا بیک وقت دونوں سزائیں نافذ العمل بنائی گئیں لیکن اس قانون میں کوتاہی یہ ہوئی کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی تھی۔

بعد ازاں ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کے قانون دانوں سے طویل مشاورت کے بعد، جن میں سپریم کورٹ کے سینئر وکیل جناب محمد اسماعیل قریشی اور یہ خاکسار راقم الحروف بھی شامل تھا، قومی اسمبلی کی رکن محترمہ نثار فاطمہ نے قومی اسمبلی میں بل پیش کیا جو فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ نمبر 3 سال 1986ء کی صورت میں منظور ہوا۔ اس کے نتیجے میں تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ 295 سی کا اضافہ کیا گیا۔ اس دفعہ کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

''اگر کوئی شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں، تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے بہتان تراشی کرے یا اشارتاً یا کنایتاً، بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی توہین کرے، تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔''

متذکرہ بالا قانون میں اہانتِ رسولؐ کی سزا موت تو رکھی گئی تھی لیکن متبادل سزا

عمر قید بھی تجویز کی گئی تھی جو قرآن وسنت کے منافی تھی، لہٰذا ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کے صدر جناب محمد اسماعیل قریشی نے شریعت کورٹ میں اس قانون کے مذکورہ حصہ کو حذف کروانے کے لیے وفاقی شرعی عدالت پاکستان میں پٹیشن دائر کر دی۔

وفاقی شرعی عدالت نے جناب محمد اسماعیل قریشی کی پٹیشن 30 / اکتوبر **1990**ء کو ایک تفصیلی فیصلہ صادر کرتے ہوئے منظور کر لی اور قرار دیا کہ اہانتِ رسولؐ کی سزا بطورِ حد صرف سزائے موت ہے۔ اس فیصلہ میں حکومت کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اس دفعہ میں ایک اور شق کا اضافہ کیا جائے جس کی رُو سے دوسرے پیغمبروں کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر کی جائے۔ **(PLD 1991 FSC 10)** اس طرح توہینِ رسالتؐ کے قانون نے حتمی حیثیت اختیار کر لی۔

فقہ اسلامی کی رُو سے توہینِ رسالت کے تعزیری قانون کے حوالے سے اقبال کے جذبے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے راجا رشید محمود نے لکھا ہے کہ سورۃ القلم میں خالق کائنات نے ولید بن مغیرہ، جس نے اللہ کے رسول کو ''مجنون'' (نعوذ باللہ) کہہ کر ان کی توہین کی تھی، کے دس عیب گنوائے اور اسے ''**ذَالِکَ زَنِیم**'' (یعنی تخم حرام) قرار دیا تھا۔ اقبال نے قرآنی احکامات کی پیروی کرتے ہوئے حضور ﷺ کی توہین کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کی اور تمام عمر جہاد کیا۔ (اقبال اور احمد رضا، راجا رشید محمود صفحہ **54**)

بیرسٹر اقبال نے توہینِ رسالت کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں حضرت محمد ﷺ کے زمانے ہی میں گستاخِ رسول مسلیمہ کذاب کے واجب القتل ہونے کو قانونی جواز بنایا تھا یعنی اسے اسلامی قانون کے مطابق درست قرار دیا تھا۔ اقبال کے وژن کو پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے **1991**ء میں ایک مستقل قانون کے سانچے میں ڈال کر فقہ اسلامی کے حوالے سے اقبال کی قانون فہمی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری

گستاخ رسول کی سزا اور احناف کا مؤقف

معروف مذہبی سکالر علامہ جاوید احمد غامدی اور ان کے رفقائے کار ایک عرصے سے پاکستان میں رائج قانون تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے درپے ہیں۔ چنانچہ ملعونہ آسیہ مسیح کو جیسے ہی ٹرائل کورٹ نے موت کی سزا کا حکم سنایا اور گورنر سلمان تاثیر نے اس سے جیل میں ملاقات کی تو ان حضرات کو بھی ایک موقع میسر آ گیا اور انہوں نے پھر سے اس قانون پر اعتراضات اُٹھانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے قانون توہین رسالت پر احناف کے مؤقف کے حوالے سے اضطراب پیدا کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ قانون توہین رسالت پر ہرزہ سرائی اور اس میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے والوں کو بزعم خویش علمی بنیادیں فراہم کریں تا کہ اہل مغرب ہمارے حکمرانوں پر دباؤ ڈال سکیں کہ اس قانون کو تبدیل کرنا آپ کے اپنے فقہی مذہب کے اعتبار سے بھی ناگزیر ہے۔ ان کاوشوں کے تسلسل میں ان کے ایک شاگرد اور معروف محقق حافظ علامہ محمد عمار خان ناصر نے ایک کتابچہ شائع کر دیا جس کا عنوان ہے ''توہین رسالت کا مسئلہ۔ چند اہم سوالات کا جائزہ''۔ انہوں نے اس کتابچہ میں متعدد مقامات پر غلط بیانی اور کتمان حق سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ زیر نظر کتابچہ میں ان کی وہ آراء زیر بحث لائی گئی ہیں جو انہوں نے احناف کے مؤقف کے حوالے سے اضطراب پیدا کرنے کیلئے تحریر کیں۔

انہوں نے اپنے اس کتابچہ میں ایک مقام پر لکھا ہے:

''جمہور فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے تحت اس جرم کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کے بجائے معذرت کا رویہ اختیار کرے تو

اس سے درگزر کرنا یا ہلکی سزا دینے پر اکتفا کرنا مناسب ہے البتہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے دیدہ و دانستہ کیا جائے یا وہ ایک معمول کی صورت اختیار کر لے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ: ٦٥)

جمہور فقہاء احناف کا مؤقف کیا ہے؟

جمہور فقہائے احناف کے حوالے سے انہوں نے جو مذکورہ بالا مؤقف اختیار کیا ہے اس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جمہور فقہائے احناف یہ مؤقف رکھتے ہیں کہ گستاخ مسلمان ہو یا کافر، اسے لازماً قتل کیا جائے گا، اس سے قبل کہ جید حنفی فقہاء کی تصریحات پیش کی جائیں، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ احناف کا اس مسئلہ پر جمہور فقہاء کے ساتھ جو گستاخ رسول کو حداً قتل کرنے کا موقف رکھتے ہیں، کیا کوئی اختلاف ہے بھی یا نہیں ؟ اور اگر اختلاف ہے بھی تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا محل کیا ہے؟

مذاہب اربعہ کے جمہور فقہا مسلمان اور ذمی یا معاہد گستاخ دونوں کیلئے یہ مؤقف رکھتے ہیں کہ انہیں حداً قتل کیا جائے گا اور نہ تو ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ وہ اسے گستاخی کی حد قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ ایسے ملعون کو قتل کرنے کیلئے گستاخی کو ایک مستقل علت قرار دیتے ہیں جبکہ مسلمان شاتم کی حد تک جمہور احناف بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ مسلمان گستاخ کی صورت میں اس پر حد ارتداد و کفر کا حکم لگاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا موقف دیگر مذاہب کے مقابلے میں اور بھی سخت ہو جاتا ہے کیونکہ حنابلہ اور مالکیہ کا راجح مؤقف یہ ہے کہ گستاخ مسلمان ایک دین سے دوسرے دین میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس نے گستاخی رسول کی صورت میں ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا ان کے نزدیک یہ ہے کہ اسے حداً قتل کر دیا جائے جبکہ احناف اس پر حد ارتداد کا حکم لگاتے ہیں لیکن وہ گستاخی کی وجہ سے اسے ردہ عامہ نہیں بلکہ ردہ

خاصہ قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ردہ خاصہ کے مرتکب کا حکم زندیق کی طرح ہے جسے لازماً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گستاخ مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اس لیے دنیا میں سزائے موت کے بعد وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار ہے اور اس کی تکفین وتدفین بھی مسلمان کی طرح ہی ہوگی ۔جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ خاص ارتداد کا مرتکب اور زندیق ہونے کے باعث قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔اگر وہ تجدید اسلام کے بغیر مرتا ہے تو وہ بخشش کا امیدوار نہیں ہوسکتا اور نہ ہی حد کے اجرا کے بعد اس کی تکفین وتدفین مسلمان کی طرح ہوگی ۔

جہاں تک غیر مسلم شاتم یعنی ذمی یا معاہد کا تعلق ہے تو جمہور احناف بالکل مالکیہ اور حنابلہ جیسا مؤقف رکھتے ہیں اور بہر صورت اسے واجب القتل سمجھتے ہیں ۔ اگر چہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض متقدمین احناف سے منقول مؤقف یہ ہے کہ توہین سے ذمی یا معاہد کا ذمہ اور معاہدہ نہیں ٹوٹتا لیکن بعض متقدمین اور کثیر متاخرین احناف نے اس سے اختلاف کیا ہے اور ان کے نزدیک توہین رسالت سے ذمی کا ذمہ ختم ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ کیا گیا معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے ۔پہلے مالکیہ کے فقہی مؤقف پر تصریحات ملاحظہ فرمائیں ۔

امام محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح

امام محمد بن سحنونؒ (ت،۲۶۵) نے مالکیہ کے مذہب کو یوں واضح کیا:

لم یزل القتل عن المسلم بالتوبة من سبه علیه السلام ،لانه لم ینتقل من دین الیٰ دین ،وانما فعل شیئاً حده عندنا القتل لاعفو فیه لاحد ، کالزندیق ،لانه لم ینتقل من ظاهر الیٰ ظاهر (السیف المسلول:۱۶۲،۱۶۳)

نبی علیہ السلام کی گستاخی سے مسلمان کا قتل توبہ سے زائل نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نہیں منتقل ہوا جبکہ اس نے ایک ایسا عمل کیا کہ ہمارے نزدیک جس پر قتل بطور حد ہے اور اسے کوئی معاف نہیں کرسکتا جیسے زندیق

کو کیونکہ یہ بھی ظاہر سے ظاہر کی طرف منتقل نہیں ہوا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح

قاضی عیاضؒ نے امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب کے موقف کو جمہور فقہاء کے موقف ہی کی مثل قرار دیا ہے اور یہ فرق بیان کیا ہے کہ احناف گستاخ رسول کو مرتد بھی قرار دیتے ہیں جبکہ سب کے نزدیک دنیا میں تو اس کی سزا بہر حال یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول کیے بغیر اسے قتل کر دیا جائے۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ قول یوں نقل کیا ہے۔

وقد قال القاضی عیاض رحمة الله علیه بعد ان حکیٰ قتله عن جماعة ثم قال: ولا تقبل توبته عند هولاء، و بمثله قال ابو حنیفة و اصحابه، و الثوری، و اهل الکوفة، والاوزاعی، فی المسلم،کلهم قالوا: هی ردة ورویٰ مثله الولید بن مسلم عن مالک وقال بعد ذلک: ذکرنا الاجماع علی قتله، و مشهور مذهب مالک واصحابه و قول السلف و جمهور العلماء قتله حدا لا کفراً ان اظهر التوبة و لهذا لاتقبل التوبة عندهم (السیف المسلول:۱۵۵،۱۵۶)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت سے حکم قتل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ان کے ہاں ان کی توبہ قبول نہیں، اسی کی مثل امام ابو حنیفہ،ان کے اصحاب ،امام ثوری ،اہل کوفہ اور اوزاعی نے مسلمان گستاخ کے بارے میں کہا اور ان تمام نے فرمایا یہ ارتداد ہے اس طرح کی بات ولید بن مسلم (ت،۱۹۵) نے امام مالک سے بھی نقل کی ۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب،قول سلف اور جمہور علماء کہتے ہیں یہ قتل بطور حد ہے نہ کہ بطور کفر، اگر چہ وہ توبہ کا اظہار کرے اور اسی لئے ان کے ہاں توبہ قبول نہیں۔

فقہائے احناف کی تصریحات

اب ہم فقہاء احناف کی تصریحات پیش کرتے ہیں:

1- فقہ حنفی کے بہت بڑے امام ابو العباس احمد بن محمد بن ناطفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

(ت،۴۴۶ھ) نے اپنی کتاب ''اجناس ناطفی'' میں لکھا ہے جسے دسویں صدی ہجری کے عظیم حنفی امام قاضی عبدالمعالی بن خواجہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتاوی ''حسب المفتین''میں ذکر کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

اما اذا سب رسول الله صلى الله عليه وسلم او واحد من الانبياء عليهم السلام يقتل حد اً ولا توبة له اصلا سواء بعد القدرة والشهادة او جاء تائباً من قبل نفسه كالزنديق لانه حد وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الادميين و كحد القذف

جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی کو گالی دی تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ حراست میں لیے جانے یا گواہی کے بعدوہ گستاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لیے پیش ہو جائے، اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے پس توبہ سے ساقط نہیں ہوگی جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق جس پر حق ہو، اسکی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے۔

او بخلاف الارتداد لا نه يتفرد به المرتد لا حق فيه لغيره من الادميين و لهذا قلنا اذا شتمه صلى الله عليه وسلم سكران لا يعفى و يقتل ايضاً حداً

گستاخ کا مسئلہ عام مرتد جیسا نہیں ہے کیونکہ عام مرتد کا فعل اسکا انفرادی فعل ہے جس سے کسی آدمی کا کوئی حق متاثر نہیں ہوتا (لہذا اس کی توبہ قبول ہے مگر گستاخ کی توبہ قبول نہیں ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حق متاثر ہوا ہے)اسی لیے کسی نے حالت نشہ میں گستاخی کی پھر بھی اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور حداً ہی قتل کیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے دوٹوک الفاظ میں واضح کیا ہے:

هذا مذهب ابى بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه و الامام

الاعظم (فتاویٰ حسب المفتین :۲/۳۳۷)

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

اسی مقام پر امام عبد المعالی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ علم الھدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی ''**البحر المحیط**'' سے نہایت قابل غور اقتباس نقل کیا ہے:

من شاتم النبی علیه السلام او اهانه اوعاب فی اموردینه و فی شخصه او فی وصف من او صاف ذاته سواء کان الشاتم مثلاً من امته و من غیرها و سوآء کان من اهل الکتاب او غیره ذمیاً کان او حربیاً و سوآء کان من اهل الکتاب الشتم او الا هانة او العیب صادر ا عنه عمداً او قصداً او سهواً و غفلته او حبا او هزلا فقد کفر خلودا بحیث ان تاب لم یقبل توبته ابدا لا عندالله و لا عند الناس و حکمه فی الشریعة المطهرة عند متاخری المجتهدین اجماعاً و عند اکثر المتقدمین القتل قطعاً

جس بندے نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا آپ کی اہانت کی یا آپ کے دین، شخصیت یا اوصاف میں سے کسی وصف کو عیب والا بتایا خواہ یہ گالی دینے والا آپ کی امت سے ہو یا غیر، اہل کتاب سے ہو یا غیر، ذمی ہو یا حربی خواہ اس نے گالی اہانت یا عیب لگانے کی بات عمداً یا قصداً کی ہو یا سھواً غفلت سے کی ہو، سنجیدگی سے کی ہو یا مذاق میں، پس اس نے ہمیشہ کا کفر کیا یعنی اگر وہ توبہ کرے کبھی بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور نہ ہی بندوں کے نزدیک۔

متاخرین مجتہدین کے نزدیک بالاجماع اور اکثر متقدمین کے نزدیک شریعت میں اس کا حکم قتل ہے۔

و لا یداهن السلطان او نائیبه فی حکم قتله أفمن فات فی قتله وانعدامه المصالح الدینویة کقتل القضاف والو لاف والعمال و ان اهملوا فقد رهنوا بما صدر عنه من الشتم مثلا و هو کفر فهم رضوا

بالکفر و الراضی بالکفر. والراضی کافرفهم کافرون
(فتاویٰ حسب المفتین :۳۳۶/۲، ۳۳۷)

بادشاہ یا اس کا نائب اس گستاخ کے قتل میں فریب کاری سے کام نہ لے اگرچہ اس گستاخ کو قتل کرنے کی پاداش میں بہت سے دینی مصالح بھی فوت ہو جائیں جیسا کہ قاضیوں ، والیوں اور سرکاری اہلکاروں کا قتل ہے، پھر بھی بادشاہ اسے زندہ نہ چھوڑے اور اگر حکومت نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو حکمران اس کے کفر پر راضی ہو گئے یعنی جو اس سے توہین کا صدور ہوا تھا یہ کفر ہے۔ کفر پر راضی ہونے والا بھی کافر ہوتا ہے پس وہ کافر ہونگے۔

یہاں علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ شاتم خواہ حضور ﷺ کی اُمت سے ہو یا غیر، اہل کتاب سے ہو یا غیر، ذمی ہو یا حربی، شریعت میں اس کا حکم قتل ہے۔ پھر انہوں نے اس حکم شرعی پر متاخرین مجتہدین کا اجماع منعقد ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کثیر متقدمین کے حوالے سے بھی وجوب قتل والی رائے لکھی ہے۔

2- امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ (ت،۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

فاذا ثبت ذلک کان من اظهر سب النبی ﷺ من اهل العهد ناقضاً للعهد اذ سب رسول الله ﷺ من اکثر الطعن فی الدین
(احکام القرآن للجصاص :۲۷۵/۴)

پس یہ ثابت ہو گیا کہ ذمی شخص نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو وہ عہد توڑنے والا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ برا ہے۔

انہوں نے اپنی کتاب '' احکام القرآن '' ہی میں امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

وقال اللیث فی المسلم یسب النبی ﷺ انه لایناظر ولا یستتاب ویقتل مکانه و کذلک الیهود و النصاریٰ (احکام القرآن للجصاص:۲۷۵/۴)

امام لیث کہتے ہیں جو مسلمان کہلاتا ہو اور نبی کریم ﷺ کی اہانت کا مرتکب

ہو اس سے نہ مناظرہ کریں گے اور نہ توبہ کا مطالبہ کریں گے بلکہ اسے اس جگہ قتل کریں گے یہی حکم یہودی اور نصرانی (شاتم) کیلئے بھی ہے۔

یہاں جصاص نے بھی مسلمان، یہودی اور نصرانی شاتم تینوں کے لئے ایک ہی حکم لکھا ہے یعنی انہیں توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا۔

3- امام محمد بن محمد شہاب کردری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (ت،۸۲۷ھ) نے اس مسئلہ پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وزال عنه موجب الكفر و الا رتدادوهو القتل الا اذا سب الرسول عليه الصلاة و السلام او واحد من الانبياء عليهم الصلوة والسلام فانه يقتل حداً ولاتوبة له اصلاًسواء بعد القدرة عليه الشهادة او جاء تائباً من قبل نفسه كالزنديق

(عام) مرتد سے کفر اور ارتداد کا موجب زائل ہو جائے گا مگر جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی علیہ السلام کو گالی دی تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ حراست میں لیے جانے یا گواہی کے بعد وہ گستاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کیلئے پیش ہو جائے، اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا۔

لانه حد وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين ،وكحد القذف لا يسقط بالتوبة بخلاف ما اذا سب الله تعالىٰ ثم تاب لانه حق الله تعالىٰ و لأن النبى عليه السلام بشر و البشر جنس يلحقهم المعرة الا من اكرمهم الله تعالىٰ و البارىء منزه عن جميع المعايب، و بخلاف الارتدار لأنه معنى يتفرد المرتد لاحق فيه لغيره من الآدميين و لكنه قلنا اذا شتمه عليه السلام سكر ان لا يعفى ويقتل ايضاً حداً و هذا مذهب ابى بكر الصديق رضى الله عنه وا لاامام الاعظم و الثورى و اهل الكوفة و المشهور من مذهب مالك و اصحابه ،

کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے پس توبہ سے ساقط نہیں ہوگی، جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق جس پر حق ہو، اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد

قذف ہے۔ بخلاف اس صورت کہ جب اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی پھر توبہ کر لی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی علیہ السلام انسان ہیں اور انسان کی جنس کو عار لاحق ہوتی ہے البتہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معزز بنایا، باری تعالیٰ ان تمام عیوب سے منزہ ہے، بخلاف (عام) ارتداد کیونکہ اس میں محض وہی ارتداد ہوتا ہے جس میں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں ہوسکتا البتہ ہم واضح کر رہے ہیں کہ جب کسی نے حالت نشہ میں گستاخی کی تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا اسے بھی حداً قتل کیا جائیگا۔ یہی مذہب حضرت ابو بکر صدیقؓ، امام اعظم، ثوری اور اہل کوفہ کا ہے اور یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔

قال الخطابی :لا اعلم احداً من المسلمین اختلف فی وجوب قتله اذا كان مسلماً.وقال ابن سحنون المالكی: اجمع العلماء أن شاتمه كافر و حكمه القتل ومن شک فی عذابه و كفره كفر. قال الله تعالیٰ فيه: مَّلۡعُوۡنِيۡنَ اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِيۡلًا........ .تَبۡدِيۡلاً

(الاحزاب، آیۃ، ٦١)

الآية وروی عن عبد الله بن موسی بن جعفر عن علی بن موسی عن ابيه عن جده عن محمد بن علی بن الحسين و عن ابن حسين بن علی ابيه انه ﷺ قال: من سب نبياًفاقتلوه ومن سب اصحابی فاضربوه ، و امر

امام خطابی کہتے ہیں کہ جب گستاخ مسلمان ہو تو اس کے لزوم قتل پر کوئی اختلاف نہیں، ابن سحنون مالکی کہتے ہیں اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم نبی کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے عذاب و کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ لعنتی ہیں جہاں یہ پائیں اور پکڑے جائیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن موسی بن جعفر نے علی بن موسی سے اور انہوں نے ابن حسین بن علی انہوں نے محمد بن علی بن حسین انہوں نے ابن حسین بن علی انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا۔

رسول الله ﷺ بقتل كعب بن الاشرف بلا ابزار وكان يوذی رسول الله عليه السلام و كذأ امر بقتل رافع اليهودی وكذا امر بقتل ابن خطل لهذا و ان كان متعلقا باستار الكعبة ودلائل المسألة تعرف فی

كتاب الصارم المسلول على شاتم الرسول.فان قلت، اقتضاء المشهور كون المعانى الثلاثة موجباً للقتل و قد زاد الرابع عليه هو الشتم ،قلت:لا ريب ان الزنديق و الساحر يقتلان و هذاو اذان يدخلان تحت كفر بعد ايمان على ان المذهب ان التنصيص على العدد لا يمنع الزيادة كما تقرر فى المختصرات. (الفتاوى البزازية: ۲/ ۴۴۲. ۴۴۳)

حضورﷺ نے فرمایا جس نے نبی کی گستاخی کی، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے صحابی کی گستاخی کی، اسے کوڑے لگائے جائیں ۔رسول اللہﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم دیا وہ رسول اللہﷺ کو اذیت دیتا، اسی طرح آپﷺ نے رافع یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا اسی طرح ابن خطل کے قتل کا حکم دیا اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں میں چھپا ہو،اس مسئلہ پر دلائل کے لیے کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول کا مطالعہ کیجیے۔سوال، مشہور موجب قتل کی تین ہی جزیں ہیں چوتھی کا اضافہ ہے کہ گستاخی پر قتل ہے ۔ جواب۔ زندیق اور جادوگر دونوں کو قتل کیا جائے گا۔تو یہ دونوں کفر بعد از ایمان کے تحت داخل ہوں گے اور دوسرا مذہب واصول یہ ہے کہ عدد کی تصریح، اضافہ سے مانع نہیں ہوتی جیسا کہ مختصرات میں ثابت ومسلم ہے۔

واضح ہوا کہ یہاں ابن بزار نے کعب بن اشرف، ابو رافع اور ابن خطل کے قتل کیے جانے سے استشہاد کیا ہے ۔ صاف ظاہر ہے کہ کعب بن اشرف اور ابو رافع دونوں یہودی تھے۔کعب بن اشرف کے ساتھ تو معاہدہ بھی تھا لیکن حضورﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا، اسی طرح ابن خطل ارتداد اختیار کر کے مکہ بھاگ گیا تھا۔

4- امام بدر الدین عینی حنفیؒ (ت،۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

ولكن أنا معه فى جواز قتل السابّ مطلقاً (عمدۃ القاری:۱۹/۴۳۸)

تاہم میں مطلقاً ہر شاتم رسول کو قتل کرنے کے حق میں ہوں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واختيارى فى السب انه اى : الذمى الساب يقتل ، لان المسلم

اذا سب النبی : یقتل ، فکیف اذا صدر ھذا من مجرم عدو الدین؟
(رمز الحقائق، کتاب السیر، باب العشر والخراج فصل فی بیان احکام الجزیہ:۱۔۴۴۰)

گالی دینے والے کے بارے میں میرا مؤقف یعنی ذمی کافر کے شتم کے بارے میں یہی ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ مسلمان اگر آپ کو گالی دے تو اسے قتل کیا جاتا ہے پھر اگر یہی فعل دین کے دشمن سے صادر ہو تو اسے کیونکر قتل نہیں کیا جائے گا؟

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مطلقاً ہر شاتم رسول کو قتل کرنے کے مؤقف کی تائید کی ہے خواہ یہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

5- مجتہد کی شان رکھنے والے عظیم فقیہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ (ت،۸۶۱ھ) جنہیں بجا طور پر "محقق علی الاطلاق" کہا جاتا ہے، اپنی کتاب "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں:

کل من ابغض رسول اللہ ﷺ بقلبه کان مرتداً فالساب بطریق اولیٰ ثم یقتل حداً عندنا فلا تقبل توبته فی اسقاط القتل ..... وان سب سکر ان ولا یعفی عنه (فتح القدیر:۹۱/۶)

ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ سے دل میں بغض رکھے، وہ مرتد ہے اور آپ کو سب وشتم کرنے والا تو بدرجہ اولیٰ مرتد ہے، اسے قتل کیا جائے گا اگرچہ حالت نشہ میں کلمہ گستاخی بکا جب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔

امام ابن الہمامؒ نے گستاخ ذمی اور معاہد کا عہد ٹوٹ جانے اور اس کے مباح الدم ہونے کا قول کیا ہے۔

والذی عندی ان سبه علیه السلام اونسبةمالا ینبغی الی اللہ تعالیٰ ان کان مما لا یعتقدونه کنسبة الولد الی اللہ تعالیٰ وتقدس عن ذالک اذا اظھر یقتل به و ینتقض عھده (فتح القدیر:۵۹/۶)

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ (ذمی) نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کی جو کہ (مسلمانوں) کے معتقدات سے خارج

ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا حالانکہ وہ اس سے پاک ہے جب وہ اس کا اظہار کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کردیا جائے گا۔

6- حضرت مولیٰ خسرو رحمۃ اللہ علیہ (ت،۸۸۵) مسلمان شاتم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اذا سبه او واحدامن الانبیاء صلوات الله علیهم اجمعین مسلم فانه یقتل حداً ولاتوبة له اصلا سواء بعد القدرة علیه والشهادة او جاء تائبا من قبل نفسه کالزندیق لانه حدوجب فلا یسقط بالتوبة

جو شخص نبی کریم ﷺ یا انبیاء کرام میں سے کسی کی اہانت کا مرتکب ہو، وہ مسلمان کہلاتا ہو، اسے بطور حد قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ تائب ہو کر آئے یا گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے، زندیق کی طرح اس کی توبہ قبول نہیں۔ اس لیے کہ حد واجب ہے اور توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

ولا یتصور خلاف لاحد لانه حد تعلق به حق العبد فلا یسقط بالتوبة کسائر الآدمیین و کحد القذف لایزول بالتوبة قلنا اذا شتمه سکران لایعفی و یقتل ایضاً حداً و هذا مذهب ابی بکر الصدیق رضی الله عنه و الامام الاعظم و الثوری و اهل الکوفة والمشهورمن مذهب مالک و اصحابه (الدرر الحکام :۱/۳۰۰)

اس میں اختلاف نہیں اس لیے کہ یہ ایسا حق ہے جو حق عبد کے ساتھ متعلق ہے اور بقیہ حقوق العباد کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہوگا، جیسے حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، اگر کوئی حالت نشہ میں بھی تنقیص کرے تو معافی نہ دی جائے گی، اور اسے بطور حد قتل کیا جائے گا، یہی مذہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اور امام اعظم، ثوری، اہل کوفہ، امام مالک اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔

7- امام زین الدین بن ابراھیم المعروف بہ ابن نجیم الحنفی (ت،۹۷۰) فرماتے ہیں کہ ''ساب النبی'' کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

لا تصح ردة السكران الا الردة بسب النبی فانه یقتل و لایعفی عنه کذا فی البزازیة.کل کا فر تاب فتو بته مقبولة فی الدنیا و الآخرة الاجماعة الکافر بسب النبی.... واذا مات او قتل علی ردته لم یدفن فی مقابر المسلمین، ولا اهل ملته وانما یلقیٰ فی حفیرة کالکلب.

(الاشباہ والنظائر:۲۱۹،۲۲۰)

نشہ کی حالت میں ارتداد صحیح نہ مانا جائے گا مگر حضور ﷺ کی اہانت حالت نشہ میں بھی کی جائے تو اسے معافی نہ دی جائے گی جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔ ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول ہے مگر کافروں کی وہ جماعت جس نے حضور ﷺ کو گالی دی، اس کی توبہ قبول نہیں ۔۔۔۔ جب وہ شخص مر جائے یا مرتد کے طور پر قتل کر دیا جائے، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں، نہ اہل ملت (یہودی، نصرانی) کے گورستان میں، بلکہ اسے کتے کی طرح گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔

ابن نجیم نے اپنے فتویٰ کی عبارت کے پہلے حصے میں ابن بزار کے حوالے سے واضح کیا ہے کہ ہر کافر کی توبہ دنیا اور آخرت میں مقبول ہے مگر کافروں کی وہ جماعت جس نے حضور ﷺ کو گالی دی، اس کی توبہ قبول نہیں ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کافر شاتم اگر توبہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں کی جائے گی ۔

8- امام محمد بن عبد اللہ حنفی تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ (ت،۱۰۰۴)مسلمان شاتم کے لئے اسے حد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

کل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الا الکافر بسب نبی ﷺ

(تنویر الابصار،۳۴۵)

جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کی توبہ قبول ہے مگر توہین کرنے والے کافر کی توبہ قبول نہیں جائے گی ۔

9- امام عبد اللہ بن محمد سلیمان حنفی رحمۃ اللہ علیہ (ت،۱۰۷۸ھ) مسلمان شاتم کے بارے میں فرماتے ہیں :

اذاسبه ﷺ او واحدا من الانبیاء مسلم ولا سکران فلا توبة له

اصلا لاتنجیه کالزندیق و من شک فی عذابه و کفره فقد کفر
(مجمع الانہر:۱/۶۷۷)

جو مسلمان کہلا کر نبی کریم ﷺ یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ حالت نشہ میں ہو، تو زندیق کی طرح اس کی توبہ کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے، وہ خود بھی کافر ہے۔

10- امام خیر الدین رملی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (ت،۱۰۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ ہر مرتد کی توبہ قبول ہے سوائے جس نے حضور ﷺ کی گستاخی کی:

اذا سب الرسول ﷺ او واحداً من الانبیاء علیهم السلام فانه یقتل حداً ولا توبة له اصلاً...... ولا یتصور فیه خلاف لا حد لانه حق تعلق به حق العبد فلا یسقط بالتوبة کسائر حقوق الآدمیین ..... هذا مذهب ابی بکر الصدیق رضی الله عنه و الامام الاعظم والبدری وأهل الکوفة و المشهور من مذهب مالک و أصحابه (فتاویٰ خیریہ:۱۷۰)

جس نے رسول اللہ ﷺ اور انبیا علیہم السلام سے کسی نبی کی گستاخی کی تو اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مقبول نہیں۔...... اس بارے میں کسی کا اختلاف متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے حق بندہ متعلق ہے تو وہ بندوں کے دوسرے حقوق کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہوگا۔...... یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ، اہل کوفہ کا مذہب ہے اور یہی امام مالک اور آپ کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔

یہ بات قابل غور ہے یہاں امام خیر الدین رملی علیہ الرحمہ کے فتویٰ کے مطابق مطلقاً ساب النبی کی بات کی گئی ہے اور مسلمان یا غیر مسلم شاتم کا امتیاز نہیں کیا گیا۔

11- امام الحصکفی حنفیؒ (ت،۱۰۸۸) لکھتے ہیں:

(کل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الا)جماعة: من تکرر ت ردته علی ما مرّو(الکافر بسبّ نبی) من الانبیا ء فانه یقتل حداً و لا تقبل تو بته مطلقاً (الدر المختار:۳۴۵)

ہر مرتد مسلمان کی توبہ مقبول ہے مگر ان لوگوں کی جس کا ارتداد دوبارہ ہو اور کسی نبی کی گستاخی کرنے کی وجہ سے ہونے والا کافر کیونکہ اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ کسی حال میں قبول نہیں کی جائے گی۔

12- شاہ عنایت قادری رحمۃ اللہ علیہ (ت،۱۱۴۸ھ) مسلمان اور کافر دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب وہ توہین رسالت کا ارتکاب کریں گے تو انہیں قتل کیا جائے گا۔

"گستاخ رسول کی سزا کے بارے میں جو ہم تک معتبر روایات پہنچی ہیں وہ فتاویٰ ذخیرہ میں ہیں۔ ان میں یہ ہے کہ گستاخ رسول کوئی بھی ہو خواہ مسلمان ہو یا ذمی اس کی شرعی حد یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اس کیلئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

هو مذهب ابی بکرؓ و الامام الاعظم (غایۃ الحواشی: ۲۴۰)

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔"

13- شیخ احمد ملا جیون الجونفوری (ت: ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:

وذكر فی كتب الفقه فی بیان نقض العهد ان نقض العهد عند ابی حنیفة انما یكون بان غلب علی موضع لحربنا او لحق بدارالحرب لا بان امتنع من الجزیة اوزنی بمسلمة او قتلها او سب النبی علیه السلام فلا یقتل الذمی بسب النبی علیه السلام بل یعزرعلی ما فی الفتاوی وعند الشافعی ومالک واحمد بن حنبل سب النبی علیه السلام ایضاً ناقض للعهد فیقتل الذمی ان سب النبی علیه السلام

اور کتب فقہ میں نقض عہد کے بیان میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نقض عہد صرف اس صورت میں ہے کہ وہ ہماری جنگ والی جگہ پر غالب ہو جائے یا دارالحرب کے ساتھ لاحق ہو جائے۔ درج ذیل صورتوں میں نقض عہد نہیں ہوگا مثلاً وہ جزیہ نہ دے یا مسلمان خاتون کے ساتھ زنا کرے یا کسی مسلمان خاتون کو قتل کرے یا

نبی اکرم ﷺ کو سبّ وشتم کرے۔ لہذا ذمی اگر نبی اکرم ﷺ کو گالی دے تو اس پر اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے تعزیراً سزا دی جائے گی جیسا کہ فتاویٰ میں مذکور ہے، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کو سبّ وشتم کرنا بھی عہد ذمہ کو توڑ دیتا ہے لہذا اگر ذمی نے نبی اکرم ﷺ کو سبّ وشتم کیا تو اسے قتل کیا جائے گا۔

وظاهر عبارة القرآن يقتضى هذالحكم لانه قال وطعنوا فى دينكم فقاتلوا ولا شک ان ليس طعن فى الدين اكبر من سب النبى عليه السلام اذ فيه اهانة الشرعى وهتک حرمة الاسلام والحق ان يكون فتوى اهل العلم فى زماننا على هذا (تفسيرات احمديه: ۴۵۲)

اور قرآن کی ظاہری عبارت بھی اسی حکم کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**وطعنوا فى دينكم**'' اور اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو سبّ وشتم کرنے سے بڑھ کر دین میں بڑا طعن نہیں ہے کیونکہ اس میں شریعت کی اہانت اور حرمت اسلام کی پامالی ہے اور حق بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں اہل علم کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

ملا جیون علیہ الرحمہ نے مذاہب اربع کا تقابل کرانے کے بعد بہت ہی قابل غور بات کی ہے کہ دین میں طعن سب النبی سے بڑا جرم نہیں ہے یعنی جب اس پر ذمی کا معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ مباح الدم ہوجاتا ہے تو سب النبی کی پاداش میں کیوں نہیں؟ مزید فرمایا کہ ہمارے زمانے میں اہل علم کا فتویٰ اسی پر ہے کہ توہین رسالت کی صورت میں ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کیا جائے گا۔

14- برصغیر کے معروف فقیہ اور محدث حضرت محمد ہاشم بن عبد الغفور ٹھٹھوی (ت:۱۱۷۴ھ) نے اس موضوع پر ایک مبسوط رسالہ بعنوان ''السیف الجلی علی ساب النبی'' تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے چار فصول کے تحت اس مسئلہ پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں کہ مسلمان شاتم کو توہین رسالت کے جرم میں موت کی سزا دی جائے گی اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ کافر اور غیر مسلم ہو اس کو بھی موت کی سزا

دی جائے گی ۔خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔ان کی اس معرکۃ آراء تالیف کا اردوترجمہ بھی بعنوان ''توہین رسول اوراسلامی قوانین'' شائع ہو چکا ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی احناف فقہاء نے یہی مذہب اختیار کیا ہے اور اسے اختیار کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی ہے کہ یہ مذہب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے طوالت کے خوف سے تفصیلی عبارات کی بجائے ان میں سے بعض کے محض تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں ۔مثلاً علامہ حسن شرنبلائی و علامہ یوسف اخی اور علامہ ابوعبداللہ رحمھم اللہ تعالیٰ نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ گستاخ رسول کا حکم عام مرتد کی طرح نہیں کیونکہ اس کی توبہ کسی صورت میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

حنفی مفسرین کی تصریحات

اب دو جلیل القدر حنفی مفسرین کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمالیں:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من آذی رسول الله ﷺ بطعن فی شخصه او دینه او نسبه او صفته من صفاته او بوجه من وجوه الشین فیه صراحة او کنایة او تعریضاً او اشارة کفر و لعنة الله فی الدنیا و الآخرة و اعد له عذاب جهنم ،وهل یقبل توبته؟ (تفسیر مظهری :۳۸۲/۷)

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ،دین ،نسب یا حضور سید عالم ﷺ کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحتاً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطور تعریض آپ ﷺ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے ۔ایسے شخص پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت اور اس کے لیے عذاب جہنم ہے کیا اس کی توبہ قبول ہوگی ؟

اس کے بعد انہوں نے ابن الہمام ،امام خطابی کے اقوال نقل کر کے تصریح کی ہے کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انه قد اجتمعت الامة علی ان الاستخفاف بنبینا وبای نبی کان من الانبیاء کفر سواء فعله فاعل ذلک استحلا لأأم فعله معتقداً بحرمته

ليس بين العلماء خلاف فى ذلك و القصد للسب و عدم القصد سواء اذلايعذر احد فى الكفر بالجهالة و لا بدعوى زلل اللسان اذا كان عقله فى فطرته سليماً (روح البيان :۵۰۳/۴)

تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ یا کوئی اور نبی علیہ السلام ہوں، ان کی ہر قسم کی تنقیص واہانت کفر ہے، اس کا قائل اسے جائز سمجھ کر گستاخی کرے یا اسے حرام سمجھے، قصداً گستاخی کرے یا بلا قصد، ہر طرح اس پر کفر کا فتویٰ ہے شان نبوت کی گستاخی میں لاعلمی اور جہالت کا عذر نہیں سنا جائے گا، سبقت لسانی کا عذر بھی قابل قبول نہیں، اس لیے کہ اس کی عقل فطرت سلیمہ پر ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احناف فقہا کی اکثریت گستاخ رسول کو خاص مرتد اور زندیق سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ فقہاء کرام نہ تو ایسے ملعون کو معاف کرنے اور نہ ہی اسے قتل سے کم سزا دینے کا مؤقف رکھتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ موصوف نے کون سے جمہور فقہائے احناف کی یہ رائے لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے ساتھ اہانت رسول کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کی بجائے معذرت کا راستہ اختیار کرے تو اس پر درگزر کرنا اور اسے ہلکی سزا دینا مناسب ہے اور یہ کہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کیلئے دیدہ و دانستہ کیا جائے اور وہ ایک مستقل معمول کی صورت اختیار کرلے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار بھی حاصل ہے ان کی اس تحریر کی ایک ایک سطر میں کئی مغالطے پنہاں ہیں۔

گستاخ رسول کی سزا اوراجماع اُمت

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس مسئلہ پر تمام اُمت کا اجماع ہے کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔ مذاہب اربعہ سے جید فقہاء کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

1- قاضی حسین شافعیؒ نے امام ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

اجماعة الامة على ان من سب النبى يقتل حداً (فتح الباری:۲۸۱/۱۲)

اُمت کا اجماع ہے جس نے نبی کی گستاخی کی، اسے حداً قتل کیا جائے۔

یہاں مراد یہ ہے کہ اس امر میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ ایسے ملعون کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ یہ حد ارتداد و کفر ہو یا گستاخی پر حد یا دونوں۔

-2 معروف مالکی فقیہہ محمد بن سحنون مالکی رحمۃ اللہ علیہ (ت، ۲۶۵) کا یہ قول ہے:

اجمع العلماعلی ان شاتم النبی و المتنقص له کافر و الوعید جار علیه بعذاب الله له و حکمه عند الامة القتل ومن شک فی کفر ہ وعذابه کفر (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/۹۳۴، ۹۳۵)

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم و گستاخ نبی، کافر ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔ اس کا حکم امت کے ہاں قتل ہے اور جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

-3 امام اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ (ت، ۲۸۸ھ) نے بھی اسی پر اجماع نقل کیا ہے:

اجمع المسلمون علی ان من سب الله او سب رسوله ﷺ او دفع شیأً مما انزل الله عزوجل او قتل نبیاً من انبیاء الله عزوجل انه کافر بذالک (السیف المسلول: ۱۲۱۔ التمہید لابن عبدالبر: ۴/۲۲۶)

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا گستاخ یا اللہ کی نازل کردہ اشیاء کو رد کرنے والا یا اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے کسی کے قتل کا ارتکاب کرنے والا اس فعل پر کافر ہو جاتا ہے۔

-4 امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ (ت، ۳۸۸) نے بھی اس مسئلہ پر امت کا اجماع نقل کیا ہے:

ان السب منها لرسول اللهﷺ ارتداد عن الدین و لااعلم احداً من المسلمین اختلف فی و جوب قتله (معالم السنن: ۳/۲۵۵)

نبی کریم ﷺ کی گستاخی دین سے ارتداد ہے اور میں مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جس نے اس کے وجوب قتل پر اختلاف کیا ہو۔

5- معروف حنفی فقیہہ ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ (ت۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

ولا خلاف بین المسلمین أن من قصد النبیﷺ بذلک فھو ممن ینتحل الاسلام انه مرتد یستحق القتل (احکام القرآن:۱۱۲/۳)

تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جس شخص نے نبی کریمﷺ کی اہانت اور ایذا رسانی کا قصد کیا، اگر چہ وہ مسلمان کہلاتا ہو تو بھی وہ مرتد اور مستحق قتل ہے۔

اگر موصوف کی مراد غیر مسلم شاتم ہے تو اس حوالے سے بھی اُوپر فقہائے احناف کی تصریحات بیان کر دی گئی ہیں۔آئندہ صفحات پر ''محرر المذہب'' امام محمد علیہ الرحمہ کی ایک تصریح بھی پیش کی جائے گی جس سے یہ معاملہ بے غبار ہو جائے گا کہ احناف کا کافر شاتم کے بارے میں کیا راجح مؤقف ہے اور اس مؤقف کی بنیاد صریح ارشادات نبویﷺ پر ہے۔

قتل سے کم تر سزا کہاں سے ثابت ہے؟

لہٰذا موصوف کا یہ کہنا کہ عدالت اسے قتل تک کی سزا دے سکتی ہے، نہایت مغالطہ انگیز ہے ۔اس کی سزا قتل ہونے پر تو اُمت کا اجماع ہے۔ پھر حضورﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں گستاخ رسول کے بارے میں دو قسم کے ردعمل دکھائی دیتے ہیں یا تو اس جرم پر حضورﷺ نے سزائے موت دی یا پھر مجرم کو معاف کر دیا، موت سے کم تر سزا دینے پر موصوف کے پاس اگر حضورﷺ کا کوئی قولی یا فعلی حکم ہو تو اسے ضرور سامنے لائیں۔ ہاں معافی دینے کی مثالیں موجود ہیں اور اس کا سبب بالکل واضح ہے کیونکہ حضورﷺ کو اختیار تھا کہ وہ کسی مجرم کو سزا دیں یا معاف فرمائیں۔ اسی طرح فقہائے کرام میں سے کسی ایک نے بھی مسلمان گستاخ رسول کو قتل کرنے سے کم تر سزا کا مؤقف پیش نہیں کیا۔ البتہ ان چند فقہاء احناف نے جنہوں نے گستاخیٔ رسول کے مرتکب پر ردہ عامہ کا اطلاق کیا، انہوں نے اسکی توبہ قبول کرنے کی بات کی ہے کیونکہ وہ ایسی بات کرنے میں حق بجانب تھے لیکن انہوں نے بھی یہ واضح کر دیا کہ اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان سے تسامح ہوا کہ انہوں نے

اسے ردہ عامہ سمجھا حالانکہ امام اعظم کے مذہب کے مطابق یہ ردہ خاصہ تھا جس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح غیر مسلم شاتمین کا معاملہ بھی بے حد واضح ہے جہاں بھی اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں حضور ﷺ نے کسی غیر مسلم شاتم کو سزا دی، وہ قتل سے کم نہیں تھی۔ اگر کسی نے از خود اقدام کرتے ہوئے کسی شاتم کو قتل کر ڈالا تو بھی حضور ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیدیا اور قتل کرنے والے کو یہ تنبیہ نہ فرمائی کہ اسے یہ سزا نہیں دینی چاہئے تھی یا یہ تو کمتر سزا کا مستحق تھا۔

امام شامی رحمۃ اللہ علیہ کے چند تناقضات

اگرچہ امام عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے متاخرین فقہاء احناف پر تنقید کی ہے اور غیر مسلم شاتم پر موت کی سزا سے گریز کو احناف کا اصل کلاسیکل موقف قرار دیا ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ان کا یہ موقف بھی اپنے اندر کئی تناقضات رکھتا ہے جن کا ذکر ہم قدرے تفصیل سے کر دیتے ہیں۔

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے درجن سے زائد جید فقہائے احناف نے جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے، ردہ عامہ اور ردہ خاصہ میں فرق کرتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اصل مؤقف کو اجاگر کیا اور تقریباً سبھی نے یہ تصریح کی کہ یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

ہم نے فقہاء احناف کی جو عبارتیں اوپر نقل کی ہیں، ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گستاخ رسول کی سزا کو حد ماننے اور گستاخ معاہد کا نقض عہد تسلیم کرنے کا مؤقف متقدمین فقہا احناف سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ امام محمد بن ناطفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ بلکہ خود محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے:

ذکرہ (الامام محمد)فی السیر الکبیر فیدل علی جواز قتل الذمی المنھی عن قتلہ بعقد الذمۃ اذا اعلن بالشتم ایضا،و استدل لذلک

فی شرح السیر الکبیر بعدة احادیث منها حدیث ابی اسحق الھمدانی قال: جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ وقال سمعت امراۃ من یھود وھی تشتمک و اللہ یا رسول اللہ انھا لمحسنة الی فقتلتھا فاھدرالنبی ﷺ دمھا (ردالمحتار:۶/۳۳۴)

امام محمد نے سیر کبیر میں لکھا کہ اس میں دلالت ہے کہ ذمی کو بوجہ عہد ذمہ قتل سے امان مل چکی تھی جب وہ اعلانیہ حضور نبی کریم ﷺ کی اہانت و تنقیص کا مرتکب ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر شرح السیر الکبیر میں کئی احادیث سے ذمی کے قتل پر استدلال کیا۔ ان میں ایک ابو اسحٰق ہمدانی کی روایت ہے، ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی ! یا رسول اللہ ﷺ ! ایک یہودی عورت میری محسنہ تھی لیکن وہ آپ کو سبّ وشتم کرتی تھی، میں نے اسے قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کے خون کو ضائع قرار دیا۔

فقہاء احناف کی مذکورہ بالا تصریحات کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی خلاف حقیقت ہے کہ احناف میں سے گستاخ مسلمان یا کافر کی توبہ قبول نہ کرنے اور اسے حداً قتل کرنے کا موقف سب سے پہلے امام ابن بزاز نے اختیار کیا کیونکہ وہ تو ۸۲۷ھ کے فقیہہ ہیں جب کہ اوپر نقل کردہ متقدمین احناف کی عبارتوں سے بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ یہ موقف امام ابن بزاز سے پہلے کئی متقدمین احناف نے بھی اختیار فرمایا۔ اسی طرح امام شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا بھی دراصل ان کا تسامح ہے کہ احناف میں سے امام ابن بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف سب سے پہلے اختیار کیا اور بعد میں آنے والے فقہائے احناف نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اس غلط موقف کو اختیار کر لیا کیونکہ اگر ان کی یہ بات درست مان لی جائے تو امام ابن الہمام اور علامہ بدر الدین عینی رحمہما اللہ جیسے حنفی فقہاء جو کہ ابن بزاز رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے، ان کے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ انہوں نے بلا تحقیق اپنے ہی ایک ہم عصر کی تحقیق کو قبول کر لیا

حالانکہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کو احناف محقق علی الاطلاق کہتے ہیں اور بلا شبہ ان کا علمی پایہ امام ابن بزاز سے بلند تر ہے۔ اسی طرح اس بدگمانی کا سلسلہ بعد میں آنے والے فقہاء کرام تک بھی جا پہنچتا ہے جن میں ابن نجیم جیسے محقق بھی شامل ہیں جنہیں ہم ابو حنیفہ ثانی کا لقب دیتے ہیں پھر امام عبد اللہ بن محمد سلیمان حنفی، حضرت مولیٰ خسرو، امام عبد المعالی بخاری، امام حصکفی، امام ابن عبد اللہ تمرتاشی، امام خیر الدین رملی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر فقہائے احناف کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس حساس مسئلے پر بلا تحقیق مکھی پر مکھی مارتے رہے (العیاذ باللہ) جبکہ انہوں نے اپنے اپنے انداز میں بڑی مدلل گفتگو کی ہے اور حسب ضرورت امام اعظم اور متقدمین فقہاء احناف کے موقف ہی کی توضیح و تشریح بھی کی ہے۔ ان کی کتب سے جو مذکورہ بالا اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، ان سے ایک عام قاری بھی بخوبی یہ بات اخذ کرسکتا ہے کہ ان جید فقہائے احناف نے کتاب و سنت کے دلائل اور تحقیق کی روشنی میں اسے سیدنا ابو بکرؓ اور امام اعظمؒ کا موقف سمجھتے ہوئے اختیار فرمایا۔

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا بھی ان کے تسامح پر دلالت کرتا ہے کہ امام ابن بزاز نے حنابلہ اور مالکیہ والا مذہب اختیار کرلیا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے بعد میں آنے والے فقہاء علامہ خسرو، ابن الہمام، ابن نجیم، التمر تاشی اور علامہ خیر الدین رملی رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی یہی موقف اپنا لیا حالانکہ ان تمام جید فقہائے کرام نے احناف کے اصل موقف سے سرمو بھی اختلاف نہیں کیا۔ ان کے فتاویٰ ہم نے اوپر نقل کردیئے ہیں جن سے چند امور بالکل واضح ہوجاتے ہیں:

1- انہوں نے گستاخ رسول کو حنابلہ اور مالکیہ کے موقف کے برعکس مرتد ہی قرار دیا ہے البتہ انہوں نے احناف کے اصل موقف کے مطابق اس پر ردہ خاصہ کا اطلاق کیا ہے۔

2- انہوں نے ردہ خاصہ کی وجہ سے اسے زندیق قرار دیا ہے اور اسے لازماً قتل کرنے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنے کا موقف اختیار کیا ہے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ اس لیے

توبہ کو قبول نہیں کرتے اور اسے لازماً قتل کرنے کا مؤقف رکھتے ہیں کیونکہ وہ اسے گستاخی پر ایک الگ اور مستقل حد قرار دیتے ہیں جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

-3 انہوں نے جہاں حداً قتل کرنے کی بات کی ہے، وہاں یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس سے حق آدمی متعلق ہے، اس لیے بندوں کے دوسرے حقوق کی طرح یہ سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ اور یہی امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے، ان کا اس سزا کو حد قرار دینا مالکیہ اور حنابلہ کی طرز پر نہیں ہے بلکہ وہ اسے حد ارتداد و کفر ہی قرار دیتے ہیں لیکن ردہ خاصہ کی بنا پر چونکہ گستاخ ملعون زندیق ہو جاتا ہے اور توہین سے حق آدمی متعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس کی توبہ مقبول نہیں اور اسے عام مرتد کے برعکس ہر حال میں قتل کیا جائے گا، تو گویا یہ حد کفر و ارتداد ہی ہوئی جو توبہ سے ساقط نہیں ہوگی اور بہر حال شاتم رسول ﷺ پر جاری ہوگی۔

امام ابن الہمام فرماتے ہیں:

ثم يقتل عندنا حداً فلا تقبل توبته فى اسقاط القتل

(فتح القدیر، کتاب السیر، باب احکام المرتدین: ۶۔۹۱)

پھر ہمارے نزدیک ایسے (شاتم مسلمان) کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور قتل ساقط کرنے کے لئے اس کی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

بحرالرائق میں ''فتح القدیر'' کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد یوں مذکور ہے۔

أن قوله فى اسقاط القتل يقيد أن توبته مقبولة عند الله تعالىٰ

(فتح القدیر، کتاب السیر، باب احکام المرتدین: ۵۔۲۱۲)

(صاحب فتح القدیر) کا قول ''سقوط قتل'' اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ اس (ساب النبی) کی (خلوص دل کے ساتھ کی گئی) توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوگی نہ کہ سقوط قتل کے لیے۔

نیز ''**الجوهرة النيرة**'' میں سب الشیخین سے متعلق ایک مسئلہ کے تحت مذکور ہے:

ان عدم قبول توبته فی اسقاط القتل هو المختار للفتویٰ ، وبه اخذ الفقیه "ابو اللیث سمرقندی" وابوالنصر الدبوشی. فاذا کان المختار للفتویٰ ذلک فی حد سابّ الشیخین ففی ساب النبی بالاولی کما لا یخفی. (الجوہرة النیرة، کتاب السیر باب فی احکام المرتد۔۲۔۶۰۷)

بے شک (شیخین رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے والے) کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، یہی قول بطور فتویٰ مختار ہے۔ نیز اسی کو فقیہ امام اللیث سمرقندی اور امام ابونصر دبوسی رحمہما اللہ نے اختیار فرمایا ہے۔ لہذا جب شیخین کو گالی دینے والے کے لئے مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس کی توبہ سے قتل ساقط نہیں ہوگا تو پھر حضور ﷺ کو گالی دینے والے کے لئے بطریق اولیٰ یہی قول مختار ہوگا جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔

اب صاحب نسیم الریاض کی تصریح ملاحظہ فرمائیں:

(لکن لمعنی یرجع)و یعود (الی تعظیم حرمته)و حفظ مقامه باحترامه وتوقیره.یرجع الی (زوال المعرة) و النقص اللاحق (به و ذلک لاتسقطه التوبة) لانه متعلق بعرضه فهو حق له کحقوق الادمیین ،و هذا هو القول الصحیح عند ابی حنیفة وا لشافعی و غیرهما

(نسیم الریاض:۲۷۹/۶)

البتہ ایسے معنی کی وجہ سے جو آپ ﷺ کی حرمت کی تعظیم اور آپ ﷺ کے مقام کے احترام اور توقیر کی طرف اور آپ ﷺ کے عیب اور لاحق نقص کے زوال کی طرف لوٹتا ہے اس چیز کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ آپ کی عزت کے ساتھ متعلق ہے اور یہ آپ ﷺ کا دیگر آدمیوں کے حقوق کی طرح حق ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی و دیگر کا صحیح قول ہے۔

3- ان تمام فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ انہوں نے اسے مالکیہ یا حنابلہ کا مذہب سمجھ کر نہیں بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

جہاں تک کافر شاتم کا معاملہ ہے تو ہم نے محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

کے قول سے واضح کر دیا کہ متعدد نصوص کہ بنا پر جب سابہ مشرکہ کی سزا موت قرار پائی تو کافر شاتم کی سزا کیسے کم تر ہو سکتی ہے؟ ان روایات میں سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ایک یہودیہ شاتمہ حضرت عمیر بن امیہ کا اپنی سابہ مشرکہ بہن، حضرت عمیر بن عدی کا قبیلہ خطمیہ کی سابہ کافرہ اور نابینا صحابی کا شتم رسالت کے سبب اپنی غیر مسلم اُم ولد کو قتل کرنا مذکور ہے۔

بعد الاخذ توبہ بالاتفاق قبول نہیں ہے

اب ان چند فقہاء احناف کے موقف کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں جنہوں نے گستاخ رسول پر ردہ عامہ کا اطلاق کیا اور اس بنا پر اس کی توبہ کی قبولیت کی طرف گئے۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گستاخ ملعون کی بعد الاخذ توبہ قبول نہیں کی جائے گی البتہ قبل الاخذ اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مفتی ابوالسعود حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح:

فبعد اخذه لا تقبل تو بته اتفاقاً فيقتل وقبله اختلف فى قبول توبته و عند ابى حنيفه تقبل فلا يقتل وعندبقية الائمه لاتقبل و يقتل حداً

(ردالمحتار:۶/۳۶۲)

گستاخ رسول کی توبہ بعد الاخذ بالاتفاق و بالاجماع قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ قبل الاخذ اس کی توبہ کے قبول ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا (یہاں ان کی مراد امام اعظمؒ سے منسوب دوسرا قول ہے) جبکہ باقی آئمہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اسے بطور حد قتل کر دیا جائے گا۔

پھر **قبل الاخذ** توبہ کی قبولیت کا موقف رکھنے والوں میں بھی دو طرح کے ہیں: ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ گستاخ رسول کی حد توبہ اور تجدید اسلام سے ساقط ہو جائے گی اور مجرم کو چھوڑ دیا جائے گا جبکہ دوسرا موقف یہ ہے کہ اس کی توبہ سے حد ساقط نہیں ہوگی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا البتہ اگر وہ گستاخ حد کے اجرا سے پہلے تائب

ہو جائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو حد کے اجرا کے بعد اس کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے گا (یعنی اس کے کفن ،دفن اور وراثت کے معاملات) اور اگر وہ اپنے کفر پر قائم رہے تو اسے کفر وارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور قتل کے بعد اس پر مشرکین کے احکام جاری ہوں گے ۔

توبہ سے قتل کی سزا ساقط نہیں ہوگی

گویا اس مؤقف کے مطابق توبہ اور تجدید اسلام کے بعد بھی وہ قتل ہی کیا جائے گا لیکن توبہ سے اسے دو فوائد حاصل ہوں گے ایک تو یہ کہ قتل کے بعد اس پر کفن ودفن اور وراثت کے حوالے سے مسلمانوں جیسے احکام کا اطلاق ہوگا اور ثانیاً وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار بھی ہوگا ۔ درحقیقت یہ موقف معنوی اعتبار سے کثیر احناف کے مذکورہ بالا موقف کے قریب ہے کیونکہ دونوں کے نزدیک اس کی سزا ساقط نہیں ہوگی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا جبکہ اول الذکر حضرات نے قبل الاخذ اس کی توبہ کو قبول کیا ہے کہ اگر وہ خلوص دل کے ساتھ تائب ہو کر تجدید اسلام کر لے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا، اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔

جن جید فقہا کا تذکرہ ثانی الذکر کے تحت کیا گیا ہے، ان میں سے ایک ابو اللیث سمرقندی ہیں جو حنفی فقیہ ہیں اور ان کا انتقال (۳۹۳ھ) میں ہوا اور دوسرے ابو النصر الدبوسی ہیں ان کا وصال (۴۳۰ھ) میں ہوا۔

شیخ طیبی نے شرح وقایہ میں اس مسئلہ کو کھول کر بیان کر دیا ہے:

اعلم ان ما تقرر من تتبع المعتبرات أن المختار ان من صدر عنه مايدل على تخفيفه. عليه الصلاة والسلام. بعمدٍ وقصدٍ من عامة المسلمين يجب قتله ولا يقبل توبته بمعنى الخلاص عن القتل وان أتى بكلمة الشهادة والرجوع والتوبة ، لكن لومات بعد التوبة أو قتل حداً ، مات ميتة الاسلام فى غسله وصلاته ودفنه فى مقابر المسلمين كسائر أهل الاسلام،

جان لیجیے بے شک جو کچھ بھی معتبر اقوال کے تناظر میں بیان کیا گیا، اس کی روشنی میں مختار یہی ہے کہ اگر عام مسلمانوں میں کسی سے بھی کوئی ایسی بات سرزد ہوئی جس سے آپ ﷺ کی جان بوجھ کر یا انجانے میں توہین ہوتی ہو تو اس کا قتل واجب ہے اور اس معنٰی میں کہ قتل ساقط ہو جائے ، اس کی توبہ کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا ، چاہے وہ کلمہ شہادت ادا کرے، اپنے ارتداد سے رجوع کرتے ہوئے توبہ بھی کر لے (بہر صورت اسے قتل کیا جائے گا) لیکن اگر وہ توبہ کرنے کے بعد مرا یا اسے بطور حد قتل کر دیا گیا تو اب وہ مسلمانوں کی موت مرا، لہذا اس کے غسل ، نماز جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے میں باقی مسلمانوں جیسا معاملہ برتا جائے گا۔

وكذا أنكره ، ولم يعدل عليه بينة، امالو أقر بالسبّ أو تمادى عليه وأبى التوبة عنه فقتل على ذلك كان كافراً ، وميراثه للمسلمين ولا يغسل ولا يصلى عليه ولا يكفن ، بل يستر عورته ويوارى أى : كما يفعل بالكفار. انتهى ماذكره "الچلپی" (الذخیرۃ العقبی: کتاب الجہاد۔۳۲۱/۲)

اور اسی طرح یہ معاملہ اس وقت بھی جاری ہوگا جبکہ وہ اپنی مبینہ توہین سے انکاری ہو اور اس کے توہین کرنے پر کوئی گواہی بھی قائم نہ ہو سکے۔ (تو ایسی صورت میں بھی اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ ہوگا کیونکہ توہین کا صرف الزام تھا اور یہ شخص برابر اس توہین سے انکار کرتا رہا لہذا جرم ثابت نہ ہو سکا اور یہ اپنے اسلام پر قائم رہا) لیکن اگر کوئی شخص بذات خود گالی دینے کا اقرار کرتا ہے یا اس کے توہین کرنے پر ثبوت فراہم ہو جاتے ہیں اور یہ توبہ نہ کرنے پر ہی ڈٹا رہتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور یہ کافر شمار ہوگا، اس کی وراثت مسلمانوں کے لئے ہوگی نیز اسے نہ تو غسل دیا جائے گا ، نہ ہی نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور نہ ہی کفن دیا جائے گا بلکہ اس کی شرمگاہ کے مقام کو کسی کپڑے سے ڈھانپ کر کسی مقام پر دبا دیا جائے گا جیسا کہ کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہاں تک شیخ چلپی کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

اس مؤقف کی وضاحت امام اسماعیل حقیؒ نے کی ہے اور اسے مختار مذہب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

فالمختارأن من صدر منه ما يدل على تخفيفه عليه السلام بعمد و قصد من عامة المسلمين يجب قتله و لا تقبل توبته بمعنى الخلاص من القتل و ان اتى بكلمتى الشهادة و الرجوع و التوبة لكن لو مات بعد التوبة او قتل حدأمات ميتة الاسلام فى غسله و صلاته و دفنه ولو اصر على السب و تمادى عليه و ابى التوبة منه فقتل على ذلك كان كافراً

مذہب مختار یہی ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص سے حضور ﷺ کی شان اقدس میں جان بوجھ کر عمداً کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جائے جو اہانت و استخفاف اور تحقیر پر دلالت کرتا ہو تو ایسے شخص کو اس گستاخی کے ارتکاب پر قتل کرنا (امت مسلمہ پر) واجب ہے اور اس کی توبہ بایں معنی قبول نہ ہو گی کہ اسے سزائے قتل سے چھٹکارا مل جائے اگرچہ وہ توبہ و رجوع کرے اور توحید و رسالت کی گواہی دیتا پھرے۔ ہاں مگر وہ توبہ کرنے کے بعد مر گیا یا بعد از توبہ اس پر حد قتل کا نفاذ ہو گیا تو پھر اس کی موت (بعض احکام میں) مسلمانوں کی ہی سمجھی جائے گی۔ غسل دینے، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے میں، اس کے برعکس اگر وہ گستاخی پر مصر رہے اور اس پر مسلسل کار بند رہے اور اس بنا پر قتل کر دیا جائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

و ميراثه للمسلمين و لا يغسل و لا يصلى عليه ولا يكفن و بل تستر عورته و يوارى كما يفعل بالكفار (روح البیان: ۵۰۳،۵۰۲/۳)

اور اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہو گی۔ اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی اور نہ ہی اسے کفن دیا جائے گا۔ ہاں اس کا ستر ڈھانپ دیا جائے گا اور اسے پیوند خاک کر دیا جائے گا جیسے کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جن چند احناف نے گستاخ رسول پر **ردة عامه** کا اطلاق کرتے ہوئے

اس کی قبل **الاخذ توبہ** کی قبولیت کو مانا ہے، ایک تو ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے ۔ پھر وہ بھی **بعد الاخذ توبہ** کونہیں مانتے جبکہ درحقیقت توبہ اور اس کی قبولیت کا معاملہ تو **بعد الاخذ** ہی شروع ہوتا ہے ۔گویا احناف کے مابین اختلافات کی حدیں سمٹ جاتی ہیں اور نتیجۃً تقریباً تمام احناف ہی گستاخ مسلمان کی توبہ کو قبول نہیں کرتے اور اسے لازماً قتل کرنے کا ہی مؤقف رکھتے ہیں ۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مفتی ابوالسعود حنفیؒ کے مذکورہ بالا قول سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف سامنے آتا ہے کہ گستاخ مسلمان کی توبہ قبول کی جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ کثیر فقہاء احناف نے امام اعظمؒ کا دوسرا قول ذکر کیا ہے جسے ان کی اپنی عبارتوں میں اوپر نقل کر دیا گیا ہے جس کے تحت گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں ہے اور اسے لازماً قتل کیا جائے۔ لہذا یہ بات بالکل واضح اور آشکار ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دو متعارض اقوال منسوب کیے گیے ہیں۔ اگرچہ اول الذکر قول کو بہت کم احناف نے نقل کیا ہے جبکہ کثیر احناف نے ثانی الذکر قول ہی نقل کیا ہے۔

امام ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیق

ان دونوں اقوال میں امام ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تطبیق فرمائی ہے:

"اس سے بہت کم گستاخی پر بھی ایسے شخص کے قتل پر اجماع ہے، البتہ امام شافعی اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے جو دوسرا قول یہ مروی ہے کہ یہ ارتداد ہے اور ایسے شخص کا قتل لازم ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے اور اسی کی مثل امام مالک سے ایک ضعیف قول منقول ہے اور ان کا یہ مشہور مذہب نہیں ،ان کا مشہور مذہب قتل ہے اور اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا۔"

پھر فرماتے ہیں:

وهنا بحث وهو لا يخلو مانقل من الاجماع ان يكون قبل ما ذكر من الخلاف المتقدم عمن ذكر او يكون الخلاف متقدما على الاجماع

فان كان الخلاف منهم قبل ثم رجعوا الى الاجماع فلا تاثير لذلک الخلاف وتحقق الاجماع

یہاں یہ بحث ہے کہ جو اجماع نقل کیا گیا ہے اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ وہ سابقہ مذکورہ اختلاف سے پہلے ہے یا یہ اختلاف اجماع پر مقدم ہے اگر اختلاف پہلے تھا پھر وہ اجماع کی طرف لوٹ آئے تو اب یہ اختلاف غیر مؤثر ہے اور اجماع ثابت ہو جائے گا۔

وان كان الخلاف منهم وقع بعدالاجماع لا يعئبوبه والذى نقل الاجماع فى قتله جماعة منهم صاحب الاستذكار و صاحب الكافى و التلمسانى و ابن سبوع وابن رشدو ابن ابى زيد و سحنون والليث والقاضى عياض و ابن العربى رحمهم الله تعالىٰ جماعة ممن يقرب من هولا ء فى الشهرة انسيتهم فى الوقت (بھجۃ النفوس:۱۶۱/۲)

اور اگر ان کا اختلاف اجماع کے بعد ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ گستاخ کے قتل کے بارے میں اجماع پوری جماعت نے نقل کیا ہے، ان میں سے صاحب الاستذکار، صاحب الکافی، امام تلمسانی، امام ابن سبوع، امام ابن رشد، امام ابن ابی زید، امام سحنون، امام لیث، امام قاضی عیاض اور امام ابن عربی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک پوری جماعت جو شہرت میں ان لوگوں کے قریب ہے، اس وقت میں ان کے نام بھول گیا ہوں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اجماع صحابہ کی پیروی کرتے ہیں

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اسی قول پر ایک اور پہلو سے بات کرتے ہیں۔ ہم مذاہب اربعہ کے جید آئمہ سے یہ بات سامنے لا چکے ہیں کہ گستاخ رسول کو حداً قتل کرنے یا ارتداد خاص کی وجہ اس کی توبہ قبول کیے بغیر اسے قتل کرنے پر امت کا اجماع ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس اجماع امت میں صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ کئی علمائے امت نے تو اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع بطور خاص نقل کیا ہے۔

1- قاضی عیاض مالکیؒ (ت،۵۴۴) فرماتے ہیں:

و هذا كله اجماع من العلماء و ائمة الفتوى من لدن الصحابة رضوان الله عليهم الى هلم جبراً (الشفاء: ۲/ ۹۳۳)

اس پر صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین سے لے کر آج تک اہل علم اور آئمہ فتوی کا اجماع ہے۔

2- امام خطابیؒ (ت،۳۸۸) فرماتے ہیں:

ان السب منها لرسول الله ﷺ ارتداد عن الدين و لااعلم احداً من المسلمين اختلف في و جوب قتله (معالم السنن: ۲۵۵/۳)

نبی کریم ﷺ کی گستاخی دین سے ارتداد ہے اور میں مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جس نے اس کے وجوب قتل پر اختلاف کیا ہو۔

اب غور طلب معاملہ یہ ہے کہ حنفی مذہب کے بانی سراج الامۃ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خود فرمایا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مذہب کی خود تصریح فرمائی ہے۔

خلیفہ ابو جعفر المنصور نے امام اعظم کو خط لکھا اور ان سے دریافت کیا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ کو جواباً یہ فرمایا:

ليس الامر كما بلغک يا امير المومنين انما اعمل اولا بكتاب الله ثم بسنة رسول الله ﷺ ،ثم باقضية ابى بكر و عمر وعثمان و على رضى الله عنهم ثم باقضية بقية الصحابة ثم اقيس بعد ذلک اذا اختلفوا

(کتاب المیزان: ۲۲۶/۱، مطبوعہ اولیٰ بیروت ۱۴۰۹)

اے امیر المومنین بات ایسے نہیں جس طرح آپ تک پہنچی ہے۔ بلاشبہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے فیصلوں پر پھر دیگر صحابہ کے فیصلوں پر اور اس کے بعد اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں۔

ایک اور مقام پر امام اعظمؒ فرماتے ہیں:

أخذ بکتاب الله فما لم اجد فبسنة رسول الله ﷺ فان لم اجد فی کتاب الله ولا سنة رسول الله ﷺ اخذت بقول اصحابه ، أخذ بقول من شئت منهم ،وادع من شئت منهم ولا اخرج من قولهم الی قول غیرهم

(تاریخ بغداد:۱۳/ ۳۶۵)

مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب سے مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھام لیتا ہوں اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ (دونوں) میں نہیں ملتا تو میں صحابہ کے قول (اجماع صحابہ) کی پیروی کرتا ہوں اور (ان کے اختلاف کی صورت میں) جس صحابی کا قول چاہتا ہوں، قبول کر لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں مگر ان سب کے اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے اجماع کی پیروی کرتے تھے، اس لیے ان سے سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اجماع صحابہ کرامؓ کے خلاف قول کریں۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ پر وہی قول معتبر قرار پاتا ہے جو کثیر متاخرین احناف نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اور انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اسی قول پر رکھی ہے۔ کثیر متاخرین احناف نے امام اعظم کے اس قول کے علاوہ متقدمین احناف سے بھی تائید حاصل کی ہے جن میں ۴۴۶ھ کے امام ناطفی حنفیؒ اور امام ابوبکر جصاصؒ (ت،۳۷۰ھ) نمایاں طور پر شامل ہیں۔ تفصیلی اقتباسات پہلے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

البتہ موصوف نے ان متاخرین احناف کے بارے میں لکھا ہے:

''ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضا میں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ضمن میں بعض مستند تصریحات نقل کر

دی جائیں۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ:۵۴)

کیا جید فقہائے احناف نے کلاسیکی حنفی مؤقف سے انحراف کیا؟

ان کا یہ موقف بھی بالکل درست نہیں کیونکہ جن متاخرین کی وہ بات کر رہے ہیں، ان کے اقوال ہم نے اوپر نقل کر دیئے ہیں جن میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مذہب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ متاخرین احناف جن میں ابن الہمام اور ابن نجیم جیسے جید فقہائے احناف شامل ہیں۔ ان کے بارے میں موصوف کیا یہ گمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات بلا تحقیق کر دی ہے؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر موصوف کے بقول احناف کا کلاسیکی موقف ان کی آراء سے مختلف تھا تو انہوں نے یہ بات کیسے لکھ دی کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور امام اعظمؒ کا مذہب ہے؟ کیا انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا؟ اتنے بڑے حنفی مجتہد اور فقیہہ ہونے کے باوجود انہوں نے احناف کے کلاسیکی موقف (بقول موصوف) سے کیوں انحراف کیا؟ اور موصوف جو آج کل کے احناف پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین احناف کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، اس کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟ اگر موصوف کی یہ بات درست ہے تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ آج کل کے ان اہل علم حضرات کو مطعون کرنے کی بجائے ان متاخرین احناف پر یہ الزام عائد کرتے کہ انہوں نے موصوف کے بقول احناف کے کلاسیکی موقف سے انحراف کیا ہے لیکن موصوف نے ایسا کرنے کی جسارت نہ کی البتہ انہوں نے ان جید فقہاء کی عبارتیں نقل کرنے والوں کو مورد الزام ٹھہرا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اب موصوف کی ان مستند تصریحات کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے یہ ثابت کرنے کیلئے پیش کی ہیں کہ احناف کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

موصوف کا ایک اور کرشمہ

سب سے پہلے تو لفظ 'بعض' سے ان کی غلط فہمی آشکار کرتے ہیں کیونکہ ہم نے

درجن سے زائد متاخرین فقہائے احناف کے اقوال اوپر نقل کر دیئے ہیں، کیا ان کثیر فقہائے کرام پر لفظ 'بعض' صادق آتا ہے؟ جبکہ ان کثیر فقہائے احناف کے مقابلے میں کئی صدیاں بعد بھی امام شامیؒ تنہا نظر آتے ہیں جن کی تحقیقات پر موصوف کی ذاتی تحقیق کا تمام تر دارومدار ہے۔ یہ ہے اصل صورتحال لیکن موصوف کا اعجاز دیکھیں کہ انہوں نے کثیر فقہائے کرام کو بعض قرار دیدیا اور امام شامیؒ جو تنہا کھڑے ہیں، انہیں کثیر بنا دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟

اب ان کی طرف سے پیش کردہ ان مستند تصریحات کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے بزعم خویش احناف کے کلاسیکی موقف کو اجاگر کرنے کیلئے نقل کی ہیں۔ یہ تمام تصریحات معاہد گستاخ کے بارے میں ہیں۔سب سے پہلے انہوں نے امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارے فقہاء کے مطابق اگر کوئی مسلمان نبی ﷺ کو برا بھلا کہے یا آپ ﷺ کی تنقیص کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر وہ ذمی ہو تو اسے سزا تو دی جائے گی لیکن قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام طحاویؒ بلاشبہ ۳۴۱ھ کے جید فقیہہ ہیں، ان کی کتاب **اختلاف العلماء** کا اختصار معروف حنفی ابن جصاص الرازی (۳۸۰ھ) نے کیا ہے جو **مختصر اختلاف العلماء** کے نام سے شائع ہوا ہے۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاصؒ فرماتے ہیں کہ ذمی اگر نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ رسول ﷺ کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ برا ہے۔انہوں نے امام لیثؒ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ ساب النبی سے نہ مناظرہ کیا جائے اور نہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے بلکہ اسے موقع پر ہی قتل کر دیا جائے اور اسی حکم کا اطلاق یہودی اور نصرانی گستاخ پر بھی ہوگا۔ لیث ۱۷۵ھ کے جید عالم ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام طحاویؒ کے اس موقف کو تو ان کی کتاب کا اختصار کرنے والے حنفی فقیہہ نے بھی قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے علامہ کاسانی کی یہ تصریح پیش کی ہے کہ اگر ذمی نبی کو بھلا برا کہے تو اس سے اس کا معاہدہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ ایسا کر کے اس نے سابقہ کفر پر مزید کفر کا اضافہ کیا ہے چونکہ

معاہدہ اصل کفر کے باوجود قائم رہتا ہے، اس لیے کفر میں اضافے پر بھی برقرار رہے گا۔
امام طحاوی اور علامہ کاسانی کا یہ موقف کئی وجوہ کی بنیاد پر احناف کے ہاں مقبول نہیں ۔
اولاً: ان کا یہ مؤقف محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے کر دیا ہے۔

ثانیاً: ان کے اس موقف کو بعد کے احناف نے بھی قبول نہیں کیا۔ علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) کے بعد علامہ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ مسلمان جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو کافر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر حاکم ایسا کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا اور جو ویسے ہی مجرم اور دین کا دشمن ہو، وہ توہین کرے تو اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا۔؟

اسی طرح محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمی نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب بات منسوب کی اگر وہ مسلمانوں کے عقائد سے خارج ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت یہ یہود ونصاریٰ کا عقیدہ ہے جب وہ ان چیزوں کا اظہار کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی تقریباً تمام متاخرین احناف جو ذمی گستاخ کو لازماً موت کی سزا دینے کی طرف گئے ہیں، وہ دراصل یہی رجحان رکھتے ہیں کہ اس ذمی کا عہد توہین رسالت سے ٹوٹ جائے گا۔ ان عبارات کے حوالہ جات ہم نے اوپر نقل کر دیئے ہیں۔

موصوف کی ایک غلط بیانی

موصوف نے علمی خیانت کرتے ہوئے امام ابن الہمامؒ کا ایک قول نقل کیا ہے اور اس کے ترجمہ میں **بین القوسین** (سبّ وشتم کی صورت میں) کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے اور یوں انہوں نے جو حکم باغی اور سرکش ذمی کے بارے میں لگایا جو کہ شاتم رسول نہیں ہے، اسے انہوں نے علمی غلط بیانی کرتے ہوئے اسے ایسے باغی ذمی پر منطبق کر دیا ہے جو کہ شاتم بھی ہے انہوں نے جو ترجمہ کیا ہے ہم اسے اصل

عبارت کیساتھ پیش کرتے ہیں۔'' علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

هذا البحث منایوجب انه اذا استعلی علی المسلمین علی وجه صار متمرد اعلیهم حل للامام قتله او یرجع الی الذل و الصغار

(فتح القدیر: ۶/۶۲، ۶۳ بحوالہ توہین رسالت کا مسئلہ: ۵۷)

ہماری اس بحث کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر ذمی (سب وشتم کی صورت میں) مسلمانوں کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے ہوئے باغیانہ روش اختیار کر لے تو حکمران کے لیے اسے قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے، الا یہ کہ وہ دوبارہ ذلت اور پستی کی حالت قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

حالانکہ امام ابن الہمام کا موقف ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ وہ ذمی کی طرف سے اہانت رسول پر نقض عہد اور اس کے قتل کا موقف رکھتے ہیں، موصوف نے خود بھی اپنی تالیف میں امام ابن الہمام کا یہی موقف بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

'' جمہور فقہا اور احناف کے مابین ایک اختلافی نکتہ یہ ہے کہ آیا اہل ذمہ کی طرف سے سب وشتم کے ارتکاب کی صورت میں معاہدۂ ذمہ برقرار رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جمہور فقہا اسے ناقض عہد مانتے ہیں اور احناف میں سے امام ابو بکر الجصاص اور ابن الہمام کا رجحان بھی یہی ہے کہ سب وشتم کو نقض عہد کے ہم معنی قرار دینا چاہیے۔'' (توہین رسالت کا مسئلہ: ۵۳)

اس کے بعد انہوں نے ابن عابدین شامیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اصولاً تو ابن عابدین شامیؒ کے کسی قول سے متقدمین کے موقف پر دلالت نہیں ہوتی جبکہ ان سے پہلے متعدد احناف امام اعظمؒ اور متقدمین احناف ہی کی پیروی میں احناف کے کلاسیکی مؤقف کو واضح کر چکے ہیں پھر ان کے اس اقتباس سے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ احناف کا کلاسیکی موقف کیا تھا؟

اس مسئلے پر ذمی یا معاہد کے حوالے سے یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ اگر ذمی یا معاہد شاتم توہین کرتا ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ایک مؤقف کے مطابق

اگر اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا اور اس بنا پر اسے قتل نہیں کیا جائے گا تو وہیں یہ بھی واضح ہے کہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی جو کہ بڑا جرم ہونے کی صورت میں قتل بھی ہوسکتی ہے۔

چنانچہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفة وان قال لا ینتقض عهد الذمی بسب النبی ﷺ ولایقتل به ولکن قال انه یعزز به وقد قیل : ان من مذهبه التعزیر بالقتل فیما فحش من الجرائم (السیف المسلول : ۲۵۲)

امام ابوحنیفہ نے اگرچہ یہ فرمایا: آپ ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے ذمی کافر کا عہد و پیمان نہیں ٹوٹے گا اور اس کی بنا پر اسے قتل نہیں کیا جائے گا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ساتھ یہ بھی تو فرمایا: البتہ اسے تعزیراً سزا دی جائے گی اور یہ کہا گیا ہے بے شک امام اعظم کے مذہب میں بڑے جرائم کی تعزیر میں سزا کے طور پر قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔

امام سبکی علیہ الرحمہ کے اس مؤقف کی تائید ''**بحر الرائق**'' اور ''**نهر الفائق**'' میں درج تصریحات سے بھی ہوتی ہے:

أن التعزیر قد یکون بالقتل ولهذا یقتل المکابرون وقطاع الطریق واصحاب المکوس وجمیع الظلمة والاعونة والسعاة ویثاب قاتلهم انتهی ملخصاً (البحر الرائق،کتاب الحدود .۶ /۷۰) (النهر الفائق ، کتاب الحدود : ۱۵۶/۳ . ۱۶۶)

تعزیر کے طور پر قتل کیا جا سکتا ہے، اسی لئے فسادی، ڈاکو، ٹیکس خور اور ان کی معاونت کرنے والوں کو قتل کیا جائے گا نیز ایسوں کا قاتل لائق جزا ہوگا۔

نیز ''**خزانة الاکمل**'' کتاب السیر میں ہے:

انه قال أصحابنا فی أصحاب الضرائب والمکوس التی یأخذونها من أمتعة الناس : دماؤهم مباحة واجب علی المسلمین قتلهم ولکل واحدٍ من الناس أن یقتل من قدر علیه منهم من غیر انذار منه له لا التقدم بالقول الیه (خزانۃ الاکمل :۱/ ۴۱۸)

ہمارے اصحاب نے ناحق اور جبری ٹیکس لینے والوں کے بارے میں کہا جو لوگوں کا سامان چھین لیتے ہیں۔ ان کا خون مباح ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ انہیں قتل کر دیں اور لوگوں میں سے کوئی بھی جو ان پر غلبہ پا لے تو بغیر تنبیہ کیے یا سمجھائے، انہیں قتل کر سکتا ہے۔

یہ تصریحات جید حنفی فقیہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی تالیف ''**السیف الجلی علی ساب النبی**'' میں نقل کی ہیں۔ نیز وہ فتاویٰ خیریہ سے بھی ایک تصریح نقل کرتے ہیں جو ذمی کی تعزیری سزا دینے کے حوالے سے مسئلہ کو بے غبار کر دیتی ہے:

هكذا سُئل فی ذمی تجرأ علی الجناب الرفیع المحمدی بالسب فماذا یلزمه ؟ أجاب : یبالغ فی عقوبته ولو بالقتل ، فقد صرح علماؤنا بأنه یجوز الترقی فی التعزیر الی القتل اذا عظم موجبه وأی شیء من موجبات التعزیر أعظم من سبّ الرسول ﷺ وهذا الذی تمیل الیه نفس المؤمن ، فینبغی لحكام المسلمین قتله كیلایتجرأ أعداء الدین الی احراق أفعدة المسلمین بسب نبیهم من الكفرة المتمر دین، ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم. (الفتاوی الخیریۃ۔کتاب السیر :۱/۱۰۳)

اسی طرح ذمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ذمی جس نے بارگاہِ محمدی ﷺ کی توہین کی، اس کی سزا کیا ہوگی؟ جواب، اس کی سزا میں اس قدر مبالغہ کیا جا سکتا ہے، چاہے وہ قتل تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے، کیونکہ ہمارے علماء کرام نے بھی اس کی وضاحت کر دی ہے کہ بڑے جرائم کی سزا میں تعزیراً قتل بھی کیا جا سکتا ہے اور بھلا تعزیر میں رسول اللہ ﷺ کی گستاخی سے بڑھ کر اور کونسا جرم ہوسکتا ہے کہ مومن کا دل تو اسے ہی سب سے بڑا جرم گردانتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کے ارباب اقتدار کو چاہئے کہ اسے قتل کر دیں تا کہ دین کے دشمن اور شریر ترین کافروں کی جانب سے آپ ﷺ کی جناب میں توہین کیے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے جگر مزید نہ جلیں'' **ولا حول ولا قوة الا**

بالله العلی العظیم''

ان تصریحات کونقل کرنے کے بعد انہوں نے نہایت بلیغ کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

وجهه ظاهر، لان الکفرغیر مانع عن وجوب التعزیر حتی أن الکافرلوسبّ احداً من المسلمین وجب تعزیره ، فکیف اذا سبّ سید الاولین والآخرین ﷺ هو غایة ما فی الباب أن التعزیریراعی فیه عظم الجنایة وصغرها، وحال القائل والمقول فیه کما فی "شرح الوقایة" وغیره، فاذا ثبت شرعیة التعزیر بالقتل ، وکانت هذه الجنایة اعظم الجنایات وأنکر المنکرات

اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ کفر سے تعزیر کا واجب ہونا مانع نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کافر نے مسلمانوں میں سے کسی کو گالی دی تو ایسی صورت میں بھی تعزیر واجب ہو جاتی ہے تو پھر سید الاولین والآخرین ﷺ کو گالی دے کر توہین کرنے والے کا اس جگہ کیا حال ہوگا ؟ یہ تو ہماری تعزیر کی بحث میں سب سے بڑا جرم قرار پاتا ہے کیونکہ تعزیر میں جرم کی سنگینی اور کمتری نیز کہنے والے کے حال اور اس کے قول کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے جیسا کہ ''شرح وقایہ'' اور اس کے علاوہ کتب میں مذکور ہے۔ لہذا جب شرعی طور پر تعزیر میں قتل تک کیا جانا ثابت ہو چکا ہے تو یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی سب سے بڑا جرم اور سب سے ناپسندیدہ ترین فعل ہے۔

وجب أن یعزر الکافر المباشر لها بالقتل والاعدام، والله تعالیٰ ولی الفضل والانعام (السیف الجلی علی ساب النبی : ۱۳۶)

لہٰذا گستاخی کرنے سے ایسے بے باک کافر کو تعزیراً قتل کیا جانا اور صفحہ ہستی سے مٹا دینا بھی واجب ہے۔ **والله تعالیٰ ولی الفضل والانعام**

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن حنفی فقہاء نے ذمی شاتم کو حداً قتل کرنے کی بات کی ہے، ان کے نزدیک اس پر بھی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوگی کیونکہ

فقہاء احناف یہ مؤقف رکھتے ہیں کہ ذمی کافر پر سوائے شراب نوشی کی حد کے بقیہ تمام حدود نافذ ہوں گی جیسا کہ ''الکفایہ شرح الہدایہ'' اور ''الاشباہ والنظائر'' میں مذکور ہے۔

ان فقہی مباحث کے علاوہ علامہ زمخشری نے ''الکشاف'' میں اور امام نسفی نے ''المدارک'' میں اس ارشاد باری تعالیٰ سے یہ استنباط کیا ہے کہ کہ ذمی کافر جب دین اسلام کے بارے میں ظاہری طعن وتشنیع کرے گا تو اس کا عہد ضرور ٹوٹ جائے گا اور اس کا قتل جائز ہوگا۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ ۰ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ (سورة التوبة: ١٢)

اور اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں (یعنی طعن وتشنیع کریں) تو کفر کے سرغنوں سے لڑو۔

یہ تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

قالوا: ان الذمی اذا طعن فی دین الاسلام طعناً ظاهراً ، جاز قتله لان العهد معقود معه علی أن لا يطعن ، فاذا طعن فقد نكث عهده ، وخرج من ذمته

(الکشاف: التوبۃ۔آیت:۱۲۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل: التوبۃ۔آیت:۱۲)

اگر ذمی کافر نے دین اسلام کے بارے میں ظاہری طعن وتشنیع کی تو اس کا قتل جائز ہوگا کیونکہ اس کا عہد وپیمان اس بات سے مشروط تھا کہ وہ اسلامی اُمور کے بارے میں طعن وتشنیع نہیں کرے گا، پس جب اس نے طعن کیا تو اپنے عہد وپیمان کو خود ہی توڑ دیا اور حفاظت کے ذمہ سے نکل گیا۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ پاکستان میں مقیم غیر مسلم ذمی یا معاہد نہیں بلکہ برابر کے شہری ہیں لہٰذا ان پر ذمی یا معاہد کے احکام کا اطلاق بھی مناسب نہیں ہے۔

حاصل کلام کے طور پر عرض ہے کہ پوری اُمت مسلمان گستاخ رسول کے وجوب قتل پر متفق ہے جبکہ احناف سمیت جمہور فقہاء غیر مسلم شاتم کو بھی اسی سزا کا حقدار سمجھتے ہیں اور احناف کا مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ احناف اور جمہور فقہاء کے مابین عملی نتیجہ کے اعتبار سے کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ ہمیں اس مسئلہ پر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور حنفیت کی آڑ میں ناموس رسالت کے مجرموں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی خاطر دور کی کوڑی لانے کی بجائے کتاب وسنت اور احناف سمیت جمہور فقہاء کے موقف کے مطابق پاکستان میں رائج قانون توہین رسالت ﷺ کو دل و جان کیساتھ قبول کر لینا چاہیے۔

محمد متین خالد

قانونِ ناموس رسالت ﷺ سے متعلق ایک غیر دانشمندانہ فیصلہ

مغربی طاقتوں اور پاکستان میں ان کے گماشتوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قانونِ ناموس رسالت ﷺ (295-C) کو آئین سے نکال دیا جائے یا کم از کم اس میں اس نوع کی تبدیلیاں کر دی جائیں کہ وہ غیر مؤثر ہو کے رہ جائے۔ اس حوالے سے ہر دور حکومت میں ان کی ریشہ دوانیاں جاری رہی ہیں۔ چنانچہ جنرل پرویز مشرف کے دور میں اس قانون کے نفاذ کے طریق کار میں ایسی تبدیلی کی گئی جس سے یہ قانون تقریباً معلق ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے باوجود پاکستان میں بسنے والی قادیانی لابی اور ملحدین نے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ اس میں ترمیم و تنسیخ کے لیے مسلسل کوشاں چلے آ رہے ہیں۔ اس حوالے سے ملحدین کا ہمیشہ یہ مطالبہ رہا ہے کہ اس قانون کے تحت جب کسی پر توہین کا الزام لگایا جاتا ہے تو اگر عدالت میں وہ الزام ثابت نہ ہو سکے تو الزام لگانے والے کو بھی وہی سزا دی جائے جو الزام ثابت ہونے کی صورت میں ملزم کو دی جاتی۔ اسلام آباد ہائی کورٹ کے ایک سابق جج محترم جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے اپنے ایک فیصلے کے ذریعے ملحدین کے اس شرانگیز مطالبے میں رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے۔ حسن ظن سے کام لیتے ہوئے ہم اسے ان کی لاشعوری کوشش قرار دے سکتے ہیں۔ ذیلی سطور میں اسی فیصلے کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

پاکستان کی حالیہ عدالتی تاریخ میں جسٹس شوکت عزیز صدیقی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اِن کے کئی ایک فیصلے اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے

محافظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم جسٹس شوکت عزیز صدیقی کے کئی ایک فیصلوں سے ہمیں بصد احترام اختلاف ہے بلکہ نہایت گہرے اور شدید تحفظات بھی ہیں۔ ان فیصلوں میں سے ایک فیصلہ وہ ہے جس میں محترم جج صاحب نے غازی ملک محمد ممتاز شہیدؒ کی اپیل خارج کر کے سزائے موت بحال رکھی۔ جسٹس شوکت عزیز صدیقی کے اس فیصلہ (PLD2015 Islamabad285) کے پیرا نمبر 27 تا 30 پر ہمیں نہایت تشویش اور افسوس ہے۔ اِسی طرح 2017ء میں چند ناعاقبت اندیش فتنہ پرور عناصر کی طرف سے فیس بک پر اسلام کی مقدس ترین ہستیوں بالخصوص حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شانِ اقدس میں بدترین توہین کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف انھوں نے ایک فیصلہ (PLD2017 Islamabad 218, Salman Shahid vs Federation of Pakistan) صادر کیا جس کے کئی نکات سے ہمیں نہ صرف اختلاف بلکہ شدید تحفظات بھی ہیں۔ اس ضمن میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

2017ء میں اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے جناب سلمان شاہد سمیت کئی محبان رسول نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں آئینی درخواست دائر کی جس میں انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ سلمان حیدر، احمد وقاص گورایہ، عاصم سعید، احمد رضا نصیر اور ثمر عباس نامی اشخاص اور اُن کے دیگر ساتھی فیس بک پر بھینسا، موچی اور روشنی کے نام سے پیجز چلا رہے ہیں جن میں حضور نبی کریم ﷺ، اہل بیت، صحابہ کرام، امہات المومنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)، قرآن مجید اور حتیٰ کہ اللہ رب العزت کی شان میں انتہائی گستاخانہ مواد بصورت خاکے، تصاویر، تحریر، اور ویڈیوز نشر کیا جا رہا ہے۔ سائل نے اپنی آئینی درخواست کے ساتھ گستاخانہ مواد بھی منسلک کیا۔ سائل نے اپنی درخواست میں یہ مؤقف بھی اختیار کیا کہ اُس نے ڈائریکٹر جنرل ایف آئی اے اسلام آباد کو مرتکبین گستاخی رسالت، توہین دین، توہین اصحاب رسول، توہین امہات المومنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور توہین شعائر اسلام کے خلاف انسدادِ دہشت گردی ایکٹ، 295/C تعزیرات پاکستان اور دیگر دفعات کے تحت فوری مقدمہ درج

کرنے کی درخواست کی۔ سائلان نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ایف آئی اے نے شروع میں معاملے میں کچھ مستعدی دکھائی لیکن پھر اچانک اس معاملے پر عمل درآمد روک دیا گیا۔ سائلان نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ سوشل میڈیا پر ان پیجز کو بلاک نہیں کیا گیا اور اس طرح ریاستی ادارے بالخصوص انتظامیہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں ناکام ہیں، لہٰذا عدالت سے استدعا کی گئی کہ وزارت اطلاعات، ایف آئی اے اور پی ٹی اے کو ہدایت کی جائے کہ وہ سوشل میڈیا پر بھینسا، مچھر، موچی اور اسی طرح کے دیگر صفحات اور آئی ڈیز جو کہ گستاخانہ الفاظ، خاکے اور ویڈیوز کے ذریعے توہین رسالت ﷺ، توہین، صحابہ، توہین امہات المؤمنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)، توہین کتاب اللہ قرآن پاک اور حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی توہین کے مرتکب ہیں، کو فی الفور بند کریں۔ حکومت پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ وہ ایف آئی اے پر اس معاملے کی تفتیش، تحقیق، اصلی مجرموں تک رسائی اور اُن کے خلاف فوجداری کارروائی کے معاملہ میں بے جا دخل اندازی اور اس معاملے میں غیر قانونی اثر و رسوخ ڈالنے سے باز و ممنوع رہے۔

7 مارچ 2017ء کو اسلام آباد ہائی کورٹ میں اس اہم کیس کی سماعت شروع ہوئی تو جناب جسٹس شوکت عزیز صدیقی صاحب کو اللہ رب العزت، حضور نبی کریم ﷺ، قرآن مجید، صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ اور امہات المومنینؓ کی شان میں ایسا انتہائی گستاخانہ مواد (تصاویر، خاکے، تحریر، ویڈیوز وغیرہ) دکھایا گیا جو مذکورہ ملزمان نے فیس بک پر اپ لوڈ کیا تھا۔ یہ گستاخانہ مواد دیکھنے کے بعد محترم جسٹس صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا:

- ”حقیقت یہ ہے کہ عدالت ہذا کے روبرو ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا ہے کہ جس کی تفصیلات نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ آنکھوں کی اشک باری تو ایک فطری تقاضا تھا، میری روح بھی تڑپ کر رہ گئی۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران اپنے دل و دماغ پر گزرنے والی کیفیت الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ قانون کے طلبہ کی نظر میں ایک جج کی ایسی کیفیت کچھ نرالی تصور کی جاتی

ہے اور یہ خدشہ رہتا ہے کہ جذبات میں شاید انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ لیکن یہ مقدمہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ذرا مختلف ہے، کیونکہ اس مقدمے میں عدالت کو کسی فریق کے ذاتی جھگڑے یا حق کا تصفیہ نہیں کرنا، بلکہ اپنے نظرثانی کے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے، ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بقا، سلامتی اور تحفظ کے ضمن میں اپنی آئینی و قانونی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔ اس مقدمے کی سماعت کے دوران یہ احساس بھی دامن گیر رہا کہ خود آقائے دو جہاں رسول پاک ﷺ کی ذات گرامی مجھ سمیت ہر کلمہ گو سے یہ سوال کر رہی ہے کہ جب اللہ رحیم و کریم، میرے اور میرے اہل بیتؓ، برگزیدہ صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کے متعلق غلیظ ترین الفاظ، بے ہودہ ترین ویڈیوز، واہیات ترین خاکے اور بدترین پوسٹس انتہائی ڈھٹائی، دیدہ دلیری اور تواتر کے ساتھ سوشل میڈیا کے توسط سے پھیلائی جارہی ہیں، تو تمہیں نیند کیسے آ رہی ہے؟ تمہاری سانسوں کی آمد و رفت کا تسلسل کیسے برقرار ہے؟ تمہاری زندگی میں روانی، تمہارے شب و روز میں چین وسکون اور تمہارے معاملات میں توازن کیسے قائم ہے؟ اس مقدمے کی سماعت کے دوران یہ خوف بھی رہا کہ کیا سوشل میڈیا پر ایسے گھٹیا، شرم وحیا سے عاری اور تمام اخلاقی حدود سے ماورا پھیلائے گئے تحریری، تصویری اور بصری مواد کی موجودگی میں ہم شافع محشر، ساقی کوثر، سرور انسانیت ﷺ کو قیامت کے روز کوئی عذر پیش کرنے کے قابل ہوں گے؟ جو مواد عدالت کے سامنے پیش کیا گیا، اس کو دیکھ کر غلیظ، بے ہودہ اور بے شرم جیسے الفاظ بہت ہی حقیر محسوس ہوتے ہیں۔ بالعموم جج صاحبان عدالتی فیصلے تحریر کرتے وقت ایسے الفاظ سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن اس فیصلے کے حالات و واقعات کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ میں اپنے آپ کو صورتحال کی وضاحت کے لیے بادل ناخواستہ ایسے نامطلوب الفاظ کے استعمال پر مجبور پاتا ہوں۔ میرا ضمیر اور قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ مواد اس فیصلے میں نقل کروں، چونکہ ایسا کرنے سے گستاخانہ مواد کو تحفظ ملنے کا خدشہ اور تاریخ کا حصہ بن

جانے کا احتمال ہے۔ لہٰذا، اس مقدمے میں بطور استشہاد یا بطور حوالہ اس مواد کو نقل کرنے سے اجتناب میں ہی حکمت پنہاں ہے۔

بدقسمتی سے سوشل میڈیا پر اس مواد کو ایک شرمناک مہم کے ذریعے تواتر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے اور سوشل میڈیا سے منسلک افراد جو کہ بلاشبہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، اس مکروہ فعل سے آگاہ ہیں۔ اس گستاخانہ مواد نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں بجا طور پر اضطراب اور غم و غصے کی آگ سلگا دی ہے اور ان کی قوت برداشت اور صبر کا پیمانہ چھلکنے کو ہے، ان کے ایمان و عشق کے جذبات پر ایسی کاری ضرب لگائی گئی ہے کہ ان کا جگر چھلنی اور روح گھائل ہے۔ ان کے احساسات کو اس بری طرح سے مجروح کیا گیا ہے کہ وہ خود کو بے بسی کے عالم میں ایک مجرم سمجھنے لگے ہیں۔ ایسے نازک حالات میں یہ عدالت ایک خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ یہ عدالت اپنی نوجوان نسل کو، جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں سوشل میڈیا سے وابستہ ہے، بے بسی، مایوسی، پریشانی، اضطراب اور احساس ندامت کی ایسی بھیانک دلدل میں نہیں دھکیل سکتی، جہاں وہ خود کو ایسے نامراد اور بدبخت گستاخان کے خلاف کوئی قانونی اقدام اور کارروائی کرنے سے مایوس پاتے ہوں۔ عدالت خلا میں سفر کرنے والے کسی سیارے کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسے حکم کی مانند ہے جو معاشرے کی نبض شناس ہو۔ یہ عدالت پاکستانی عوام کی توقعات اور عزم، جو دستور پاکستان میں ایک عمرانی معاہدے کی حیثیت سے عیاں ہے، سے پوری طرح واقف ہے۔ دورانِ سماعت مقدمہ، اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالت عالیہ کا ایک جج ہونے کی حیثیت سے یہ فکر بھی میرے دامن گیر رہی کہ اس مقدمے کی سماعت میں کسی قسم کی کوتاہی میرے اس حلف کو بھی داغ دار نہ کردے، جو میں نے دستور پاکستان کے تحت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کے لیا ہے۔ لہٰذا، اس مقدمے (کی سماعت کے دوران) میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ حتی المقدور ان تمام عوامل کا تدارک اور سدباب کیا جاسکے اور ایسے تمام راستے مسدود کیے جاسکیں جن کے ذریعے چند عاقبت نا اندیش، نبی مہربان حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر حملہ آور ہو رہے ہیں‘‘۔

(PLD 2017 Islamabad 218/228, 229)

نہایت جذباتی گفتگو کے تسلسل میں جناب جسٹس صاحب مزید لکھتے ہیں:

❑ ’’عدالت پوری یکسوئی سے اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ریاستی اداروں کے ذمہ داروں کو، حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر کے ساتھ پاکستانی قوم کی وابستگی اور عشق و محبت کی گہرائی کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ حضور شفیع المسلمین والمرسلین ہیں۔ ان کی ذات پر حملے یا ان کی شان میں گستاخی، متقی و پرہیزگار و دنیا دار اور گناہ گار کوئی مسلمان بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ بے علم و بے عمل مسلمان بھی اتنا شعور بہرحال ضرور رکھتا ہے کہ روزِ محشر جب خون کے رشتے اجنبی بن جائیں گے، دوست احباب کنارہ کش ہو جائیں گے اور مال واسباب حیثیت کھو بیٹھیں گے، تو اس کیفیت میں اللہ کریم سے گناہوں کی معافی کے لیے آپ ﷺ ہی شفاعت فرمائیں گے۔ اس لیے یہ مذہبی جنوں کا معاملہ نہیں بلکہ ایمان کی پونجی جو اخروی زندگی کے لیے کامیابی کا واحد حوالہ ہے، جسے کوئی مسلمان چاہے اس کے روز و شب، مطلوب (معیار کے) مسلمان جیسے نہ بھی ہوں، تب بھی آپ ﷺ کے ساتھ عشق کی حرارت میں صاحبانِ عمل سے پیچھے نہیں رہتا اور اس کو سرمایہ حیات سمجھتا ہے‘‘۔

(PLD 2017 Islamabad 218/ 351)

توہین رسالت کے مرتکب کے خلاف جب کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوتی تو ردعمل کے طور پر محبت رسول ﷺ میں سرشار ایک مسلمان کیا کرتا ہے، اس حوالے سے محترم جسٹس صاحب لکھتے ہیں:

❑ ’’یہ پہلو انتہائی تکلیف دہ ہے کہ ریاستی ادارے اس پہلو کا ادراک کرنے سے قاصر رہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے، اس کی جغرافیائی سرحدوں کی طرح نظریاتی سرحدیں بھی ہیں۔ جغرفیائی سرحدوں کی پامالی ذمہ دار اداروں کو بے چین اور مضطرب کر دیتی ہے، جس سے قوم ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لیکن ناموس

رسالت ﷺ ، جو کہ بجا طور پر وطن عزیز کی نظریاتی سرحد ہے، پر تابڑ توڑ حملے نبی مہربان ﷺ کی شان میں گستاخی کی صورت کیے جاتے ہیں، تو ریاستی اداروں کی طرف سے عمومی طور بے حسی اور سرد مہری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ جب کہ ملک کا سوادِ اعظم غم و غصے، بے بسی اور ذہنی تناؤ کا شکار ہوتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت، حضور نبی اکرم ﷺ کے عشق میں سرشار کسی غلام کو قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور کر دیتی ہے"۔ (PLD 2017 Islamabad 218/ 349)

محترم جسٹس صاحب نے بالکل درست تجزیہ کیا کہ جب توہین رسالت ﷺ کے مجرم کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ ہو تو پھر ایک سچا مسلمان انتہائی اشتعال میں آ کر قانون ہاتھ میں لے کر ملزم کو قتل کر دیتا ہے۔ حقائق سے بھرپور یہ صورت حال بیان کرنے کے بعد اچانک محترم جسٹس صاحب 180 ڈگری کا یوٹرن لیتے ہیں اور اپنے متذکرہ بالا مؤقف سے دستبردار ہو کر لکھتے ہیں:

- "یہاں اس امر کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ یہ عدالت ممتاز قادری کیس (PLD 2015 Islamabad 85) میں یہ قرار دے چکی ہے کہ کسی بھی شخص کو توہین رسالت کے ملزم کے خلاف از خود کارروائی کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور قانون کو ہاتھ میں لینے والا اقرار واقعی سزا کا مستحق ہے"۔

(PLD 2017 Islamabad 218/ 342)

سادہ لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بدترین توہین رسالت ﷺ پر مبنی کوئی بھی مواد مثلاً تحریر، تقریر، تصویر یا ویڈیو وغیرہ دیکھ کر خواہ اِس سے غصہ و اشتعال میں رونگٹے کھڑے ہو جائیں، آنکھوں سے اشک باری ہو جائے، روح تڑپ جائے، دل و دماغ پر گزرنے والی کیفیت الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہو، نیند نہ آئے، سانسوں کی آمد و رفت کا تسلسل رُک جائے، زندگی کی روانی، شب و روز میں چین و سکون اور معاملات توازن قائم نہ رکھ سکیں، غلیظ، بے ہودہ اور بے شرم جیسے الفاظ بہت ہی حقیر محسوس ہوں، ضمیر اور قلم اِس بات کی اجازت نہ دیں کہ ایسی توہین لفظوں میں بیان ہو، دلوں میں

اضطراب اور غم وغصہ کی آگ سلگ جائے، قوتِ برداشت اور صبر کا پیمانہ چھلک جائے، جگر چھلنی اور روح گھائل ہو جائے، مذہبی جذبات و احساسات بری طرح سے مجروح ہوں، ایک مسلمان خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہو، قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کر کے بے حسی اور سرد مہری کا مظاہرہ کریں، آدمی بے بسی اور ذہنی تناؤ کا شکار ہو جائے ....تو محترم جسٹس صاحب کے بقول......تب بھی کسی بھی شخص کو توہین رسالت کے ملزم کے خلاف از خود کارروائی کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور قانون کو ہاتھ میں لینے والا قرار واقعی سزا کا مستحق ہے۔

؎ جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ معاملہ ایک شخص کو دوسرے ذی جان کو قتل کرنے کے اختیار دینے کا نہیں ہے بلکہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی خاطر ایک شاتم رسول کو جہنم واصل کرنے کا ہے۔ جب ہمارا قانون خاموش تماشائی بن کر توہین رسالت ﷺ کے روح فرسا مناظر کو چپ چاپ برداشت کر رہا ہو تو ایسی صورت میں قاضی یا امام سے سبقت لے کر ایسے بد بخت کو جہنم واصل کرنے والے کے بارے میں یہ عدالتی تحقیقات تو کی جا سکتی ہیں کہ اس نے واقعتاً شاتم رسول کو جہنم واصل کیا یا غلط الزام لگا کر کسی کو ناحق قتل کر ڈالا ہے، لیکن یہ کہنا کہ اس صورت میں قانون کو ہاتھ میں لینے والا بہرحال قرار واقعی سزا کا مستحق ہے، سراسر عدل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ وہ سزا کا مستحق تب تو ہوسکتا ہے جب عدالتی تحقیقات میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ قاتل نے مقتول پر توہین رسالت کا جھوٹا الزام عائد کر کے اسے ناحق قتل کر ڈالا۔ اس کے برعکس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے واقعتاً شاتم کو جہنم واصل کیا ہے تو ایسے شخص پر کوئی قصاص و دیت نہیں ہے۔ اس پر تمام فقہی مذاہب کا اجماع ہے بلکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فیصلے اس پر شاہد ہیں۔ البتہ امام احمد بن حنبلؒ ماورائے عدالت کسی مباح الدم شخص کو قتل کرنے پر تادیب کے لیے قاتل کو تعزیراً کچھ سزا دینے کے قائل ہیں لیکن اس حوالے سے وہ بھی یہی موقف رکھتے ہیں کہ گستاخِ رسول کو

واصل جہنم کرنے والے پر کوئی قصاص یا دیت نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ تعزیری سزا بھی ان کے نزدیک اس مباح الدم کے لیے ہے جو بوجہ ارتداد اسلام سے نکل گیا ہو یا شادی کے بعد زنا کا مرتکب ہو یا حربی کافر ہو۔ ان کے نزدیک یہ سزا شاتم کو قتل کرنے والے کے لیے نہیں ہے کیونکہ وہ توہین وتنقیص رسالت ﷺ کو ارتداد سمجھتے ہی نہیں بلکہ اسے ایک ایسا جرم سمجھتے ہیں جس کی سزا حداً موت ہوتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ایسی سزا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسا فعل سرانجام دینے والے کی مختلف الفاظ میں تحسین فرمائی اور یہاں تک فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پشت کے پیچھے مدد کرنے والا ہے۔ کسی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن کی کفایت کرنے والا فرمایا۔ ایک صحابی کی ایسی ہی مہم جوئی کے دوران پنڈلی ٹوٹ گئی، اس پر لعاب دہن لگا کر اپنے خاص معجزہ سے درست فرما دیا۔

لہٰذا جسٹس موصوف کے فیصلے کا یہ پہلو شریعت اسلامی کی مسلمہ تعلیمات کے بھی برعکس ہے۔ اس سلسلہ میں ایک کتابچہ ''غازی ممتاز قادری کیس میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کا شرعی جائزہ اور اس کا مکمل محاکمہ'' ملی مجلس شرعی لاہور نے شائع کیا ہے، جس کا مطالعہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ محاکمہ اس قدر علمی، تحقیقی اور مبنی برحقائق ہے کہ خواہش تھی کہ اسے اس مضمون کا لازمی حصہ بنا دوں مگر صفحات کی کمی کے پیش نظر ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔

ایک قدم مزید آگے بڑھتے ہوئے محترم جسٹس صاحب نے اپنے فیصلہ کے ذریعے قانون توہین رسالت ﷺ کے مخالف عناصر بالخصوص سیکولر اور قادیانیوں کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے:

❑ ''عدالت اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ بعض عناصر اپنے مذموم ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے اور اپنے مخالف کو عامۃ الناس کے غصے اور غضب کا نشانہ بنوانے اور قانون کے شکنجے میں پھانسنے کے لیے توہین رسالت ﷺ کا جھوٹا الزام بھی

عائد کر دیتے ہیں۔ اس سے ملزم اور اس کا خاندان نفرت کی علامت، لائق معاشرتی قطع تعلق اور قانونی کارروائی کے تحت واجب سزا تصور ہوتا ہے۔ گو ایسے واقعات بہت ہی محدود تعداد میں ہیں، لیکن توہین رسالت ﷺ کا جھوٹا الزام لگانا کسی جرم کی غلط اطلاع دینے اور دفعہ 182 مجموعہ تعزیرات پاکستان کے تحت سزاوار عمل نہیں ہے بلکہ یہ از خود ایک سنگین جرم ہے جو کہ الزام لگانے والا کسی بے گناہ فرد سے توہین رسالت ﷺ کے الفاظ، حرکات یا عمل منسوب کر کے، کم از کم خود اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لیے قانون کا غلط استعمال روکنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ توہین رسالت ﷺ کا لگایا گیا الزام غلط ثابت ہونے پر، الزام لگانے والے کو وہ سزا دی جائے جو کہ توہین رسالت ﷺ کے قانون کی صورت میں موجود ہے۔ اس لیے یہ معاملہ مقنّنہ کے پاس لے کر جانا ضروری ہے، تاکہ ضروری قانون سازی کی جا سکے"۔

(PLD 2017 Islamabad 218/ 350)

محترم جسٹس صاحب نے اپنے فیصلہ میں پارلیمنٹ کو سفارش کی ہے کہ اس قانون (295-C) کو چھیڑے بغیر ایک نیا قانون بنایا جائے کہ اگر کوئی شخص (مدعی) کسی دوسرے شخص (ملزم) پر توہین رسالت کا الزام لگائے یا اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرائے اور وہ شخص (مدعی) اس الزام کو ثابت نہ کر سکے تو اس (مدعی) کو وہی سزا ملے گی جو توہین رسالت کے مجرم کو دی جاتی ہے۔ معزز عدالت نے توہین رسالت کے قانون کے تحت جھوٹی ایف آئی آر کو روکنے کے لیے پارلیمنٹ کو نئی قانون سازی کرنے کی بھی باضابطہ سفارش کی ہے۔

قارئین کرام کو یاد ہونا چاہیے کہ مشرف دور میں راتوں رات ضابطہ فوجداری میں ایک ترمیم کے ذریعے قانون ناموس رسالت ﷺ کو غیر موثر بنانے کی ایک کامیاب کوشش ہو چکی ہے۔ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 156-A کے تحت توہین رسالت کے مقدمہ کی تفتیش صرف سپرنٹنڈنٹ پولیس (SP) یا اس سے بڑے عہدے کا آفیسر ہی کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 156 کی رو سے پولیس اسٹیشن کے انچارج

افسر کو قابل دست اندازی پولیس جرائم، قتل، توہین رسالت ﷺ اور دیگر سنگین جرائم میں اطلاع دینے یا رپورٹ کرنے پر مقدمہ درج کر کے ملزم کو گرفتار کر کے تفتیش کا اختیار حاصل تھا جس سے مدعی کو یک گونہ اطمینان ہو جاتا کہ ملزم کے خلاف قانون حرکت میں آ گیا ہے۔ اس طریقہ کار میں ملزم پولیس کی تحویل میں آ جانے سے قاتلانہ حملے یا وارداتِ قتل سے بھی محفوظ ہو جاتا تھا اور علاقے یا ملک سے اس کے فرار ہونے کے راستے بھی بند ہو جاتے تھے۔

دفعہ 156-A ضابطہ فوجداری میں اضافی ترمیم کے ذریعے توہین رسالت ﷺ کے جرم 295-C تعزیرات پاکستان کی تفتیش کا اختیار صرف پولیس کے ایس پی کے عہدے یا اس سے اوپر کے اعلیٰ افسران کو دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایس پی حضرات کو اپنے ہیڈکوارٹر / دفاتر سے ملک بھر کے شہروں اور دیہاتوں کے تھانوں کے اندر لا کر تو بٹھایا نہیں جا سکتا۔ ایس پی صاحبان تو اربابِ اقتدار، اعلیٰ بیوروکریسی، اعلیٰ عدلیہ کے ججوں اور غیر ملکی سفیروں کی جان و مال کے تحفظ کے لیے شب و روز مصروفِ کار ہوتے ہیں۔ مزید برآں اپوزیشن کے جلسے جلوسوں کی روک تھام بھی ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ ایسے ہمہ وقتی مصروف اعلیٰ پولیس افسروں کو توہین رسالت ﷺ کے ملزموں کے خلاف رپورٹ کی تفتیش اور انکوائری کی فرصت کہاں؟ ان حالات میں توہین رسالت ﷺ کا مدعی، جس کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی عزت اور حرمت اس کی جان و مال، ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر ہوتی ہے، ایس پی صاحبان کی تلاش کے سلسلے میں ان کے دفتروں کے چکر لگانے کے لیے صبر ایوب کہاں سے لائے گا؟ لہٰذا مذکورہ فیصلے میں جج صاحب کی حالیہ سفارش کے بعد اب نیا قانون اس طرح ہوگا:

- ”اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر توہین رسالت کا غلط الزام لگائے، وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس یا اس سے بڑے عہدے کے آفیسر کے روبرو درخواست دے کہ فلاں شخص نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے۔ متعلقہ سپرنٹنڈنٹ پولیس اپنے طور پر اس امر کی تحقیقات کرے گا کہ یہ الزام کہاں تک صحیح ہے۔ اگر وہ تفتیش کے بعد اس

الزام کی تصدیق نہ کرے تو مدعی (مقدمہ درج کروانے والے) کے خلاف مقدمہ درج ہوگا جس کی سزا سزائے موت ہوگی''۔

ہمارے خیال میں معزز عدالت کی مذکورہ سفارش قانون اور انصاف کے تمام اصولوں کے منافی ہے۔ پاکستان میں جہاں عدالتی نظام انحطاط کا شکار ہے، جہاں مدعی کو کوئی تحفظ حاصل نہیں۔ جہاں کمرہ عدالت میں گواہوں کو دھمکیاں دی جاتی ہیں، جہاں عدالتوں کے احاطہ میں فریق مقدمہ کو قتل کر دیا جاتا ہے اور مخالفین کو موت کے سپرد کرنا معمول بن چکا ہو، وہاں ایسی قانونی ترمیم سے توہین رسالت ﷺ کے مجرموں کو سزا دینے کے تمام دروازے بند ہوجائیں گے۔ بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس کی شکایت مسترد کردی گئی تو خود اسے بھی سخت سزا کا مستوجب گردانا جائے گا۔ ان حالات میں کون شکایت درج کرانے کے لیے آگے آئے گا؟ مزید براں جب نہ صرف اعلیٰ سرکاری حکام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہمدردیاں بھی کروڑوں مسلمانوں کے بجائے، توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کے ساتھ ہوں گی تو مسلمانوں کے لیے کوئی قابل عمل قانونی مداوا ہی نہ ہوگا۔

آسیہ مسیح کے حالیہ کیس نے اور اس سے پہلے بھی متعدد کیسوں کے فیصلوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے اربابِ اقتدار، عدل و انصاف کے اعلیٰ مناصب پر فروکش افراد اور اسٹیبلشمنٹ نے توہین رسالت ﷺ کے مجرموں کو سزا دلوانے کے بجائے انہوں نے سزاؤں سے بچا کر غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی اور ان سے مال و متاع حاصل کرنے کو ہمیشہ ترجیح دی ہے۔ اس سلسلہ میں محترم جسٹس صاحب توہین رسالت ﷺ کے مذکورہ واقعات پر ملزمان کے خلاف کوئی ایکشن نہ لینے پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے حسی اور مجرمانہ خاموشی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- ''یہ امر باعث افسوس ہے کہ **FIA** اور اسلام آباد پولیس نے معاملے کی حساسیت کی آڑ لے کر اپنی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کی اور اس طرز عمل سے محسن انسانیت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے عناصر کی حوصلہ افزائی ہوئی، جس بنا

پر پوری امت مسلمہ اور پاکستانی قوم، کرب واضطراب کی کیفیت سے دوچار ہوگئی‘‘۔

(PLD 2017 Islamabad 218/ 348)

محترم جج صاحب کے مذکورہ الفاظ کو سامنے رکھیں تو ان کی قانون میں ترمیم کی مجوزہ سفارش جس کے تحت غلط شکایت کرنے والے کے لیے سزا تجویز کی گئی ہے، نہ صرف بلاضرورت اور بلاجواز ہے بلکہ یہ ایک لحاظ سے رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سہولت پیدا کرنے اور انہیں سزا سے بچانے کا باعث ہے۔ حالانکہ پاکستان کے ضابطہ تعزیرات اور ضابطہ فوجداری میں جھوٹی شکایت جس کا مقصد کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانا ہو، دینے والے کے خلاف سزا کی دفعات پہلے ہی موجود ہیں۔مثلاً تعزیرات پاکستان کی دفعہ 194 میں درج ہے:

- ’’جو شخص جھوٹی گواہی دے یا غلط بیانی سے کسی شخص کو کسی ایسے جرم میں سزا یاب کرائے جو فی الوقت نافذ العمل قانون کی رو سے سنگین ہو تو اسے عمر قید کی سزا یا قید بامشقت جس کی میعاد 10 سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانے کی سزا کا مستوجب بھی ہوگا اور اگر مذکورہ گواہی کے سبب کوئی بے گناہ شخص سزا یاب ہوکر پھانسی پا جائے تو اس شخص کو جس نے جھوٹی گواہی دی ہو، سزائے موت دی جائے گی۔‘‘

اسی طرح تعزیرات پاکستان کی دفعہ 182،193، 195، 203 اور 211 میں بھی جھوٹی شہادت یا غلط رپورٹ درج کروانے والے کے لیے کڑی سزا موجود ہے۔ اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ ان دفعات میں سزا کم ہے تو اس میں اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے اور قذف کی طرح کوڑوں کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

تعزیرات پاکستان میں مذکورہ بالا دفعات کے ہوتے ہوئے معزز عدالت کو ایک نئے قانون کی سفارش کرنے سے احتراز کرنا چاہیے تھا۔ پاکستان میں قتل، بدکاری، ڈکیتی، اغوا برائے تاوان، دہشت گردی اور منشیات کی خرید وفروخت کے لیے نہایت سنگین سزائیں موجود ہیں۔ یہاں خاندانی دشمنیاں اور سیاسی رقابتیں عروج پر ہیں۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ان جرائم میں بے گناہ اشخاص کو دشمنی اور عداوت کی بنا

پر آسانی سے ملوث کر لیا جاتا ہے۔ آخر ان سنگین جرائم کی ابتدائی تفتیش اور اندراج مقدمہ کا کام ایس پی کے سپرد کیوں نہیں؟ اور ان جرائم میں بے گناہ لوگوں کو ملوث کرنے کے خلاف اعلیٰ عدلیہ نے مذکورہ نوعیت کی قانون سازی کی سفارش کیوں نہ کی؟ یہ بھی یاد رہے کہ ضابطہ فوجداری میں گستاخ رسول کے خلاف مقدمہ کو ایس پی کی تفتیش سے ملزوم اور مشروط کردیا گیا ہے۔ جس سے یہ ضابطہ، قانون کی کتابوں میں تو موجود ہے مگر عملاً غیر موثر ہوکر رہ گیا ہے۔ یہاں تو متعلقہ ایس ایچ او کو ملنا محال ہوتا ہے، ایس پی تک رسائی کیسے ہوگی؟ ایس پی تو اپنے علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اس سے تو طاقتور ترین ایس ایچ او بھی بات کرنے سے گھبراتا ہے۔ یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرض کیجیے کہ ایک قادیانی ایس پی توہین رسالت کے مقدمہ کی تفتیش کرتا ہے تو کیا اس سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ کسی قادیانی کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حکم دے گا۔ یہاں تو الٹا بے چارہ مدعی ہی پھانسی چڑھ جائے گا۔

اس مجوزہ ترمیم کے حامی اور ملحدین یہ دلیل دیتے ہیں کہ معزز عدلیہ کی مذکورہ بالا سفارش سے قانون توہین رسالت ﷺ کے غلط استعمال کے امکانات ختم ہوجائیں گے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قانون توہین رسالت ﷺ ہی وہ واحد قانون ہے جس کو پاکستان میں غلط استعمال کیا جارہا ہے۔ ایک مصدقہ سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 60 فیصد جھوٹے مقدمات درج ہوتے ہیں۔ آخر ان مقدمات کے غلط استعمال کے بارے میں کیوں نہیں سوچا جاتا؟

جناب آصف محمود اپنے مضمون ''قانونِ توہین رسالتؐ میں ترمیم...... کیوں اور کیا؟'' میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک توہین رسالت کے مقدمے میں جھوٹی گواہی دینے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں قانون نہ صرف موجود ہے، بلکہ خاصا سخت قانون ہے۔ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 194 کے تحت اگر کوئی فرد کسی ایسے مقدمے میں جھوٹی گواہی دیتا ہے، جس مقدمے میں سزا موت ہوتو، اس جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے دو طرح کی سزا

ہے۔ اگر اس جھوٹی گواہی کے نتیجے میں ملزم کو سزا نہیں ہوتی تو اِس صورت میں گواہی دینے والے فرد کو، یا عمر قید ہوگی یا دس سال قید با مشقت ہو گی اور دونوں صورتوں میں ساتھ جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا، لیکن اگر اس جھوٹی گواہی کے نتیجے میں بے گناہ کو سزا بھی ہو جاتی ہے تو جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے دیگر سزاؤں کے ساتھ سزائے موت بھی دی جا سکے گی، چونکہ توہین رسالت کے مقدمے میں بھی سزا موت ہی ہے۔ اس لیے اس دفعہ کا اطلاق توہین رسالت کے مقدمے میں دی گئی جھوٹی گواہی پر بھی ہوگا۔ اس دفعہ کی موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ توہین رسالت کے مقدمے میں جھوٹی گواہی دے کر کسی بے گناہ کو سزا دلوانے کی کوشش کرنے والے کے خلاف قانون موجود نہیں ہے۔

تاہم یہاں معاملہ محض جھوٹی گواہی کا نہیں، ایف آئی آر کا بھی ہے۔ جھوٹی گواہی پر تو سزا موجود ہے لیکن اگر کوئی جھوٹی ایف آئی آر درج کرا دے، یعنی جھوٹا الزام لگا دے تو وہاں کیا ہوگا؟ ہمارے ملک میں جھوٹی ایف آئی آر کی سزا نسبتاً معمولی ہے۔ تعزیرات پاکستان کی دفعہ **182** کے تحت یہ سزا چھ ماہ تک قید یا ایک ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں یعنی قید اور جرمانہ ہیں۔ تاہم یہ واحد دفعہ نہیں ہے۔ دفعہ **211** کے مطابق اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر ایسے جرم کا ارتکاب کا جھوٹا الزام لگائے، جس جرم میں اسے سزائے موت یا سات سال سے زیادہ قید ہو سکتی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ اس معاملے میں ایف آئی آر کھڑے کھڑے درج بھی نہیں ہوتی اور تفتیش بھی ایس پی سے کم درجے کا افسر نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ الزام معمولی بات نہیں۔ اس لیے خود علما کرام اس بات کے قائل ہیں کہ توہین رسالت کا جھوٹا الزام لگانے والے کو بھی سخت سزا دی جانی چاہیے، لیکن مسئلہ یہاں ہے کہ مذہبی طبقہ یہ سمجھتا ہے ایک دفعہ **295-C** میں ترمیم کی گنجائش نکل آئی تو غیر ملکی دباؤ کے زیر اثر اس قانون کی روح متاثر ہو سکتی ہے۔ یہ خوف بلاوجہ بھی نہیں۔ اس بات کے آثار موجود ہیں کہ ترمیم کی آڑ میں اس قانون کی روح کو بدل دینا مقصود ہے۔

سوال یہ ہے کہ اب یہ معاملہ کیسے حل ہو؟ یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ اگر حکومت

کی نیت قانون کی روح بدلنا نہیں، بلکہ صرف جھوٹے الزام کی سزا مقرر کرنا ہے تو اس کا قابل عمل راستہ موجود ہے۔ اس کام کے لیے تو آپ کو 295/C میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں، بلکہ آپ کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 182 اور 211 میں ترمیم کرنا ہوگی جن کا تعلق جھوٹی ایف آئی آر اور جھوٹے الزام سے ہے۔ یہاں بھی احتیاط اور نیک نیتی لازم ہے۔ جھوٹی ایف آئی آر کی سزا کا تناسب کیا ہونا چاہیے، یہ معاملہ ہیجان کی فضا میں طے نہ کیا جائے۔ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیا جائے۔

یہ خدشہ بہر حال موجود ہے کہ حکومت اس وقت توہین رسالت کے قانون کو تو ختم نہیں کر سکتی، اس لیے جھوٹی ایف آئی آر میں سزائے موت رکھ کر حکومت متبادل راستہ اختیار کرے گی اور اس کے بعد ملزم تو ایک پالیسی کے تحت بے گناہ قرار دے دیا جائے گا۔ جب کہ شکایت کنندہ کو لٹکا دیا جائے گا، تا کہ آئندہ کوئی اس جرم کی شکایت لے کر ہی سامنے نہ آئے اور عملاً یہ قانون معطل ہو کر رہ جائے۔ یہ تاثر اگر مضبوط ہو گیا تو سماج پر اس کے اثرات تباہ کن ہوں گے۔ ردعمل کی فضا میں لوگ سوچ سکتے ہیں کہ قانون کی مدد لینے کے لیے ایف آئی آر درج کرانے کی سزا بھی موت ہی ہونی ہے تو قانون کو ہاتھ میں ہی کیوں نہ لے لیا جائے۔ سوادِ اعظم اس راہ پر چل نکلے تو سماج کا انجام کیا ہوگا اور یاد رہے کہ آقا ﷺ کی حرمت اور ناموس کا مسئلہ تمام مسلمانوں کا ہے۔ یہ بہت نازک مقام ہے۔ سماج کو کسی نئے الاؤ میں مت جھونکیے۔ رحم کیجیے''۔

اسی ضمن میں معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن اپنے گرانقدر مضمون ''ناموس رسالت ﷺ کا فیصلہ'' میں لکھتے ہیں:

''اس حل سے ہمیں اختلاف ہے اور یہ رائے کوئی نئی نہیں ہے، اسے قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کو بے اثر بنانے والے دانشور اکثر پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس (محترم جسٹس صاحب کی) رائے پر عملدر آمد کے بعد یہ قانون ''پاکستان پینل کوڈ'' کی زینت تو بنا رہے گا، لیکن عملی نفاذ کے اعزاز سے محروم رہے گا۔ اس کی مثال اس شیر کی سی ہوگی کہ جس کے دانت اور پنجوں کے ناخن جڑ سے نکال دیے جائیں، تو پھر شیر اور بھیڑ

میں کوئی فرق نہیں رہے گا، بلکہ اگر مینڈھا بھاری جسم اور نوکدار سینگوں والا ہو، تو وہ شیر کو لہولہان بھی کرسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان میں آئین سمیت دیگر قوانین کا استعمال بالکل ٹھیک ہو رہا ہے، آئین کو منسوخ یا معطل کیا جاتا رہا، بے اثر بنایا گیا تو کیا اب ہمیں آئین کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا آئے دن عدالتوں میں جھوٹ مشتبہ شہادتیں نہیں دی جاتیں، کیا اس کی پاداش میں اُن گواہوں کو سزائیں دی جاتی ہیں؟

فرض کیجیے: دو گواہوں نے عدالت میں گواہی دی کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے فلاں شخص کو قتل کیا ہے اور وہ گواہی جھوٹی ثابت ہوجاتی ہے، تو کیا ان دونوں گواہوں کو سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔ بار بار صرف قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے یہ اصول تجویز کیا جاتا ہے کہ اہانت رسول کے مرتکب شخص کے خلاف جس نے گواہی دی ہے، اگر اس کی گواہی جھوٹی نکلتی ہے تو اسے اہانت رسول کی سزا دے دی جائے۔ ہمارے دیہی معاشرے میں تو آئے دن ایسا ہوتا ہے کہ جس خاندان کا کوئی فرد قتل ہوا ہے، وہ حقیقی قاتل کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کراتے، بلکہ اس خاندان کے سب سے طاقتور اور بااثر شخص کے خلاف ایف آئی آر درج کراتے ہیں تاکہ پورا خاندان اپنے سرپرست سے محروم ہو جائے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ فرض کریں: قتل کی سچی چشم دید گواہی دینے والوں کی گواہی وکلا کی ماہرانہ جرح کے سبب عدالت کے معیار پر پوری نہ اتری، پھر اسے رد کردیا گیا اور مجرم چھوٹ گیا، تو کیا اب ان سچے گواہوں کو محض عدالتی معیار پر گواہی کے قبول نہ ہونے پر سولی چڑھا دیا جائے گا۔ خدارا! انصاف کیجیے!، ایسے لوگ ہم نے علما کے بھیس میں بھی دیکھے ہیں، جن کے نام یورو اور ڈالر جرمنی اور امریکہ کی ویب سائٹس پر موجود ہیں اور جو بظاہر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرتے ہیں کہ قیامت تک کوئی جرأت نہیں کرسکتا کہ قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت کو کوئی تبدیل کرے، مگر جھوٹے الزام لگانے والے کو وہی سزا دی جائے جو توہین رسالت کی ہے اور یہی بات جج صاحب نے لکھی ہے، یہ کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ یہ قانون تحفظ ناموس رسالت کو بے اثر بنانے کے مترادف ہے۔ ایسے کسی مفروضہ قانون کے ہوتے ہوئے کوئی اپنی

کھلی آنکھوں سے رسالت مآب ﷺ، قرآنِ کریم اور شعائر دین کی توہین ہوتے ہوئے دیکھے، تب بھی ایف آئی آر درج کرانے اور عدالت میں گواہی دینے سے اجتناب کرے گا کہ کہیں وکلا کی حجت بازیوں کے سبب کل عدالت اسے ہی سزائے موت کا حقدار قرار نہ دے دے۔

اس کے لیے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 182 پہلے سے موجود ہے، اس میں درج ہے: ''ایسی صورت میں کہ ایک شخص نے جان بوجھ کر کسی کے خلاف غلط مقدمہ دائر کیا ہے، اسے چھ ماہ قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ یہ جرم ''قابل دست اندازئ پولیس'' نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پولیس ازخود دفعہ 182 کا مقدمہ درج نہیں کرسکتی۔ عدالت کے سامنے پولیس یا کسی شخص کی شکایت کی صورت میں عدالت اس کا حکم دے گی''۔ کوئی ہمیں بتائے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک تعزیرات پاکستان کی اس دفعہ کا اطلاق مختلف مقدمات میں گواہی دینے والے کتنے لوگوں پر کیا گیا ہے؟ مزید یہ کہ اس دفعہ میں ''جان بوجھ کر جھوٹی گواہی دینے'' کی کڑی شرط ہے۔ اگر اس دفعہ کا بھی اطلاق کرنا ہو تو پھر ملک بھر میں چلنے والے تمام مقدمات پر کرنا پڑے گا، مسلمان قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کے بارے میں جانبدارانہ قانون کو کسی صورت میں قبول نہیں کریں گے۔ (روزنامہ دنیا، 21 اکتوبر 2017ء)

حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے معروف مذہبی اسکالر جناب ڈاکٹر انیس احمد اپنے گرانقدر مضمون ''تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ اور ہماری ذمہ داری'' میں لکھتے ہیں:

''24 نومبر 2010ء کو پارلیمنٹ میں جو بل داخل کیا گیا ہے اس میں محرک نے یہ درخواست کی ہے کہ مروجہ قانونِ توہینِ رسالت ؐ 295-C اور اس سے متعلقہ دیگر دفعات میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ بل میں جو تبدیلیاں تجویز کی گئی ہیں ان کا مقصد ترمیم نہیں، بلکہ اس قانون کی عملی تنسیخ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترمیم کی ضرورت پر غور کرلیا جائے۔ ترمیم کا عمومی مقصد قانون کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے کسی ایسے پہلو کا دُور کرنا ہوتا ہے جو قانون

کے نفاذ میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو یا کسی ایسے پہلو کی تکمیل مقصود ہو جو مروجہ قانون میں رہ گیا ہو۔ اس حیثیت سے اگر حالیہ قانون کی دفعہ 295-C اور مجوزہ ترمیم کے الفاظ کا مقابلہ کیا جائے تو صورت حال کچھ مختلف نظر آتی ہے۔ مروجہ قانون میں 295-B میں ارتکاب جرم کرنے والے کے لیے سزا عمر قید ہے، **shall be punishable with imprisonment to life**۔ 295 میں الفاظ ہیں: **shall be punished with death** جب کہ مجوزہ بل میں 295-B کے لیے جو متبادل الفاظ تجویز کیے گئے ہیں وہ ہیں: **shall be punishable with imprisonment of either description for a term which may extend to five years or with fine or both.**۔ اسی طرح 295-C کے لیے جو متبادل الفاظ تجویز کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: **shall be punishable with imprisonment of either description for a term which may extend to ten years or with fine or with both.**

گویا دونوں مجوزہ دفعات میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف قید کی مدت، یعنی 295-B میں حد سے حد پانچ سال، 295-C میں حد سے حد 10 سال! جو بھلا انسان بھی باہوش وحواس اس تقابل کو دیکھے گا وہ یہی کہے گا کہ اس تجویز کا اصل کام 'تنسیخ' ہے ترمیم نہیں۔ واضح رہے کہ اس میں قید اور جرمانہ کے درمیان 'یا' کا رشتہ قائم کیا گیا ہے۔ گویا سزا کے بغیر صرف جرمانہ، جس کا بھی تعین نہیں کیا گیا ادا کر کے کوئی بھی شاتمِ رسولؐ اُمت مسلمہ کے جذبات کا خون اور اُن کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے۔

اس تجویز میں ناموسِ رسالت ﷺ کو پامال کرنے والے کے لیے قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کے فیصلے کی جگہ ملزم کو معصوم اور بے گناہ تصور کرتے ہوئے ساری ہمدردی اسی کے پلڑے میں ڈال دی گئی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناموسِ رسالتؐ یا قرآن کریم کی بے حُرمتی کرنا ایک اتنا ہلکا سا جرم ہے کہ اگر حد سے حد پانچ سال یا 10

سال کی قید دے دی جائے یا صرف چند روپے جرمانہ کر دیا جائے تو اس گھناؤنے جرم کی قرار واقعی سزا ہو جائے۔ یہ بھی نہ بھولیے کہ اس سزا کو چند لمحات بعد کوئی نام نہاد صدرِ مملکت معاف بھی کر دے تو اُمت مسلمہ بری الذمہ ہو جائے گی!

ہمارے خیال میں کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں رکھی جاتی کہ اگر اس کے نسب کے بارے میں ایک بُرا لفظ منہ سے نکالا جائے تو وہ کہنے والے کی زبان کھینچنے کو اپنا حق نہ سمجھے لیکن اگر قرآنِ کریم یا حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حملہ ہو اور کھلی بغاوت ہو تو 'رواداری' اور 'عفوودرگزر' میں پناہ دی جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز پیش کرنے والوں کے خیال میں کسی کی عزت، جذبات، شخصیت اور مقام پر حملہ کرنا تو 'انسانی حق'، 'آزادی رائے' اور 'اقلیتی حقوق' کی بنا پر ایک نادانستہ غلطی مان لیا جائے، اور جس پر یہ حملہ کیا جا رہا ہے، جس کی شخصیت کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کے ساتھ اس زیادتی کو نہ ظلم کہا جائے، نہ اسے انسانی حقوق کی پامالی سمجھا جائے، بلکہ الزام تراشی کرنے والے کو معصوم ثابت کرنے اور جرم کی سنگینی اور گھناؤنے ہونے کو کم سے کم کیا جائے اور عملاً اس جرم پر گرفت ایک سنگین جرم بنا دیا جائے۔ گویا ؎

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ بل ملت اسلامیہ کے ایمان، حبِ رسولؐ اور عظمتِ قرآن کے ساتھ ایک ہتک آمیز مذاق کی حیثیت رکھتا ہے، اور اقلیتوں کے 'تحفظ' کے نعرے کے زور سے اُمت مسلمہ کی اکثریت کو بے معنی قرار دیتے ہوئے اس کی روایات اور قرآن وسنت کے واضح فیصلوں کی تردید بلکہ تنسیخ کرتا ہے۔

اس موقع پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پاکستان ہی میں نہیں، پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان مسلم ممالک میں غالب اکثریت رکھتے ہیں غیر مسلموں کا تحفظ ان کا دینی فریضہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کا ذمہ لیا ہے، اس لیے کوئی مسلمان ان کی جان، مال اور عزت کو اپنے لیے حلال نہیں کر سکتا لیکن کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسے یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ برسرِ عام جب چاہے قرآن اور صاحبِ قرآن

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حُرمتی کا مرتکب بھی ہو اور اس پر کوئی قانونی کارروائی بھی نہ کی جائے کہ ایسا کرنے سے بعض پڑوسی ناراض ہو جائیں گے۔

یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ بل میں 203-A میں یہ اضافہ کرنے کی تجویز کی گئی ہے کہ:

"Anyone making a false or frivolous accusation under any of the sections 295-A, 295 B and 295-c, of the Pakistan Penal Code shall be punished in accordance with similar punishment prescribed in the Section under which the false or frivolous accusation was made."

حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے افراد قانون کی پاسبانی کا دعویٰ کرتے ہیں جو قانون کے بنیادی تصورات کو کھلے عام پامال کرنے پر آمادہ ہیں۔ ملزم کے ساتھ تمام تر ہمدردی کے باوجود کیا 15 سو سال میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص نے کسی پر بدکاری کا الزام لگایا جس کے ثابت ہونے کی شکل میں بدکار کو سنگسار کیا جانا تھا لیکن الزام ثابت نہ ہوسکا تو الزام لگانے والے کو سنگسار کر دیا گیا ہو۔ قذف کا قانون اسلامی قانون کا حصہ ہے لیکن وہ نصوص پر مبنی ہے اور صرف زنا کے ایک جرم کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ اتہام، جھوٹی شہادت وغیرہ تعزیری جرم ہوسکتے ہیں اور ان پر ضرورت اور حالات کے مطابق غور کیا جاسکتا ہے مگر جھوٹے گواہ کو ہمیشہ کے لیے نا قابلِ قبول گواہ قرار دینا اسلام کے تعزیری قانون کا حصہ ہے۔ لیکن جس طرح یہاں ان نامساوی چیزوں کو برابر برابر (juxtapose) کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ قانون کا صحیح نفاذ نہیں بلکہ قانون سے جان چھڑانے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ جو تصور اس ترمیم میں پیش کیا گیا ہے کیا تمام تعزیری قوانین پر اس کا اطلاق ہوگا؟ اس کا اصولِ قانون و انصاف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو جنگل کے قانون کی طرف مراجعت کا نسخہ معلوم ہوتا ہے! کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ ہمارا حکمران طبقہ اس معاملے میں شاید اُس مقامِ زوال تک پہنچ گیا ہے جہاں عقل کا استعمال قابلِ دست اندازی پولیس جرم تصور کر لیا جائے گا؟

اسلامی قانون میں قذف کی سزا کی موجودگی میں نہ تو حد میں اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ قذف کے ملزم پر زنا کی حد جاری کی جاسکتی ہے۔ ایک پارلیمنٹ کے رکن کی جانب سے ردعمل کی بنیاد پر یہ تجویز بنیادی انسانی حقوق اور قانون کے فطری اصولوں کے ساتھ گھناؤنا مذاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو سمجھ بوجھ سے نوازے تاکہ وہ اپنی فکری غلطیوں کو محسوس کرسکے“۔

جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے اپنے متذکرہ بالا فیصلے میں حکومتی اداروں کو مختلف ہدایات جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وزارت داخلہ اور دیگر متعلقہ ادارے فیس بک انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کر کے توہین رسالت پر مبنی اس شرانگیز ویب سائٹس کا مکمل خاتمہ کرائیں اور یہ مطالبہ کریں کہ توہین اللہ رب العزت، توہین رسالت ﷺ، توہین امہات المومنینؓ، توہین اہل بیت اطہارؓ، توہین صحابہ کرامؓ اور توہین قرآن پاک کی جسارت کرنے والے صفحات کو نہ صرف بند کیا جائے بلکہ فیس بک انتظامیہ ایسے مواد کو اپنی منفی فہرست میں شامل کرے، نیز اس پہلو کو بھی اجاگر کیا جائے کہ اگر یہ مکروہ فعل اور ناپاک دھندہ نہ رکا تو پاکستان میں عوام سوشل میڈیا بشمول فیس بک کا بائیکاٹ کرنے پر مجبور ہوسکتے ہیں اور مستقل پابندی بھی لگائی جاسکتی ہے۔ عدالت نے مزید ہدایت کی کہ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) ایک جامع اور مربوط تفصیلی ضابطہ کار وضع کرے جس کے تحت گستاخانہ صفحات/ ویب سائٹس کی نشاندہی ہو سکے اور بلا تاخیر ضروری اقدامات کیے جاسکیں۔ چیئرمین پی ٹی اے ایک سائنسی طریقہ کار وضع کریں جس کے تحت عامتہ الناس کو گستاخی رسول ﷺ اور فحش مواد کے سنگین فوجداری نتائج سے آگاہ کیا جاسکے اور اس فتنہ گیری اور شرانگیزی کے خلاف ریاست کو مستقل بنیادوں پر ایک آتش دیوار **(Firewall)** کھڑی کرنی چاہیے۔ سیکرٹری وزارت داخلہ متعلقہ محکموں اور افراد کے تعاون سے ایک پینل/ کمیٹی تشکیل دیں جس میں ملک کی نظریاتی، جغرافیائی اور انتظامی امور سے متعلق افراد شامل ہوں جو سوشل میڈیا سے گستاخانہ مواد کے خاتمے کے لیے ایک جامع مہم چلائے اور ایسے افراد کی نشاندہی کرے جو ایسے قبیح

جرائم میں ملوث ہیں اور ایسے افراد کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکے۔ ایف آئی اے قانون کے مطابق ملزمان بلاگرز، جو پاکستان سے جا چکے ہیں، کے خلاف پیش رفت کرے اور اگر کوئی قابل گرفت شہادت میسر ہے تو ان بلاگرز کو واپس لایا جائے تاکہ ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی ہو سکے لیکن اس معاملے میں قانون کے مطابق سلوک کے اصول کو مدنظر رکھا جائے اور وزارت داخلہ ملک میں کام کرنے والی ایسی NGOs کی نشاندہی کرے جو ملک میں گستاخانہ مواد اور فحش مواد کی اشاعت و تشہیر کے ایجنڈے پر گامزن ہیں، تاکہ ایسی این جی اوز کے خلاف قانونی کارروائی کی جا سکے۔

محترم جسٹس صاحب کے علم میں ہونا چاہیے کہ ان کے مذکورہ بالا تمام احکامات کو نافذ کرنے والے اداروں نے نہ صرف درِ اعتنا نہیں سمجھا بلکہ انہیں ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک دیا ہے۔ 10 سے زائد احکامات میں سے کسی ایک پر معمولی سا بھی عمل نہیں ہوا۔ اس کے برعکس آج بھی فیس بک پر حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ، اہل بیت اطہارؓ اور قرآن مجید کی مسلسل توہین ہو رہی ہے۔ یہ سب وزارت داخلہ، ایف آئی اے اور پی ٹی اے کے علم میں ہے۔ لیکن چونکہ ریاست اپنی سرزمین پر ایسی توہین کرنے والوں پر نہ صرف آنکھ بند رکھتی ہے بلکہ اُن کو قانونی گرفت سے بچا کر بیرون ملک فرار کراتی اور اغیار سے داد وصول کرتی آئی ہے، اس لیے ان اداروں نے ریاستی منشا کے مطابق چپ سادھی ہوئی ہے۔

آخر میں ایک اہم بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ زیرِ نظر فیصلہ محترم جسٹس صاحب کے نام سے حال ہی میں کتابی صورت (ناموس رسالت ﷺ، اعلیٰ عدالتی فیصلہ از جسٹس شوکت عزیز صدیقی) میں شائع ہوا ہے جس میں ملک کے جید علما و دانشوروں نے تقاریظ کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح مختلف اہل قلم حضرات نے اپنے کالموں اور مضامین میں اس فیصلہ کو تاریخ ساز قرار دیتے ہوئے محترم جسٹس صاحب کو خوب خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ ان تمام حضرات نے فیصلہ پڑھے بغیر محض جسٹس صاحب کی خوشنودی میں تقاریظ اور

کالم لکھے، ورنہ وہ فیصلہ کے پیرا نمبر **24** سے ضرور اختلاف کرتے اور اپنے تحفظات کا اظہار کرتے۔ محترم جسٹس صاحب نے بعض حضرات سے خود فرمائش کر کے اپنی ستائش میں کالم لکھوائے جیسا کہ معروف کالم نگار جناب ہارون رشید نے **22** جولائی **2018**ء کو دنیا نیوز کے پروگرام ''تھنک ٹینک'' میں انکشاف کیا۔ حیرانی ہے کہ یہ فیصلہ صرف اُردو میں ہی جاری ہوا، پھر بھی اس کے چیدہ چیدہ صفحات پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انہوں نے مذکورہ فیصلہ پڑھنے کے بعد ہی تقاریظ اور کالم وغیرہ لکھے ہیں تو پھر افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ انہوں نے بھی قانون توہین رسالت کے مخالفین کے غیر آئینی اور غیر قانونی مطالبہ کی حمایت و تائید کی ہے۔

قل هل يستوى الاعمى والبصير افلا تتفكرون (الانعام:50)

۞......۞......۞

محمد فرقان

(ایم ایس سی (آنرز) ایگریکلچر)

تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر اہم کتب

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے محاذ پر جناب محمد فرقان ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس موضوع پر علمی ذخیرہ اکٹھا کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ وہ ایسے خوش نصیب ہیں جن کی لائبریری میں تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے موضوع پر سب سے زیادہ کتب، رسائل، کتابچے، خاص نمبرز، مخطوطے، مقالہ جات اور (مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے) مضامین ہیں۔ اس اہم موضوع پر کسی بھی کتاب یا مقالہ کی تیاری کی سلسلہ میں ان کی لائبریری سے استفادہ ناگزیر ہے۔ ہمارے لیے یہ بات نہایت فخر و انبساط کا باعث ہے کہ وہ آج کل اس تمام مواد کی مکمل فہرست کتابی صورت میں مرتب کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ان کی اس غیر مطبوعہ کتاب کا حصہ ہے۔

ناموس رسالت پر تحریر شدہ عربی کتب و تراجم

1- ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی ، شیخ الاسلام (728ھ - 661ھ)، **الصَّارِمُ المسلُول عَلٰی شَاتِمِ الرّسُول ﷺ** ، دائرہ المعارف حیدر آباد دکن، 1323ھ، ص600

2- ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی، شیخ الاسلام (728ھ- 661ھ)، **الصَّارِمُ المسلُول عَلٰی شَاتِمِ الرّسُول ﷺ**، [مترجم، غلام احمد حریری]، مکتبہ قدوسیہ لاہور، 2011ء، ص748

3- ابن تیمیہ،ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی ، شیخ الاسلام(728ھ - 661ھ)، **الصَّارِمُ المسلُول عَلٰی شَاتِمِ الرّسُول ﷺ** ،[مترجم، پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ]، مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور، اپریل 2010ء،ص527

4- ابن تیمیہ،ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرانی ، شیخ الاسلام(728ھ - 661ھ) **مختصر** محمد بن علی البعلی (778ھ) **الصَّارِمُ المسلُول عَلٰی شَاتِمِ الرّسُول ﷺ**،[مترجم، محمد خبیب احمد، ''گستاخ رسول کی سزا''] ادارہ تحقیقات سلفیہ گوجرانوالہ ، اپریل 2011ء،ص158

5- السبکی، تقی الدین علی بن عبدالکافي الشافعي (756ھ- 683ھ)، **السَّیفُ المسلُول عَلٰی مَن سَبَّ الرَّسُول ﷺ**، دار الفتح عمان الاردن، 2000ء،ص666

6- السبکی، تقی الدین علی بن عبدالکافي الشافعي (756ھ- 683ھ)، **السَّیفُ المسلُول عَلٰی مَن سَبَّ الرَّسُول ﷺ**، [مترجم، محمد خان قادری، اسلام اور احترام نبوت]، کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور، 2006ء،ص415

7- السبکی، تقی الدین علی بن عبدالکافي الشافعي (756ھ- 683ھ)، **السَّیفُ المسلُول عَلٰی مَن سَبَّ الرَّسُول ﷺ** (تلخیص و ترجمہ)، [مولانا محمد ولی اکرم استوری، ''حرمت رسول'']، دارالہدیٰ اسلام آباد، س۔ن،ص128

8- عبدالعزیز بن محمد السعید، ڈاکٹر، [مترجم ،ابوشمس عبداللطیف کشمیری، ''پیغمبر اسلام کی شان میں استہزاء کرنے والوں کا انجام'']، المکتب التعاونی للدعوۃ والارشاد السعودیہ، [1427ھ]،ص65

9- الغماری، عبداللہ بن محمد بن الصدیق، **السیف البتار لمن سب النبی**

المختار ﷺ، مکتبہ القاہرہ، 1996ء، ص47

-10 ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز الدمشقی الشہیر (1252ھ-1198ھ) **تنبِیهُ الوُلاة و الحُکّام علی اَحکام شَاتم خیر الانام اَوُ اَحد اصحَابه الکرام**، دارا لآثار القاہرہ، 2007ء، ص152

-11 ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز الدمشقی الشہیر (1252ھ-1198ھ) **تنبِیهُ الوُلاة و الحُکّام علی اَحکام شَاتم خیر الانام اَوُ اَحد اصحَابه الکرام**، [مترجم، مفتی ثناء اللہ، ''**مذاہب اربعہ میں توہین رسالت اور توہین صحابہ کا تحقیقی جائزہ**'']، مرکز البحوث الاسلامیہ مردان، دسمبر 2016ء، ص363

-12 ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز الدمشقی الشہیر (1252ھ-1198ھ) **تنبِیهُ الوُلاة و الحُکّام علی اَحکام شَاتم خیر الانام اَوُ اَحد اصحَابه الکرام**، [مترجم، مولانا عبدالباری مصباحی، ''گستاخان انبیاء وصحابہ کا حکم'']، دہلی، مارچ 2014ء، ص128

-13 السندی، محمد ہاشم بن عبدالغفور (1174ء-1104ھ) **السیفُ الجلي عَلٰی سَابِ النبِي** ﷺ، (تحقیق، عبدالقیوم بن عبدالغفور السِندِی)، جامعہ اُم القری المملکۃ العربیہ السعودیۃ، 2017، ص256

-14 السندی، محمد ہاشم ٹھٹھوی الحنفی، مخدوم، **السیفُ الجلي عَلٰی سَابِ النبِي** ﷺ [مترجم، مفتی اعجاز احمد، ''**توہین رسول اور اسلامی قوانین**''] حامد اینڈ کمپنی لاہور، مارچ 2017ء، ص176

-15 محی الدین محمد بن قاسم، علامہ (المتوفی 904ھ) **السَیفُ المشهُور المسلُولُ عَلی الزّندِیق وَ سَاب الرّسُولِ** ﷺ، الریاض السعودیہ، 2014ء، ص51

16- ندا ابو احمد، **کیف تنصِر نبیک** ، [مترجم، مولانا فقیر حسین حجازی، ''ناموس رسالت''] مکتبہ معارف اسلامی کراچی، 2009ء، ص 16

تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر اُردو تحریری سرمایہ :

17- ابن عمر فاروقی، حُرمت رسُول ...... ''گستاخ رسول کی سزا اور اس کا انجام''، کراچی، س۔ن، ص 36

18- ابو ٹیپو خالد الازہری، علامہ، ناموس رسالت کے خلاف بے نظیر فیصلہ، لاہور، 1999ء، ص 447

19- ابو ٹیپو خالد الازہری، علامہ، راجپال کے جانشین، لاہور، 2000ء، ص 614

20- ابوالحسان قادری، علامہ، قرآن وحدیث کی روشنی میں توہین رسالت کی سزا، کراچی، دسمبر 1998ء، ص 76

21- ابوالخیر محمد زبیر، صاحبزادہ، ڈاکٹر، گستاخ رسول کا شرعی حکم، فیض مشتاق پبلی کیشنز کراچی، 2012ء، ص (30+34)

22- ابوعبدالرحمٰن انور، محبت رسول کے دعویدارو کہاں ہوتم؟ مکتبہ عبداللہ بن عتیق کراچی، س۔ن، ص 32

23- احمد رضا خان فاضل بریلوی، گستاخ رسول کی سزا (فتویٰ)، تنظیم نوجوانان اہل سنت لاہور، ستمبر 1994ء، ص 15

24- احمد رضا خاں/ احمد سعید کاظمی/ غلام علی اوکاڑوی، گستاخ رسول کی سزا سرتن سے جدا، فیضان اولیا پبلی کیشنز کامونکی، س۔ن، ص 80

25- احمد سعید کاظمی، سید، علامہ، گُستاخ رسول کی سزا قتل، مرکزی مجلس رضا لاہور، دسمبر 1988ء، ص 32

26- احمد علی شاہ، علامہ، سیف احمد علی برگردن دشمن نبی ﷺ، کراچی، 2007ء،ص 63

27- احمد علی مردانی، مولانا، گستاخ رسول کا عبرتناک انجام، الحق اکیڈمی مردان، فروری 2011ء،ص 24

28- ارسلان بن اختر میمن، مولانا، گستاخ رسول کا عبرتناک انجام، مکتبہ ارسلان کراچی، مارچ 2010ء،ص 512

29- اعجاز احمد، مولانا، مقام رسالت اور گستاخ رسول کا انجام، مکتبہ المصباح لاہور، جنوری 2009ء،ص 38

30- افتخار احمد، مفتی، مولانا، تحفظ ناموس انبیاء اور اسلام، بہاولپور، اپریل 2012ء،ص 153

31- افتخار حسن زیدی، صاحبزادہ ، گستاخ رسول کی سزا، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، مارچ 1991ء،ص 288

32- اُمِ عبدالمنیب ، تحفظ ناموس رسالت اور ہم، مشربہ علم وحکمت لاہور، س۔ن،ص 48

33- امتیاز حسین شاہ کاظمی، سید، حُرمت رسول شرعی، فقہی ، آئینی تشریحات کی روشنی میں ،اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی، س۔ن،ص 320

34- امجد علی قادری ، علامہ، گستاخ رسول کے لیے قہر وغضب کی تلوار یعنی **السیف البتار علی شاتم سید الابرار** ،مکتبہ امام ابوحنیفہ راولپنڈی جون 2011 ء،ص 127

35- انعام الحق، مفتی، اسلام میں شاتم رسول کی سزا، صدیقی ٹرسٹ کراچی [1409ھ]،ص 10

36- انیس احمد، ڈاکٹر، تحفظ ناموس رسالت اور ہماری ذمہ داری، منشورات

لاہور، دسمبر 2010ء، ص 24
37- ایچ ساجد اعوان، تحفظ ناموس رسالت اور گستاخ رسول کی سزا، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، فروری 1996ء، ص 789
38- ثریا بتول علوی، پروفیسر، اسلام اور توہین رسالت، لاہور، جون 2006ء، ص 32
39- جمیل احمد تھانوی، توہین رسالت اور اس کی سزا، ادارہ اسلامیات لاہور، جنوری 1995ء، ص 93
40- حبیب اللہ چشتی، پروفیسر، مسئلہ اہانت رسول، زاویہ پبلی کیشنز لاہور، س۔ن، ص 144
41- حبیب اللہ چشتی، پروفیسر، توہین رسالت کی سزا، مکتبہ جمال کرم لاہور، اپریل 2004ء، ص 176
42- حبیب الحق شاہ، سید، تحفظ ناموس رسالت اسلامی و عالمی قانون، اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی، مارچ 2017ء ص 630
43- حبیب الرحمٰن، ڈاکٹر، توہین رسالت اسباب اور سدّ باب، (DBF) سیرت ریسرچ سنٹر کراچی، 2015ء، ص 56
44- خالد جامعی، سید، قانون توہین رسالت کا اطلاق ایک علمی مشاہدۃ النفس، (e-book ایڈیشن) جامع کراچی، مئی 2014ء، ص 36
45- خالد حبیب الٰہی ایڈووکیٹ، میاں، توہین رسالت کی سزا کا قانون حکومتی موقف اور ہمارا نقطہ نظر، لاہور، س۔ن، ص 15
46- خالد محمود (مرتب)، عظمت رسُول اور قانون ناموس رسُول، بیت السلام کراچی، اکتوبر 2011ء، ص 240
47- خرم مراد، توہین رسالت کا مقدمہ، منشورات لاہور، اپریل 1995ء، ص 16
48- دوست محمد خان، پروفیسر، ڈاکٹر، ناموس رسالت اور توہین رسالت کا علمی

اور تاریخی جائزہ، العلم پبلشنگ سروسز پشاور، جنوری 2011، ص 44

49- رائے حسنین طاہر، داغ ندامت مقدمہ توہین رسالت و پس منظر، لاہور مارچ 1995ء، ص 208

50- رخسانہ جبین، ڈاکٹر، ناموس رسالت اور نصرت رسول، اذان سحر پبلی کیشنز لاہور، س۔ن، ص 26

51- رضوان تحمید مسلم، توہین رسالت کی سزا اور قرآن و بائبل، لاہور، س۔ن، ص 16

52- رعایت اللہ فاروقی، مولانا، گستاخ رسول کی سزا، مکتبہ حلیمیہ کراچی، اکتوبر 1993ء، ص 127

53- ریاض حسین شاہ، سید، علامہ، گستاخ رسول کی سزائے موت (چند ضروری وضاحتیں)، جمعیت اشاعت اہل سنت پاکستان کراچی، فروری 2011ء، ص 96

54- ساجد میر، پروفیسر، شاتم رسول کی سزا اور اس کی معافی، مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، لاہور، س۔ن، ص 6

55- سلمیٰ یاسمین نجمی، حرمت رسول، مکتبہ عفت راولپنڈی، س۔ن، ص 24

56- سمعیہ راحیل قاضی، ڈاکٹر، قانون توہین رسالت کیا ہے؟ اور کیوں ضروری ہے؟، لاہور، مارچ 2011، ص 18

57- سمعیہ راحیل قاضی، ڈاکٹر، قانون توہین رسالت، لاہور، س۔ن، ص 27

58- سمعیہ راحیل قاضی، ڈاکٹر، تحفظ ناموس رسالت، لاہور، س۔ن، ص 212

59- سیف الاعظم خان، ناپاک سازش (توہین رسالت کی سزا کو ختم کرنے کا بے نظیر سرکاری منصوبہ)، لاہور، ستمبر 1996ء، ص 445

60- شفیق الرحمٰن شاہ الدّ راوی، پیرزادہ، شاتم رسول کی شرعی سزا، مکتبہ قدوسیہ لاہور، 2012ء، ص 347

61- شہزاد قادری ترابی ، علامہ، قانون توہین رسالت 295-سی قرآن و سنت اور علماء اسلام کی نظر میں، کراچی ، اپریل 2017ء، ص 46

62- ضیاء احمد قادری، مفتی ، گستاخوں کے خلاف رسول اللہ کے گیارہ فیصلے، مکتبہ طلع البدر علینا، لاہور، ستمبر 2017ء، ص 64

63- ضیاء احمد قادری، مفتی ،تحفظ ناموس رسالت اور جانور، مکتبہ طلع البدر علینا لاہور، فروری 2017ء، ص 80

64- طلحہ سعید، حافظ، فداہٗ ﷺ ابی و امی (آپؐ پر میرے ماں باپ قربان)، س۔ن، ص 72

65- طیب شاہین لودھی، پروفیسر، شاتم رسول کی سزا، فاروقی کتب خانہ ملتان، 1995ء، ص 32

66- ظفر جبار چشتی، ابوحمزہ، مفتی، گستاخ رسول کی سزا سر تن سے جدا، اکبر بک سیلرز لاہور، 2012ء، ص 256

67- ظفر علی قریشی، شان رسالت میں گستاخی کی بحث کا تنقیدی جائزہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سرگودھا، س۔ن، ص 63

68- عارف شیرازی، سید، عشق مصطفیٰ کے حقیقی تقاضے اور گستاخان رسول کا انجام، ظلال القرآن فاؤنڈیشن راولپنڈی، مارچ 2007ء، ص 32

69- عامرہ احسان، شان رسالت ﷺ...... پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی، گوشۂ علم وفکر اسلام آباد، 2012ء، ص 22

70- عبدالباقی محمد برہان الحق، علامہ، ناموس مصطفیٰ ، مکتبہ شمس وقمر لاہور، اگست 2011ء، ص 48

71- عبدالرشید حنیف، عہد نبوت کے پانچ گستاخ، ادارہ علوم اسلامی جھنگ [1989ء]، ص 32

72- عبدالشکور ساجد انصاری، ڈاکٹر، تحفظ ناموس مصطفیٰ قرآن وسنت، تاریخ اور عصر حاضر کے تناظر میں، مرکزی میلاد کمیٹی فیصل آباد، جولائی 2010ء، ص56

73- عبدالواحد، مفتی، ڈاکٹر، توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر، جامع مدنیہ لاہور، [صفر 1433ھ]، ص 62

74- عبدالوحید فاروقی، حافظ، گستاخ رسول کی سزا سرتن سے جدا، انقلاب پبلشرز لاہور، نومبر 2012ء، ص 40

75- عبدالرحمٰن آزاد، حکیم، مولانا، قانون گستاخ رسول تاریخ کے آئینہ میں، گوجرانوالہ، س۔ن، ص 23

76- عبدالرحمٰن بخاری، سید، پروفیسر، توہین رسالت کے فتنے تاریخ کے آئینے میں، اُمہ پبلی کیشنز لاہور، جولائی 2009ء، ص 96

77- عبدالرحیم راؤ، ایڈوکیٹ، 295-C قانون ناموس رسالت (مذہبی کتب، قرآن و حدیث، تعامل صحابہ اور آئمہ فقہاء کی آراء کی روشنی میں)، ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن اسلام آباد، مارچ 2011ء، ص 48

78- عبدالرؤف سکھروی، مفتی، مولانا، توہین رسالت اور گستاخان رسول کا بدترین انجام، مکتبہ الاسلام کراچی، [صفر المظفر 1427ھ]، ص 60

79- عبدالقدوس ترمذی، سید، مولانا، گستاخ رسول کی شرعی سزا حدیث پاک کی روشنی میں، مجلس صیانۃ المسلمین لاہور [ذوالحجہ 1432ھ]، ص 12

80- عبدالوہاب قادری، مولانا، مفتی، نبی کی شان میں گستاخی کفر ہے، بزم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کراچی، [ربیع الاول 1423ھ]، ص 24

81- عمیر محمود صدیقی، توہین رسالت کی سزا قرآن وسنت اور بائیبل کی روشنی میں، کراچی، دسمبر 2010ء، ص 63

-82 عون محمد سعیدی ، علامہ، پروفیسر، گستاخی رسالت ناقابل برداشت، لاہور،س۔ن،ص16

-83 غلام حسین، ریاضیاتی تحفظ ناموس رسالت، لاہور، ستمبر 2010ء،ص 160

-84 غلام علی اوکاڑوی، مولانا، گستاخ رسول کا شرعی حکم قرآن وسنت وعلمائے اُمت کی روشنی میں، اوکاڑہ،[صفر المظفر 1421ھ]،ص 32

-85 غلام قادر جیلانی، ابو ثوبان، گستاخان رسول شریعت کی عدالت میں، بہاولپور،س۔ن،ص63

-86 فیصل مجید اعوان، توہین رسالت اور مغرب کا مکروہ کردار، راولپنڈی، مئی 2014ء،ص 184

-87 مبشر احمد ربانی، ابوالحسن، مولانا، توہین رسالت کی سزا، دار الاندلس لاہور، 2011ء،ص 40

-88 محبوب گل یاسر، تحفظ ناموس رسالت کے عصری مباحث اور تقاضے، چارسدہ، 2013ء،ص99

-89 محسن عثمانی ندوی، مولانا، ڈاکٹر، اسلام میں اہانت رسول کی سزا، اسلامی بک شاپ اسلام آباد، 1994ء،ص 64

-90 محمد احمد ترازی، قانون توہین رسالت ، نفاذ سے اطلاق تک، فدائیان ختم نبوت پاکستان کراچی، ستمبر 2016ء،ص 32

-91 محمد اختر صدیق، بسنت اسلامی ثقافت اور توہین رسالت ، مکتبہ اسلامیہ لاہور، فروری 2007ء،ص 55

-92 محمد ارشد بخاری، سید، گستاخ رسول کی متفقہ سزا......سزائے موت ، مجلس تحفظ ختم نبوت ٹنڈو آدم سندھ، اکتوبر 1986ء،ص 16

-93 محمد اسرائیل گڑنگی، قاضی، گستاخ رسول کی سزا، مانسہرہ، فروری 1994ء،ص 48

94- محمد اسلم رانا، عیسائی ذہنیت اور گستاخ رسول ایکٹ، اسلامی مشن لاہور، اپریل 1995ء، ص 162
95- محمد اسلم لودھی، توہین رسالت غیرت ایمانی کی آزمائش، وفا پبلی کیشنز لاہور، 2006ء، ص 319
96- محمد اسماعیل احمد بدایونی، صاحبزادہ، مقدس فریب (تحریک شاتمین رسول مسلمانوں کی نسل کشی، تحریک حقوق نسواں اور فرقہ واریت کا پس منظر و پیش منظر)، زاویہ پبلشرز لاہور، 2010ء، ص 256
97- محمد اسماعیل بدایونی، تحریک شاتمین رسول، انجمن انوار القادریہ کراچی، س۔ن، ص 16
98- محمد اسماعیل بدایونی، آزادی اظہار رائے یا صلیبی دہشت گردی، اسلامک ریسرچ سوسائیٹی کراچی، س۔ن، ص 64
99- محمد اسماعیل شجاع آبادی، دفاع ناموس رسالت، ادارہ اشاعت الخیر ملتان، س۔ن، ص 368
100- محمد اسماعیل قریشی (ایڈووکیٹ)، ناموس رسول اور قانون توہین رسالت، الفیصل ناشران کتب لاہور، ستمبر 1999ء، ص 457
101- محمد اشرف آصف جلالی، مولانا، ڈاکٹر، تحفظ ناموس رسالت ایک فرض ایک قرض، صراط مستقیم پبلی کیشنز، لاہور، مارچ 2010ء، ص 64
102- محمد اشرف آصف جلالی، مولانا، ڈاکٹر، ناموس رسالت کے نگہبان ولولے، صراط مستقیم پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن، ص 32
103- محمد اشرف آصف جلالی، مولانا، ڈاکٹر، تحفظ ناموس رسالت سیمینار، صراط مستقیم پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن، ص 32
104- محمد اشرف قادری رضوی، مولانا، تعظیم رسُول اور گستاخ رسُول کی سزا،

مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی، اگست 1999ء، ص 64

-105 محمد اقبال سعیدی، مفتی، جرم توہین رسالت فقہ حنفی کی روشنی میں، صُفہ فاؤنڈیشن لاہور، [جنوری 2004ء] ،ص 111

-106 محمد اقبال، مفتی ، غیر مسلموں کو جرم توہین رسالت پر سزا فقہ حنفی کی روشنی میں ، انوار الحدیث پبلی کیشنز ملتان، جون 2011ء، ص 174

-107 محمد الطاف قادری رضوی، ابوالخیر، ناموس رسالت اور ہماری ذمہ داری، انجمن انوار قادریہ کراچی، مارچ 2006ء، ص 16

-108 محمد امین، ڈاکٹر، قانون توہین رسالت پر اختلاف اور جاوید احمد غامدی، عمار ناصر اور زاہد الراشدی کا مؤقف، (e-book ایڈیشن) دار التحقیق برائے علم و دانش جامع کراچی، 2017ء، ص 53

-109 محمد تصدق حسین، علامہ، توہین رسالت کا علمی و تاریخی جائزہ، لاہور، س۔ن، ص 240

-110 محمد تصدق حسین، علامہ، گستاخ رسول کی سزا اور فقہاء احناف، تحریک مطالعہ قرآن لاہور، [ربیع الثانی 1432ھ] ص 96

-111 محمد تقی عثمانی، مفتی، مولانا، ناموس رسالت کی حفاظت کیجئے، کراچی ، 2012ء، ص 20

-112 محمد حسن فیضی، علامہ، گستاخ رسول واجب القتل ہے، بزم فیضیہ بہاولپور جنوری 2011ء، ص 106

-113 محمد حسن، مولانا، گستاخ رسول کی سزا بہ زبان سید نا محمد مصطفیٰ، کراچی، س۔ن، ص 32

-114 محمد خان قادری، مفتی، قرآن حکیم اور گستاخ رسول، جمعیت علماء پاکستان لاہور، جنوری 2011ء، ص 48

-115 محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، سید، ناموس رسالت ادیان کی نگاہ میں،

اسلام آباد، ستمبر 2006ء، ص (35+384)

116- محمد ریاض جمیل، مفتی، تحفظ ناموس رسالت کیوں اور کیسے؟ مکتبہ الحرم لاہور، جون 2006ء، ص 509

117- محمد زبیر آل محمد، گستاخ رسول کی سزا اور اس کا انجام، مکتبہ اسلامیہ لاہور، جون 2007ء، ص 48

118- محمد زبیر کلیم، توہین رسالت کے واقعات میں تسلسل اور ہماری ذمہ داری، فیصل آباد، اگست 2011ء، ص 119

119- محمد ساجد خان اتلوی، علامہ، گستاخ رسول کی شرعی حیثیت، مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی، مئی 2014ء، ص 208

120- محمد سرور قریشی، حافظ، ناموس رسول، کوہاٹ، [اکتوبر 1979ء] ص 336

121- محمد سعید، حافظ، پروفیسر، گستاخ رسول ﷺ کا شنیع جُرم (خطبہ جمعہ) دار الاندلس لاہور، س۔ن، ص 16

122- محمد سلطان شاہ، سید، ڈاکٹر، حفاظت ناموس حضورؐ کی اہمیت، بزم رضویہ لاہور، نومبر 2000ء، ص 72

123- محمد سلیم دھورات، مولانا، ناموس رسالت اور وقت کی ضرورت، زم زم پبلشرز کراچی، ربیع الاوّل 1434ھ، ص 24

124- محمد شعیب حقانی، مفتی، گستاخی رسول کرنے والوں کے بارے میں شرعی فیصلہ، کراچی، فروری 2011ء، ص 60

125- محمد شوکت علی، ڈاکٹر، شاتم رسول اور اس کا ہولناک انجام، فیصل آباد، س۔ن، ص 327

126- محمد شہباز عالم فاروقی (مرتب) حُرمت رسول پر جان بھی قربان ہے، ساہیوال، س۔ن، ص 24

127- محمد صدیق شاہ بخاری، ڈاکٹر، رواداری اور دینی غیرت، عالمی مجلس تحفظ

ختم نبوت ننکانہ صاحب، [فروری 1994ء]، ص 88

128- محمد صدیق ہزاروی، مفتی، تحفظ ناموس رسالت، لاہور، س۔ن، ص 16

129- محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، پروفیسر، گستاخ رسول کی سزا کے بارے میں استفتاء کا جواب، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، س۔ن، ص 23

130- محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، پروفیسر، احکام اسلام اور تحفظ ناموس رسالت، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، جولائی 1995ء، ص 364

131- محمد عارف شہزاد، ڈاکٹر، توہین رسالت کی سزا صرف اور صرف قتل، اہل حدیث یوتھ فورس فیصل آباد، س۔ن، ص 8

132- محمد عبداللہ تارڑ، مفتی، توہین رسالت کے مسلسل واقعات اور ہماری ذمہ داری، مکتبہ القرآن فیصل آباد، نومبر 2013ء، ص 64

133- محمد عثمان غنی، گستاخ رسول کی سزا، مدرسہ کاشف العلوم جوہر آباد، [مئی 1993ء] ص 18

134- محمد عطاء اللہ نعیمی، مفتی، علامہ، گستاخ رسول کا شرعی حکم، جمعیت اشاعت اہل سنت پاکستان کراچی، اپریل 2016ء، ص 70

135- محمد علی جانباز مولانا، توہین رسالت کی شرعی سزا، مکتبہ قدوسیہ لاہور، 2004ء، ص 270

136- محمد فرحان غوری، مولانا، عظمت رسول مع گستاخ رسول کی سزا، حیدرآباد، سندھ، س۔ن، ص 28

137- محمد فیاض احمد سعیدی، مفتی، تحفظ ناموس رسالت فضائل و برکات، سراج الحرمین پبلی کیشنز لاہور، س۔ن، ص 96

138- محمد فیصل نقشبندی، ابوعمر، اللہ کی مانیں یا گستاخ کی، انجمن انوار قادریہ کراچی، ستمبر 1996ء، ص 24

139- محمد فیض احمد اویسی، علامہ، با ادب جانور بے ادب انسان، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، اکتوبر 2010ء، ص 64

140- محمد فیض احمد اویسی، علامہ، گستاخوں کا برا انجام، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور، س۔ن، ص 319

141- محمد کاشف نقشبندی، مولانا، توہین رسالت نا قابل معافی جرم، دارالعلوم فیضان اولیاء کراچی، س۔ن، ص 32

142- محمد گل رحمٰن قادری، مفتی، گستاخ رسول کی شرعی حیثیت، مکتبہ معارف رضا، پورنیہ بہار، ہندوستان، 1997ء، ص 208

143- محمد لطیف، حرمت رسول ﷺ، فیصل آباد، 1994ء، ص 224

144- محمد متین خالد، کیا امریکہ جیت گیا (قانون توہین رسالت پر عمل درآمد کا خاتمہ، پاکستانی مسلمانوں کی شکست کی المناک کہانی)، علم وعرفان پبلشرز لاہور، 1999ء، ص 386

145- محمد متین خالد، ناموس رسالت کے خلاف امریکی سازشیں، علم وعرفان پبلشرز، لاہور۔ جنوری 2004ء، ص 432

146- محمد متین خالد، ناموس رسالت کے خلاف مغرب کی شرانگیزیاں، علم و عرفان پبلشرز لاہور، 2012ء، ص 586

147- محمد متین خالد، آزادی اظہار رائے کے نام پر، علم وعرفان پبلشرز لاہور، 2013ء، ص 547

148- محمد متین خالد، توہین رسالت کے مرتکبین کے خلاف سیشن کورٹس کے یادگار فیصلے، مرکز سراجیہ ختم نبوت لائیرز فورم لاہور، 2015ء، ص 1082

149- محمد متین خالد، ناموس رسالت مغرب اور آزادی اظہار، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، 2018ء، ص 397

150- محمد متین خالد، قانون تحفظ ناموس رسالت ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ،ننکانہ صاحب، اکتوبر 2018ء، ص 32

151- محمد محبّ اللہ نوری، صاحبزادہ ، گستاخ رسول کا شرعی حکم، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پوراوکاڑہ، جون 1997ء، ص 48

152- محمد مظہر اللہ، مفتی، علامہ، ناموس مصطفیٰ، ادارہ مسعودیہ کراچی، 2004ء، ص 16

153- محمد ممتاز سعیدی، ابوالضیاء، گستاخان رسول کا عبرتناک انجام، چشتی کتب خانہ فیصل آباد، مئی 1993ء، ص 96

154- محمد منصور احمد، مفتی، حُرمت رسول، مکتبہ عرفان لاہور، جمادی الثانی 1428ھ، ص 192

155- محمد منیر قمر سیالکوٹی، الشیخ، حقوق مصطفیٰ اور توہین رسالت کی شرعی سزا، اُم القریٰ پبلی کیشنز گوجرانوالہ، اپریل 2011ء، ص 352

156- محمد نصیر اللہ نقشبندی، مولانا، گستاخ رسول کا انجام، مکتبہ غوثیہ کراچی، اکتوبر 2006ء، ص 40

157- محمد نعیم اللہ خاں، قادری، حرمت رسول پر سب کچھ قربان، قادری رضوی کتب خانہ لاہور، مئی 2008ء، ص 80

158- محمد یامین، توہین رسالت محمد ﷺ اور ہماری بے حسی، کراچی، 2006ء، ص 269

159- محمد یعقوب شیخ، قاری، شان مصطفیٰ اور گستاخ رسول کی سزا، دارالاندلس لاہور، [ربیع الاول 1436ھ] ص 119

160- محمد یعقوب شیخ، قاری، قانون توہین رسالت پر 21 اعتراضات اور اُن کے جوابات، دارالاندلس، لاہور، س۔ن، ص 32

161- محمد یعقوب شیخ، قاری، گستاخ رسول کی سزا حدیث رسول کی روشنی میں، لاہور، [جنوری 2011ء] ، ص 32

162- محمد یوسف ہارون، توہین رسالت کی سزا، فیصل آباد، س۔ن، ص32
163- محمد عبداللہ مدنی، دشمنان رسول کے عبرتناک انجام، مشتاق بک کارنر لاہور، [2007ء]، ص512
164- محمود احمد غازی، ڈاکٹر، قانون توہین رسالت ایک سماجی ، سیاسی اور تاریخی تناظر، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، فروری 2014ء، ص46
165- معز الدین اشرفی، خواجہ، سید، رسول اللہ کے گستاخوں کا عبرتناک انجام، مصطفیٰ فاؤنڈیشن لاہور، نومبر 2008ء، ص40
166- ممتاز علی بخاری، سید ،عصمت رسول پر حملے، زاویہ پبلشرز لاہور، 2009ء، ص288
167- منظور حسین اختر، ڈاکٹر، گستاخ رسول کی سزا، لاہور، س۔ن، ص11
168- نذیر احمد خان، مفتی، ایڈووکیٹ، توہین رسالت، اقلیتیں اور قانون تحفظ مذاہب، النبر اس کراچی، 2006ء، ص295
169- نسیم احمد صدیقی نوری، علامہ، گستاخی و اہانت کی عالمی مہم، انجمن ضیائے طیبہ کراچی، اپریل 2008ء، ص24
170- نواب الدین گولڑوی، حاجی، توہین رسالت کی سزا قتل، لاہور، جنوری 1990ء، ص28

غازیان وشہیدان ناموس رسالت کی سوانحی کتب

171- رائے محمد کمال ، ناموس رسالت کے سات شہید ، جہانگیر بکڈپو لاہور، 2006ء، ص448
172- محمد ثاقب رضا قادری، غازیان ناموس رسالت (معاصر اخبارات جرائد و رسائل کی روشنی میں)، دارالنعمان پبلشرز لاہور، مئی 2018ء، ص432
173- محمد متین خالد، شہیدان ناموس رسالت، علم وعرفان پبلشرز لاہور، جنوری 2019ء، ص574

174- محمد مقصود احمد شہید، غازی علم دین سے غازی عامر چیمہ تک، مکتبہ عرفان لاہور، 1429ھ، ص 120

غازی علم الدین شہیدؒ:

175- خولہ متین، غازی علم الدین شہید، علم و عرفان پبلشرز لاہور، فروری 2007ء ص 128

176- رائے محمد کمال، غازی علم الدین شہید، زاویہ پبلشرز لاہور، فروری 1994ء، ص 232

177- ظفر اقبال نگینہ، غازی علم الدین شہید، جنگ پبلشرز لاہور، مئی 1998ء ص 141

178- عبدالرشید عراقی، غازی علم الدین شہید، بک کارنر جہلم، اکتوبر 2012ء، ص 424

179- غلام دستگیر نامی، پیر، غازی علم الدین، منشی عزیز الدین تاجر کتب و پبلشر لاہور، [1348ھ/ فروری 1930ء] ، ص 95

غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہیدؒ:

180- افضال احمد انور، غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ، مکتبہ ایوان نعت لاہور، ستمبر 2006ء، ص 208

181- محمد متین خالد، عامر عبدالرحمٰن چیمہ، علم و عرفان پبلشرز لاہور، 2007ء، ص 359

182- عبدالوہاب ، رانا، شہید ناموس رسالت عامر عبدالرحمٰن چیمہ، ادارہ مطبوعات طلباء لاہور، جنوری 2008ء، ص 174

183- عابد تہامی، شہید عامر چیمہ، تہامی گروپ پاکستان، 2006ء، ص 219

184- خالد محمود قادری، غازی عبدالرحمٰن چیمہ شہید، گوجرانوالہ، جون 2004ء، ص 400

ملک محمد ممتاز قادری شہید:

185- ظفر جبار چشتی، ابوحمزہ، مفتی، پروانہ شمع رسالت غازی ملک ممتاز حسین قادری، علم وعرفان پبلشرز لاہور، اپریل 2011ء، ص320

186- محمد حنیف قریشی، مفتی، غازی ممتاز حسین قادری محافظ ناموس رسالت، شباب اسلامی پاکستان راولپنڈی، جنوری 2012ء، ص500

187- محمد دلپذیر اعوان، شمشیر بے نیام بر گستاخ بے لگام، ملک ممتاز حسین قادری فاؤنڈیشن راولپنڈی، 2016ء، ص415

188- محمد شہزاد قادری ترابی، علامہ، ملک ممتاز حسین قادری، تحریک لبیک یا رسول اللہ کراچی، [مارچ 2016ء]، ص136

189- محمد کاشف رضا، کروں تیرے نام پہ جان فدا (تحفظ ناموس رسالت اور غازی ممتاز قادری شہید) لاہور، مارچ 2016ء، ص384

دیگر شہداءؒ ناموس رسالت

190- درویش (ماہنامہ) عاشقان پاک طینت نمبر (شہداء ناموس رسالت) جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 5، مئی 1994ء، ص96

191- رائے محمد کمال، غازی محمد صدیق شہید، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، س۔ن، ص81

192- رائے محمد کمال، غازی مرید حسین شہید، لاہور، اکتوبر 1999ء، ص123

193- رائے محمد کمال، غازی میاں محمد شہید، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1986، ص152

194- محمد وسیم انجم (مرتبہ) غازی میاں محمد شہید، انجم پبلشرز راولپنڈی، اپریل 2003ء، ص192

195- محمد کعب شریف، غازی وشہید مرید حسین، چکوال، 2003ء، ص176

ناموس رسالت کے موضوع پر مختلف جامعات میں لکھے گئے علمی و تحقیقی مقالہ جات (بترتیب سنین)

196- خواجہ حامد بن جمیل، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی (نگران)، تحفظ ناموس رسالت اور توہین رسالت ایکٹ ایک تنقیدی جائزہ، ایم فل، ادارہ علوم اسلامیہ وعربی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ اسلام آباد، (منظوری مقالہ 1996ء)، ص 346

197- ثوبیہ عارف/ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر (نگران)، توہین رسالت ایک تاریخی جائزہ، (ایم۔اے) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، سیشن (2000-2002ء)، ص 207

198- اُم سلمیٰ/ ڈاکٹر سعید الرحمٰن (نگران) توہین رسالت کی بابت عدالتی فیصلوں کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاؤ الدین ذکریا یونیورسٹی ملتان، سیشن (2001-2003ء)، ص 185

199- سیدہ کنول بخاری/ ڈاکٹر خواجہ حامد بن جمیل (نگران)، ناموس بانیان مذاہب عالمی قوانین کا تقابلی جائزہ، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، سیشن (2007-2009ء)، ص 183

200- حافظ محمود سرور/ ڈاکٹر محفوظ احمد (نگران)، ناموس رسالت اور یہود و نصاریٰ کی عصری روش، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، سیشن (2007-2009ء)، ص 160

تحفظ ناموس رسالت کے موضوع پر رسائل وجرائد کی خصوصی اشاعتیں (بترتیب حروف تہجی)

201- آب حیات (ماہنامہ): ''حرمت رسول نمبر''، لاہور، جلد نمبر 11، شمارہ

نمبر 2، فروری 2011ء، ص 140

-202 آب حیات (ماہنامہ): ''شاتم رسول کی شرعی سزا''، لاہور، جلد نمبر 13، شمارہ نمبر 1، ربیع الاول 1434ھ/ جنوری 2013ء، ص 160

-203 افکار نورانی (سہ ماہی): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 1، محرم تا ربیع الاول 1434ھ/ جنوری تا مارچ 2013ء، ص 56

-204 انوار رضا (سہ ماہی): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، جوہر آباد، جلد نمبر 8، شمارہ نمبر (3-1)، 2014ء ص 1200

-205 ایشیا (ہفت روزہ): ''ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 60، شمارہ نمبر 9، 20 تا 26 ربیع الاول 1432ھ/ 24 فروری تا 2 مارچ 2011ء، ص 70

-206 ایوان اسلام (ماہنامہ): ''ناموس رسالت کی حفاظت اُمت مسلمہ کی ذمہ داری''، کراچی، جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 10، اکتوبر 2012ء، ص 46

-207 اَلبر (ماہنامہ): ''قانون تحفظ ناموس رسالت دفعہ 295/C نمبر''، لاہور، جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 3، ربیع الثانی 1432ھ/ مارچ 2011ء، ص 285

-208 البرہان (ماہنامہ): ''قانون توہین رسالت''، لاہور، جلد نمبر 18، شمارہ نمبر 2، ربیع الاول 1432ھ/ فروری 2011ء، ص 64

-209 ترجمان الحدیث (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، فیصل آباد، جلد نمبر 39، شمارہ نمبر 4، ربیع الاول 1427ھ/ اپریل 2006، ص 50

-210 تعلیم و تحقیق (سہ ماہی): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، اسلام آباد، جلد نمبر 1، شمارہ نمبر 1، ص 167

-211 تفہیم الاسلام (ماہنامہ): قانون ناموس رسالت اور تہذیبی تصادم، احمد پور شرقیہ، بہاولپور، سلسلہ نمبر 100، رجب المرجب 1436ھ/ اپریل 2015ء، ص 34

212- جامعہ ابی بکر الاسلامیہ (ماہنامہ) : ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، کراچی، شمارہ نمبر 16، صفر 1426ھ، ص 40

213- چشم بیدار (ماہنامہ): ''عظمت رسالت مآب ﷺ اور توہین رسالت'' لاہور، جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 1 ، ربیع الاول 1434ھ/ جنوری 2013ء، ص 108

214- الحرمین (ماہنامہ) : ''حرمت رسول و کشمیر نمبر''، کراچی، جلد نمبر 3 ، شمارہ نمبر 2 ، ربیع الاول 1432ھ/ فروری 2011ء، ص 64

215- الحریہ (ماہنامہ): ''فداہ ابی و امِی و روحِی ألفاً ألفاً''، لاہور، جلد نمبر 5، شمارہ نمبر 26، ستمبر-اکتوبر 2012ء، ص 34

216- الحقائق (سہ ماہی) : ''ناموس رسالت نمبر'' ، ملتان ، شمارہ نمبر 13، 2006ء، ص 192

217- خواتین میگزین (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، س۔ن، ص 320

218- خواتین میگزین (ماہنامہ): ''اشاعت خاص بسلسلہ ناموس رسالت''، لاہور، جلد نمبر 17 ، شمارہ نمبر 3، ربیع الثانی 1432ھ/ مارچ 2011ء، ص 66

219- دعوت اہل حدیث (ماہنامہ): ''مقدس رسول نمبر''، حیدر آباد، سندھ، جلد نمبر 10، شمارہ نمبر، (8-7) صفر المظفر - ربیع الاول 1432ھ/ جنوری- فروری 2011ء، ص 122

220- دعوۃ التوحید (ماہنامہ) ''دفاع حرمت خاتم الانبیاء نمبر''، اسلام آباد، جلد نمبر 7، شمارہ نمبر (75-74)، صفر المظفر ۔ ربیع الاول 1427ھ/ مارچ- اپریل 2006ء، ص 112

221- دعوۃ (ماہنامہ): ''حرمت رسول نمبر''، لاہور، جلد نمبر 17، شمارہ نمبر 3، صفر المظفر 1427ھ/ مارچ 2006ء، ص 63

222- رشد (ماہنامہ): ''**حرمت رسول نمبر**''، لاہور، جلد نمبر **19**، شمارہ نمبر **3**، جمادی الاول- جمادی الآخر **1429**ھ/ مئی- جون **2008**ء، ص **224**

223- سبیل الرشاد (ماہنامہ): ''**حرمت مصطفیٰ نمبر**''، لاہور، جلد نمبر **8**، شمارہ نمبر **3**، ربیع الاول **1427**ھ/ اپریل **2006**ء ص **48**

224- سوئے حجاز (ماہنامہ): ''**تحفظ ناموس رسالت نمبر**''، لاہور، جلد نمبر **12**، شمارہ نمبر **8**، رجب **1427**ھ/ اگست **2006**ء، ص **336**

225- شاہراہ علم (ماہنامہ): ''**تحفظ ناموس رسالت**''، مہاراشٹرا، ہندوستان، ذوالحجہ-محرم الحرام **1433-34**ھ/ نومبر **2012**ء، ص **92**

226- شہادت (ماہنامہ): ''**تحفظ ناموس رسالت نمبر**''، اسلام آباد/ مظفر آباد، جلد نمبر **13**، شمارہ نمبر **3**، مارچ **2006**ء، ص **50**

227- شہادت (ماہنامہ): ''**گستاخ رسول کی سزا...... موت، موت اور صرف موت**''، اسلام آباد/ مظفر آباد، جلد نمبر **18**، شمارہ نمبر **1**، جنوری **2011**ء، ص **42**

228- ضرب طیبہ (ماہنامہ): ''**حرمت رسول نمبر**''، لاہور، جلد نمبر **6**، شمارہ نمبر **3**، صفر المظفر **1427**ھ/ مارچ **2006**ء، ص **50**

229- ضیائے حدیث (ماہنامہ): ''**حرمت رسولؐ اور اُمت رسولؐ**''، لاہور، جلد نمبر **21**، شمارہ نمبر **10**، ذی القعد **1433**ھ/ اکتوبر **2012**ء، ص **72**

230- ضیائے حرم (ماہنامہ): ''**تحفظ ناموس رسالت نمبر**''، لاہور/ اسلام آباد، جلد نمبر **41**، شمارہ نمبر (**6-7**)، ربیع الثانی - جمادی الاول **1432**ھ/ مارچ-اپریل **2011**ء، ص **368**

231- طیبات (ماہنامہ): ''**حرمت رسول نمبر**'' (حصہ اول)، لاہور، جلد نمبر **6**، شمارہ نمبر **4**، ربیع الاول **1427**ھ/ اپریل **2006**ء، ص **56**

232- طیبات (ماہنامہ): ''**حرمت رسول نمبر**'' (حصہ دوم)، لاہور، جلد نمبر **6**،

شمارہ نمبر 5، ربیع الثانی 1427ھ/ مئی 2006ء ص 56

233- العاقب (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت اسپیشل''، لاہور، جلد نمبر 2، شمارہ نمبر 10 تا 12، شوال تا ذوالحج 1430ھ/ اکتوبر تا دسمبر 2009ء، ص 192

234- العاقب (ماہنامہ): ''قانون تحفظ ناموس رسالت''، لاہور، جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 12، محرم الحرام 1432ھ/ دسمبر 2010ء، ص 64

235- عرفات (ماہنامہ): تحفظ ناموس رسالت نمبر، لاہور، جلد نمبر 36، شمارہ نمبر 8، ربیع الاول 1415ھ/ اگست 1994ء، ص 88

236- عرفات (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 48، شمارہ نمبر 4، ربیع الاول 1427ھ/ اپریل 2006ء، ص 144

237- فقاہت: (ماہنامہ): ''قانون تحفظ ناموس رسالت اصحاب علم واہل قلم کی نظر میں''، لاہور، جلد نمبر 4، شمارہ نمبر 2، ربیع الاول- ربیع الثانی 1432ھ/ فروری 2011ء، ص 32

238- کنز الایمان (ماہنامہ): ''قانون تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 17، شمارہ نمبر 6، جمادی الاول 1428ھ/ جون 2007ء، ص 512

239- **لاَ نَبِی بَعدِی** (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، اپریل- مئی 2006ء، ص 336

240- متاع کارواں (ماہنامہ): ناموس رسالت نمبر، بہاولپور، جلد نمبر 4، شمارہ نمبر 7، جمادی الثانی 1437ھ/ اپریل 2016ء، ص 64

241- مدحت (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ): تحفظ ناموس رسالت نمبر، لاہور، شمارہ نمبر 7، اکتوبر 2013ء، ص 336

242- مسیحائی (ماہنامہ): ''حرمت رسول نمبر''، کراچی، جلد نمبر 14، شمارہ نمبر (5-6)، رجب 1432ھ/ مئی- جون 2011ء، ص 624

243- مسیحائی (ماہنامہ): ''حج وتوہین رسالت نمبر'' (یہ نمبر دو مختلف موضوعات پر

ہے۔ حصہ اول گوشہ حج اور حصہ دوم ناموس رسالت پر مشتمل ہے)، کراچی، جلد نمبر 15، شمارہ نمبر (11-10) ذی الحجہ 1433ھ/اکتوبر- نومبر 2012ء، ص192

244- مسیحائی (ماہنامہ): ''ناموس رسالت نمبر''، کراچی، جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 4، ربیع الاول 1425ھ/ اپریل 2006ء، ص122

245- مشکوٰۃ المصباح (ماہنامہ): ''ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 12، شمارہ نمبر 3، ربیع الاول 1427ھ/ اپریل 2006ء، ص64

246- نعت (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 12، شمارہ نمبر (8-7)، جولائی - اگست 1999ء، ص200

247- النعیمیہ (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، لاہور، جلد نمبر 3، شمارہ نمبر 5، ربیع الثانی 1427ھ/مئی 2006، ص63

248- النور (اشاعت خاص): ''حرمت رسول نمبر''، کراچی، س۔ن، ص161

249- نوید سحر (ماہنامہ): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، مانسہرہ، جلد نمبر 6، شمارہ نمبر 3، صفر المظفر 1427ھ/فروری 2006ء ص48

250- وحدت (سہ ماہی): ''تحفظ ناموس رسالت نمبر''، نئی دہلی، ہندوستان، جلد نمبر 5، شمارہ نمبر 4، اکتوبر- دسمبر 2012ء، ص255

پارلیمنٹ سے قانونِ توہین رسالت منظور کیے جانے کا حکومتی نوٹیفیکیشن

ممبران قومی اسمبلی بابت سال 1985 تا 1988ء

سپیکر قومی اسمبلی: جناب حامد ناصر چٹھہ

ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی: جناب سردار وزیر احمد جوگزئی

خیبر پختونخواہ

نمبرشمار	نام	نمبرشمار	نام
-1	حاجی محمد انیس الٰہی، پشاور کینٹ	-2	جناب محمد سالم خان خلیل، پشاور
-3	جناب حمید خان، پشاور	-4	جناب نثار محمد خان، چارسدہ، پشاور
-5	مولانا عبدالحق، اکوڑہ خٹک، پشاور	-6	حاجی محمد یعقوب، مردان
-7	مولانا گوہر رحمٰن، مردان	-8	جناب فضل داد خان، مردان
-9	جناب یعقوب خان جدون، مردان	-10	حاجی نادر شاہ، کوہاٹ
-11	جناب محمد اسلم خان خٹک، پشاور	-12	ملک عبدالرؤف، ایبٹ آباد
-13	حاجی جاوید اقبال عباسی، ایبٹ آباد	-14	جناب گوہر ایوب خان، ایبٹ آباد
-15	سید قاسم شاہ، ایبٹ آباد	-16	نوابزادہ صلاح الدین سید، مانسہرہ
-17	جناب محمد ایوب خان، مانسہرہ	-18	پیر محمد صابر شاہ، ڈیرہ اسماعیل خان
-19		-20	جناب غلام الدین خان مروت، بنوں
-21	جناب مینگل اورنگزیب، سوات	-22	جناب فضل رازق، سوات
-23	جناب فتح محمد خان، سوات	-24	شہزادہ محی الدین، چترال
-25	مولانا محمد عنایت الرحمٰن، مالاکنڈ ایجنسی	-26	صاحبزادہ فتح اللہ، دیر
-27	ملک فضل منان مہمند، قبائلی علاقہ	-28	جناب عمر دین بنگش، قبائلی علاقہ
-29	ملک حاجی خیل شاہ، قبائلی علاقہ	-30	ملک جہانگیر خان، قبائلی علاقہ

31- ملک صید خان محسود، قبائلی علاقہ
32- جناب عبدالسبحان خان، قبائلی علاقہ
33- حاجی گل شیر خان، قبائلی علاقہ
34- جناب نور شیر خان، قبائلی علاقہ

فیڈرل ایریا

35- جناب محمد نواز کھوکھر، اسلام آباد

پنجاب

36- جناب محمد خاقان عباسی، راولپنڈی
37- ملک محبود حسین، راولپنڈی
38- شیخ رشید احمد، راولپنڈی
39- راجہ شاہد ظفر، راولپنڈی
40- چوہدری نثار علی خان، اٹک
41- ملک محمد اسلم، اٹک
42- سردار محمد سرفراز خان، اٹک
43- ملک نور خان، اٹک
44- راجہ محمد افضل خان، جہلم
45- لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ ملک عبدالمجید، جہلم
46- راجہ محمد افسر، جہلم
47- نوابزادہ مظہر علی، گجرات
48- چوہدری شجاعت حسین، گجرات
49- سید منظور حسین، لالہ موسیٰ، گجرات
50- چوہدری محمد اقبال، گجرات
51- چوہدری ممتاز احمد تارڑ، گجرات
52- چوہدری محمد نواز بوسال، گجرات
53- ملک نسیم احمد آہیر، خوشاب
54- ملک محمد نعیم خان، خوشاب، سرگودھا
55- سید نصرت علی شاہ، سرگودھا
56- ملک محمد اسلم کچھیلا، سرگودھا
57- جناب انور علی چیمہ، سرگودھا
58- چوہدری امان اللہ بدھرانہ، سرگودھا
59- ملک نور حیات خان نون، سرگودھا
60- جناب مقبول احمد خان، میانوالی
61- ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، میانوالی
62- جناب امان اللہ خان شاہانی، بھکر
63- سردار زادہ محمد علی شاہ، جھنگ
64- مولانا محمد رحمت اللہ، جھنگ
65- نواب امان اللہ خان سیال، جھنگ
66- سیدہ عابدہ حسین، جھنگ
67- خان محمد عارف خان، جھنگ
68- جناب محمد انور علی خان، فیصل آباد
69- راجہ نادر پرویز خان، فیصل آباد
70- جناب محمد اکرم انصاری، فیصل آباد
71- چوہدری محمد نذیر احمد، فیصل آباد

72- رائے صلاح الدین خان، فیصل آباد
73- ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری، فیصل آباد
74- چوہدری محمد بشیر رندھاوا، فیصل آباد
75- رائے عارف حسین، فیصل آباد
76- جناب محمد عبداللہ غازی، فیصل آباد
77- میاں ناصر علی خان بلوچ، سمندری، فیصل آباد
78- مخدوم سید علی رضا شاہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
79- چوہدری عبدالستار، ٹوبہ ٹیک سنگھ
80- جناب حمزہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
81- پیر محمد اشرف، لاہور
82- جناب اقبال احمد خان، لاہور
83- جناب روحیل اصغر، لاہور
84- جناب لیاقت بلوچ، لاہور
85- میاں محمد آصف، لاہور
86- سید اسد گیلانی، لاہور
87- حافظ سلمان بٹ، لاہور
88- حاجی محمد اصغر، لاہور
89- سردار آصف احمد علی، لاہور
90- راؤ محمد خضر حیات، قصور
91- سردار عبدالحامد، قصور
92- مولانا معین الدین لکھوی، قصور
93- رانا تنویر حسین، شیخوپورہ
94- میاں عبدالرؤف، شیخوپورہ
95- میاں شمیم حیدر، شیخوپورہ
96- ملک سرفراز احمد، شیخوپورہ
97- رائے منصب علی خان، ننکانہ صاحب، شیخوپورہ
98- جناب حامد ناصر چٹھہ، گوجرانوالہ
99- بریگیڈیئر (ر) افتخار البشیر ، گوجرانوالہ
100- شیخ محمد منصور، گوجرانوالہ
101- بریگیڈیئر (ر) محمد اصغر، گوجرانوالہ
102- رانا نذیر احمد خان، گوجرانوالہ
103- چوہدری اعجاز احمد، گوجرانوالہ
104- خواجہ محمد صفدر، سیالکوٹ
105- چوہدری عامر حسین، سیالکوٹ
106- جناب محمد اکرم خان، سیالکوٹ
107- صاحبزادہ پروفیسر محمد احمد، سیالکوٹ
108- چوہدری محمد سرور خان، سیالکوٹ
109- چوہدری شفاعت احمد خان، سیالکوٹ
110- جناب انور عزیز چوہدری، سیالکوٹ
111- سید فخر امام، ملتان
112- جناب قمر الزمان شاہ کھگا، ملتان
113- پیر محمد ثناء اللہ بودلہ، خانیوال، ملتان
114- جناب جاوید ہاشمی، ملتان
115- مخدوم زادہ سید حامد رضا گیلانی، ملتان
116- جناب فیروز الدین انصاری، ملتان
117- شیخ محمد راشد، ملتان
118- جناب محمد صدیق خان کانجو، ملتان
119- سید یوسف رضا گیلانی، ملتان
120- رانا شوکت حیات نون، ملتان

121- جناب محمد نواز خان الیاس دلاور خان کھچی، وہاڑی

122- میاں ریاض احمد خان دولتانہ، وہاڑی

123- سید شاہد مہدی نسیم، وہاڑی

124- خواجہ غلام محی الدین، ڈیرہ غازی خان

125- سردار مقصود احمد خان لغاری، ڈیرہ غازی خان

126- میر بلخ شیر خان مزاری، راجن پور

127- ڈاکٹر میاں ذوالفقار علی برق، مظفر گڑھ

128- ملک غلام محمد مجتبیٰ غازی کھر، مظفر گڑھ

129- ملک غلام محمد مرتضیٰ کھر، مظفر گڑھ

130- جناب غلام فرید خان میرانی، لیہ

131- سردار محمد جہانگیر خان، لیہ

132- جناب محمد رفیق صفدر، ساہیوال

133- رانا نعیم محمود خان، ساہیوال

134- رائے احمد نواز، ساہیوال

135- میاں غلام محمد احمد خان مانیکا، ساہیوال

136- راجہ شاہد سعید خان، ساہیوال

137- میاں محمد زمان، اوکاڑہ

138- سید سجاد حیدر، اوکاڑہ

139- میاں محمد یٰسین خان وٹو، لاہور

140- شہزادہ سید الرشید محمود عباسی، بہاولپور

141- چوہدری ممتاز احمد جا، بہاولپور

142- سید تسنیم نواز گردیزی، بہاولپور

143- صاحبزادہ نور حسن، بہاولنگر

144- سید محمد احمد شاہ، بہاولنگر

145- میاں عبدالستار لالیکا، بہاولنگر

146- بیگم نسیم ماجد، بہاولنگر

147- سید احمد عالم انور، رحیم یار خان

148- حاجی محمد سیف اللہ خان، رحیم یار خان

149- مخدوم عماد الدین، رحیم یار خان

150- سردار رئیس شبیر احمد خان، رحیم یار خان

سندھ

151- جناب اسلام الدین شیخ، سکھر

152- سردار غلام احمد خان مہر، سکھر

153- سردار حاجی نور محمد خان لنڈ، سکھر

154- جناب الٰہی بخش سومرو، شکار پور

155- آغا عطا محمد خان، شکار پور

156- میر مہران خان بجرانی، جیکب آباد

157- جناب رحیم بخش سومرو، جیکب آباد

158- سید ظفر علی شاہ، نواب شاہ

159- جناب دل مراد جمالی، نواب شاہ

160- سید علی اصغر شاہ، نواب شاہ

161- سید بشیر احمد شاہ، نواب شاہ

162- سید علی گوہر شاہ، خیر پور

163- سید عبدالرزاق شاہ، خیر پور

164- جناب شاہ محمد پاشا کھوڑو، لاڑکانہ

165- سردار احمد سلطان چانڈیو، لاڑکانہ

166- میر نادر علی خان مگسی، لاڑکانہ

167- جناب صباح الدین شاہ حسینی، حیدرآباد
168- جناب وصی مظہر ندوی، حیدرآباد
169- نواب محمد یامین خان، حیدرآباد
170- میر عنایت علی تالپور، حیدرآباد
171- قاضی عبدالماجد عابد، حیدرآباد
172- حاجی عبداللہ ہالیپوتو، بدین
173- جناب بشیر احمد ہالی پوٹو، بدین
174- میجر جنرل (ر) محمد بشیر خان، تھرپارکر
175- جناب خیر محمد بھرگری، تھرپارکر
176- ارباب عامر حسن، تھرپارکر
177- جناب پیر بخش خاص خیلی، دادو
178- حاجی خیر محمد پنہور، دادو
179- جناب عبدالحمید جتوئی، دادو
180- جناب محمد خان جونیجو، سانگھڑ
181- جناب عطا محمد مری، سانگھڑ
182- حاجی محمد عثمان خان جلبانی، ٹھٹھہ
183- جناب احمد میمن، ٹھٹھہ
184- میر نواز خان کروت، کراچی
185- شاہ بلیغ الدین، کراچی
186- جناب مظفر احمد ہاشمی، کراچی
187- جناب محمد عثمان رمز، کراچی
188- جناب محمد آفاق خان، کراچی
189- جناب غلام محمد چشتی، کراچی
190- مولانا سید شاہ تراب الحق قادری، کراچی
191- شیخ عبدالخالق اللہ والا، کراچی
192- حاجی محمد حنیف طیب، کراچی
193- جناب کنور قطب الدین خان، کراچی
194- جناب محمد عثمان خان نوری، کراچی
195- جناب زین نورانی، کراچی
196- علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، کراچی
197- حاجی سردار فتح محمد ایم حسینی، کوئٹہ
198- جناب محمد قاسم خان، پشین
199- میر حاجی ترین، لورالائی
200- سردار وزیر احمد جوگیزئی، ژوب
201- سردار تاج محمد رند، کاچی، کوئٹہ
202- میر احمد نواز بگٹی، ڈیرہ بگٹی
203- میر ظفر اللہ خان جمالی، نصیر آباد
204- پرنس محی الدین بلوچ، قلات
205- میر محمد عارف جان محمد حسانی، خضدار
206- شہزادہ جام محمد یوسف، لسبیلہ
207- مولانا عبدالحق بلوچ، بلوچستان

اقلیتی ممبران

208- جناب این ایم کھوکھر (عیسائی)، اسلام آباد
209- کیپٹن (ر) ثناء اللہ (عیسائی)، راولپنڈی
210- لیفٹیننٹ کرنل (ر) ڈبلیو، ہربرٹ بلوچ (عیسائی)، لاہور کینٹ

211- جناب امان الظفر (عیسائی)، لاہور
212- جناب بھگوان داس، کے چاولہ (ہندو)، کراچی
213- جناب پرمال کوہلی (ہندو)، تھرپارکر
214- سیٹھ چمن داس (ہندو)، سانگھڑ
215- جناب گلجی (ہندو)، تھرپارکر
216- جناب ایم پی بھنڈارا (پارسی)، راولپنڈی

خواتین ممبر

217- صاحبزادی محمودہ بیگم، لاہور
218- محترمہ نثار فاطمہ زہرا، لاہور
219- بیگم افسر ریاض قزلباش، لاہور
220- بیگم سروری صدیق، فیصل آباد
221- بیگم سلوت شیر علی خان پٹوڈی، لاہور
222- مسز عشرت اشرف، اسلام آباد
223- مسز خورشید بیگم، اسلام آباد
224- مسز ریحانہ علیم مشہدی، لاہور
225- ڈاکٹر مسز عطیہ عنایت اللہ، اسلام آباد
226- مسز در شہوار مزاری، کراچی
227- مسز رفیہ طارق، ملتان
228- مسز فرخ مختار، ملتان

سندھ۔04

229- مسز افروز ناظر احمد، کراچی
230- مسز راشدہ پاشا کھوڑو، راولپنڈی
231- بیگم سلمٰی احمد، کراچی
232- مسز، قمر النساء قمر، کراچی
233- مسز، کلثوم سیف اللہ خان، پشاور کینٹ
234- مسز، بلقیس نصر المن اللہ، اسلام آباد
235- بیگم بلقیس شہباز، کوئٹہ
236- ڈاکٹر مس نور جہاں پانیزئی، کوئٹہ

اقلیتی

237- مسز لیلاونتی (ہندو)، کراچی

قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کی مکمل کارروائی

ترتیب و تحقیق: محمد متین خالد

1- تاریخ کے نازک اور اہم لمحات کی ایسی روداد جسے پڑھتے ہوئے ہر قاری پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے، گویا وہ قومی اسمبلی میں بیٹھا براہ راست خود یہ کارروائی دیکھ رہا ہے۔

2- قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کے موقع پر کس نے کیا کہا، کس نے حمایت کی، کس نے مخالفت کی، کس نے مجرمانہ خاموشی اختیار کی، تمام پوشیدہ حقائق بے نقاب ہوتے ہیں۔

3- قانون توہین رسالت ﷺ کے مخالفین کے اعتراضات کے مسکت و جامع اور مستند ومؤقر جوابات جس سے تمام شکوک وشبہات کا مؤثر ازالہ ہو جاتا ہے۔

4- ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ کے موضوع پر نادر و نایاب اور علمی و تحقیقی مضامین کا خوبصورت انتخاب جس کا مطالعہ نہ صرف آپ کی بصارت و بصیرت کو ایک نئی جلا بخشے گا بلکہ آپ کو اس نوع کی تمام کتب سے بے نیاز کر دے گا۔

معروف کالم نگار، اینکر پرسن اور عبقری شخصیت کے مالک
جناب غلام نبی مدنی کی گرانقدر اور فکر انگیز تقریظ کے ساتھ

لمحہ بہ لمحہ چشم کشا حقائق و واقعات ...... پہلی بار منظر عام پر

ایک ایسی قومی و تاریخی دستاویز جس کا مدتوں سے انتظار تھا

پڑھیے اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے آگے بڑھیے!

ممبران قومی اسمبلی بابت سال 1990ء تا 1993

سپیکر قومی اسمبلی: جناب گوہر ایوب

ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی: جناب حاجی محمد نواز کھوکھر

خیبر پختونخوا

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
-1	جناب غلام احمد بلور، پشاور کینٹ	-2	
-3	ارباب محمد ظاہر، پشاور	-4	جناب محمد اجمل خان خٹک، پشاور
-5	مولانا محمد حسن جان، چارسدہ	-6	جناب محمد اعظم خان ہوتی، مردان
-7	حاجی سرفراز خان ہتیاں، مردان	-8	جناب رحمٰن اللہ خان، صوابی
-9	سید افتخار حسین گیلانی، اسلام آباد	-10	جناب محمد اسلم خان خٹک، پشاور
-11	سردار مہتاب احمد خان، ایبٹ آباد	-12	جناب جاوید اقبال عباسی، ایبٹ آباد
-13	جناب گوہر ایوب خان، ایبٹ آباد	-14	سردار محمد یوسف، مانسہرہ
-15	نوابزادہ صلاح الدین سعید، مانسہرہ	-16	جناب عالم زیب خان، مانسہرہ
-17	مولوی محمد امین، کوہستان	-18	جناب فضل کریم کنڈی، ڈیرہ اسمٰعیل خان
-19	مولوی علی اکبر، بنوں	-20	جناب نصیر محمد میداد خیل، لکی مروت
-21	جناب خلیق داد خان، سوات	-22	جناب عبدالمتین خان، بونیر
-23	جناب محمد افضل خان، سوات	-24	شہزادہ محی الدین، چترال
-25	جناب نجم الدین، دیر	-26	جناب احمد حسین، دیر

فاٹا

27- حاجی بزور خان، پشاور
28- سید یوسف حسین، پارہ چنار
29- ملک سپین گل، کوہاٹ
30- جناب محمد اجمل خان، شمالی وزیرستان
31- حاجی شیخ جان، ڈیرہ اسمٰعیل خان
32- حاجی لعل کریم، باجوڑ ایجنسی
33- حاجی محمد ایوب آفریدی، خیبر ایجنسی
34- ملک محمد اسلم خان آفریدی، این ڈبلیو ایم پی

اسلام آباد

35- جناب محمد نواز کھوکھر، اسلام آباد

پنجاب

36- جناب شاہد خاقان عباسی، اسلام آباد
37- راجہ محمد ظہیر خان، راولپنڈی
38- شیخ رشید احمد، راولپنڈی
39- جناب محمد اعجاز الحق، راولپنڈی
40- چوہدری نثار علی خان، راولپنڈی
41- شیخ آفتاب احمد، اٹک
42- ملک اللہ یار خان، اٹک
43- لیفٹیننٹ جنرل (ر) ملک عبدالمجید، اسلام آباد
44- سردار منصور حیات تمان، چکوال
45-
46- نوابزادہ اقبال مہدی، جہلم
47- جناب احسان الحق پراچہ، اسلام آباد
48- چوہدری قادر بخش میلا، سرگودھا
49- حاجی محمد جاوید اقبال چیمہ، سرگودھا
50- چوہدری انور علی چیمہ، سرگودھا
51- ملک محمد نعیم خان، سرگودھا
52- ملک غلام محمد خان ٹوانہ، خوشاب
53- مولانا محمد عبدالستار خان نیازی، لاہور
54- جناب گل حمید خان روکھڑی، لاہور
55- جناب عزیز احمد خان، بھکر
56- جناب محمد ظفر اللہ خان ڈانڈلہ، بھکر
57- سردار دلدار احمد چیمہ، فیصل آباد
58- رائے محمد اسلم خان، جڑانوالہ
59- میاں ناصر علی خان بلوچ، فیصل آباد
60- جناب محمد عبدالعزیز، فیصل آباد
61- چوہدری محمد نذیر احمد، فیصل آباد
62- راجہ نادر پرویز، فیصل آباد
63- حاجی محمد اکرم انصاری، فیصل آباد
64- میاں زاہد سرفراز، فیصل آباد
65- چوہدری شیر علی، فیصل آباد
66- جناب عامر حسین سید، چنیوٹ
67- مولانا محمد رحمت اللہ، جھنگ
68- مولانا محمد اعظم طارق، جھنگ صدر
69- مخدوم سید فیصل صالح حیات، لاہور

70- صاحبزادہ محمد نذیر سلطان	71- چوہدری اسد الرحمٰن، ٹی ٹی سنگھ
72- میاں عبدالوحید، لاہور	73- جناب حمزہ، ٹی ٹی سنگھ
74- ملک حامد ناصر چٹھہ، گوجرانوالہ	75- جناب افضل حسین تارڑ، گوجرانوالہ
76- جناب غلام دستگیر خان، گوجرانوالہ	77- بریگیڈیئر (ر) محمد اصغر، گوجرانوالہ
78- رانا نذیر احمد خان، گوجرانوالہ	79- جناب محمد اشرف وڑائچ، گوجرانوالہ
80- چوہدری تجمل حسین، گجرات	81- چوہدری شجاعت حسین، گجرات
82- سید منظور حسین شاہ، لالہ موسیٰ	83- چوہدری ناصر اقبال، چھلیانوالہ
84- چوہدری محمد نواز بوسال، گجرات	85- میاں محمد شافی، سیالکوٹ
86- چوہدری عامر حسین، سیالکوٹ	87- چوہدری نذیر احمد خان، سیالکوٹ
88- چوہدری، عبدالستار، سیالکوٹ	89- چوہدری محمد سرور خان، سیالکوٹ
90- سید غوث علی شاہ، کراچی	91- جناب محمد اشفاق تاج، شکر گڑھ
92- جناب ہمایوں اختر خان، لاہور کینٹ	93- جناب اعتزاز احسن، لاہور
94- میاں عمر حیات، لاہور	95- جناب محمد نواز شریف، لاہور
96- میاں محمد شہباز شریف، لاہور	97- جناب لیاقت بلوچ، لاہور
98- میاں محمد عثمان، لاہور	99- جناب وزیر علی بھٹی، لاہور
100- چوہدری محمد عاشق دایال، لاہور	101- رانا تنویر حسین، لاہور
102- چوہدری نذیر احمد ورک، شیخوپورہ	103- چوہدری محمد برجیس طاہر، شیخوپورہ
104- جناب نعیم حسین چٹھہ، شیخوپورہ	105- رائے منصب علی خان، شیخوپورہ
106- سردار اصیف احمد علی، لاہور	107- راؤ محمد خضر حیات، قصور
108- رانا محمد حیات خان، قصور	109- مولانا معین الدین لکھوی، اوکاڑہ
110- میاں محمد زمان، اوکاڑہ	111- سید سجاد حیدر، اوکاڑہ
112- راؤ قیصر علی خان، اوکاڑہ	113- میاں محمد یٰسین خان وٹو، لاہور
114- سید یوسف رضا گیلانی، ملتان	115- سید حامد سعید کاظمی، ملتان
116- جناب تنویر الحسین ترین، ملتان	117- جناب حیات اللہ خان ترین، ملتان
118- جناب محمد صدیق خان کانجو، ملتان	119- سید جاوید علی شاہ، ملتان

120- مخدوم محمد جاوید ہاشمی، ملتان
121- سید فخر امام، اسلام آباد
122- جناب آفتاب احمد خان ڈاہا، خانیوال
123- پیر شجاعت حسین قریشی، لاہور
124- میاں انوار الحق رامے، ساہیوال
125- مہر غلام فرید خان، ساہیوال
126- رائے احمد نواز، ساہیوال
127- راجا شاہد سعید خان، لاہور
128- جناب محمد احمد خان، لاہور
129- جناب محمد نواز خان الیاس دلاور خان کھچی، وہاڑی
130- جناب اکبر علی بھٹی، لاہور۔ III
131- سید شاہد مہدی نسیم، وہاڑی
132- سردار محمد امجد فاروق کھوسہ، ڈیرہ غازی خان
133- سردار فاروق احمد خان لغاری، ڈیرہ غازی خان
134- میر بلخ شیر میزاری، لاہور
135- سردار عبدالقیوم خان جتوئی، مظفر گڑھ
136- میاں عطا محمد قریشی، ملتان
137- ملک غلام احمد نور ربانی کھیر، لاہور
138- ملک غلام مصطفیٰ کھیر، لاہور
139- سید محمد خورشید احمد بخاری، لیہ
140- صاحبزادہ فیاض الحسن، لیہ
141- نواب صلاح الدین عباسی، بہاولپور
142- صاحبزادہ فاروق انور عباسی، بہاولپور
143- سید تسنیم نواز گردیزی، بہاولپور
144- سید محمد اصغر شاہ، بہاولپور
145- میاں عبدالستار لالیکا، بہاولنگر
146- چوہدری عبدالغفور، لاہور
147- مخدوم سید احمد اسلم انور، بہاولپور
148- مخدوم شہاب الدین، رحیم یار خان
149- میاں عبدالخالق، رحیم یار خان
150- مخدوم سید احمد محمود، لاہور

صوبہ سندھ

151- جناب خورشید احمد شاہ، سکھر
152- جام سیف اللہ خان دھاریجو، سکھر
153- الہان نور محمد خان لُنڈا، سکھر
154- جناب آفتاب سبحانی میرانی، کراچی
155- جناب الطاف خان بھایو، شیخوپورہ
156- جناب الٰہی بخش سومرو، کراچی
157- جناب خضر خان بجرانی، کراچی
158- جناب غلام مصطفیٰ خان جتوئی، کراچی
159- سید ظفر علی شاہ، سندھ
160- جناب غلام مرتضٰی خان جتوئی، کراچی
161- سید شبیر احمد شاہ، کراچی
162- سید پرویز علی شاہ جیلانی، خیر پور میرس
163- پیر سید عبدالقادر شاہ جیلانی، خیر پور
164- بیگم نصرت بھٹو، کراچی

165- جناب شبیر احمد خان چانڈیو، لاڑکانہ
166- محترمہ بے نظیر بھٹو، کراچی
167- مخدوم محمد امین فہیم، کراچی
168-
169-
170- سید نوید قمر، حیدر آباد
171- جناب عبدالستار باچھانی، حیدر آباد
172- حاجی عبداللہ ہیلی پوٹو، حیدر آباد
173- جناب بشیر احمد ہیلی پوٹو، بدین
174-
175-
176- ارباب غلام رحیم، تھر پارکر
177- ملک اسد سکندر، کوٹری
178- حاجی محمد بخش جمالی، دادو
179- جناب رفیق احمد ماہی سر، دادو
180- سید علی گوہر شاہ، کراچی
181- جام معشوق علی، سنگھار
182- بابو غلام حسین، ٹھٹھہ
183- ارباب وزیر احمد میمن، ٹھٹھہ
184-
185-
186-
187-
188-
189- جناب آصف علی زرداری، کراچی
190-
191-
192-
193- جناب اسلام نبی، کراچی
194-
195- جناب ریحان عمر فاروقی، لنڈی
196- جناب وسیم احمد، کراچی

بلوچستان

197- سردار فتح محمد ایم حسینی، کوئٹہ
198- جناب محمد خان اچکزئی، کوئٹہ
199- سردار یعقوب خان ناصر، کوئٹہ
200- مولوی محمد خان شیرانی، ژوب
201- جناب یار محمد رند، بلوچستان
202- جناب سلیم اکبر بگٹی، کوئٹہ
203- جناب نبی بخش خان، کھوسہ، کوئٹہ
204- مولوی محمد صدیق شاہ، قلات
205- میر حاصل بزنجو، خضدار
206- شہزادہ جام محمد یوسف، کراچی
207- میر بیزان بزنجو، کراچی

اقلیت

-208

-209 جناب پیٹر جون سہوترا، فیصل آباد

-210 جناب طارق سی قیصر، لاہور

-211 فادر روفن جولیئس، کراچی

-212 ڈاکٹر خاتم الجیون، کراچی

-213 رانا چندار سنگھ، کراچی

-214 کشن چند پروانی، سندھ

-215 جناب بھگوان داس کے چاولہ، کراچی

-216 جناب بیرام ڈی اواری، کراچی

-217 جناب بشیر الدین خالد، لاہور

ممبران قومی اسمبلی بابت سال 2002ء تا 2007ء

سپیکر قومی اسمبلی: جناب چوہدری امیر حسین
ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی: جناب سردار محمد یعقوب

خیبر پختونخوا

1- جناب شبیر احمد خان، پشاور
2- مولانا رحمت اللہ خلیلی پشاور
3- قاری، فیاض الرحمٰن علوی، پشاور
4- جناب شبیر حسین اعوان، پشاور
5- قاضی حسین احمد، اسلام آباد
6- مولانا حامد الحق حقانی، نوشہرہ
7- مولانا محمد گوہر شاہ، چارسدہ
8- جناب آفتاب احمد خان، شیخوپورہ، پی پی پی (ایس)، پشاور
9- مولانا شجاع الملک، مردان
10- مولانا محمد قاسم، مردان
11- ڈاکٹر عطاء الرحمٰن، مردان، این ڈبلیو ایم پی
12- جناب محمد عثمان ایڈووکیٹ، ایم ایم اے پی، صوابی
13- جناب خلیل احمد، کوہاٹ
14- مفتی ابرار سلطان، کوہاٹ
15- مولانا شاہ عبدالعزیز، کرک
16- آخونزادہ محمد صدیق، ہنگو
17- جناب امان اللہ خان جدون، ایبٹ آباد
18- سردار محمد یعقوب، ایبٹ آباد
19- جناب عمر ایوب خان، اسلام آباد
20- سردار شاہ جہان یوسف، مانسہرہ
21- مولانا عبدالملک، مانسہرہ
22- قاری محمد یوسف، بٹگرام
23- مولوی عبدالعلیم خان، کوہستان
24- مولانا فضل الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان
25- جناب عطاء الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان
26- مولانا سید نصیب علی شاہ، بنوں
27- مولانا امان اللہ خان، مروت
28- جناب شیر اکبر خان، بنوں

29- قاری عبدالبیس صدیقی، سوات
30- جناب فضل سبحان، سوات
31- انجینئر امیر مقام، پشاور
32- مولانا عبدالاکبر چترالی، پشاور
33- مولانا اسد اللہ، اپر دیر
34- مولانا احمد غفور، لوئر دیر
35- خالی

فاٹا

36- مولانا غلام محمد صدیق، چارسدہ
37- دیر سید جاوید حسین، فاٹا
38- جناب منیر خان اورکزئی، فاٹا
39- ڈاکٹر سید غازی گلاب جمال، ہنگو
40- مولانا سید نیک زمان، وزیرستان ایجنسی
41- مولانا عبدالملک وزیر، وزیرستان
42- مولانا محمد میراج الدین، اڈا بازار ٹینک
43- شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق، باجوڑ ایجنسی
44- صاحبزادہ ہارون رشید، باجوڑ ایجنسی
45- جناب محمد نور الحق قادری، پشاور
46- مولانا خلیل الرحمٰن آفریدی، خیبر ایجنسی
47- ڈاکٹر نسیم گل آفریدی، کوہاٹ

اسلام آباد

48- میاں محمد اسلم، اسلام آباد
49- سید نیر حسین بخاری، اسلام آباد

پنجاب

50- جناب غلام مرتضیٰ سیٹھی، راولپنڈی
51- راجہ پرویز اشرف، اسلام آباد
52- چوہدری نثار علی خان، راولپنڈی
53- جناب غلام سرور خان، راولپنڈی
54- جناب زمرد خان ایڈووکیٹ، راولپنڈی
55- شیخ رشید احمد، راولپنڈی
56- محمد حنیف عباسی، راولپنڈی
57- ملک امین اسلم خان، اٹک
58- ملک اللہ یار خان، اٹک
59- جناب شوکت عزیز، اسلام آباد
60- میجر (ر) طاہر اقبال، اسلام آباد
61- جناب محمد فیض تمان، راولپنڈی
62- چوہدری شہباز حسین، جہلم
63- راجہ محمد اسد خان، جہلم
64- جناب انعام الحق پراچہ، سرگودھا
65- چوہدری غیاث احمد میلا، سرگودھا
66- جناب تسنیم احمد قریشی، سرگودھا
67- چوہدری انور علی چیمہ، سرگودھا
68- جناب مظہر احمد قریشی، سرگودھا
69- مس سمیرا ملک، اسلام آباد

70- ملک محمد سیف اللہ ٹوانہ، خوشاب
71- جناب عمران خان، اسلام آباد
72- ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی، میانوالی
73- جناب محمد ثناء اللہ خان مستی خیل، بھکر
74- جناب راشد اکبر خان، بھکر
75- لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام رسول ساہی، لاہور کینٹ
76- جناب محمد وصی ظفر، لاہور
77- چوہدری محمد عاصم نذیر، فیصل آباد
78- جناب رجب علی خان بلوچ، فیصل آباد
79- جناب محمد صفدر شاکر، فیصل آباد
80- رانا آصف توصیف، فیصل آباد
81- ڈاکٹر نثار احمد، فیصل آباد
82- صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم، فیصل آباد
83- جناب مشتاق علی چیمہ، فیصل آباد
84- چوہدری عابد شیر علی، فیصل آباد
85- راجہ نادر پرویز خان، فیصل آباد
86- جناب محمد طاہر شاہ، لاہور کینٹ
87- ایم ایس ٹی۔ غلام بی بی بھروانہ، جھنگ
88- مخدوم سید فیصل صالح حیات، اسلام آباد
89- شیخ وقاص اکرم، سردار
90- ایم ایس ٹی، صائمہ اختر، لاہور کینٹ
91- صاحبزادہ محمد محبوب سلطان، جھنگ
92- جناب امجد علی وڑائچ، ٹی ٹی سنگھ
93- میاں محمد فرحان لطیف، فیصل آباد
94- جناب ریاض فتیانہ، لاہور
95- چوہدری عمران اللہ ایڈووکیٹ، گوجرانوالہ
96- قاضی حمید اللہ خان، گوجرانوالہ
97- چوہدری شاہد اکرم بھنڈر، گوجرانوالہ
98- جناب امتیاز صفدر وڑائچ، گوجرانوالہ
99- رانا عمر نذیر احمد خان، گوجرانوالہ
100- چوہدری بلال اعجاز، گوجرانوالہ
101- جناب حامد ناصر چٹھہ، گوجرانوالہ
102- چوہدری مہدی حسین بھٹی، حافظ آباد
103- چوہدری لیاقت عباس بھٹی، حافظ آباد
104- چوہدری وجاہت حسین، گجرات
105- چوہدری شجاعت حسین، گجرات
106- چوہدری قمر زمان کائرہ، گجرات
107- جناب رحمٰن نصیر، کھیران
108- جناب اعجاز احمد چوہدری، اسلام آباد
109- میجر (ر) ذوالفقار علی گوندل، لاہور کینٹ
110- خواجہ محمد آصف، سیالکوٹ
111- چوہدری عامر حسین، لاہور
112- جناب عمر احمد گھمن، لاہور کینٹ
113- جناب علی اسجد ملہی، لاہور
114- جناب زاہد حامد، سیالکوٹ
115- جناب محمد ناصر خان، لاہور
116- جناب دانیال عزیز چوہدری، اسلام آباد
117- جناب رفعت جاوید خالون، لاہور کینٹ

118- حافظ سلمان بٹ، لاہور

119- خواجہ سعد رفیق، لاہور

120- جناب محمد پرویز ملک، لاہور

121- ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، لاہور

122- سردار ایاز صادق، لاہور

123- مخدوم محمد جاوید ہاشمی، ملتان

124- جناب اعزاز احسن، لاہور

125- جناب ہمایوں اختر خان، لاہور

126- جناب لیاقت بلوچ، لاہور

127- ڈاکٹر محمد طاہر القادری، لاہور

128- ملک ظہیر عباس کھوکھر، لاہور

129- میجر (ر) حبیب اللہ وڑائچ، لاہور

130- جناب ثمینہ خالد گھرکی، لاہور

131- بریگیڈیئر (ر) ذوالفقار احمد ڈھلون، لاہور

132- صاحبزادہ میاں جلیل احمد، شیخوپورہ

133- جناب محمد سعید ورک، شیخوپورہ

134- جناب خرم منور منج، شیخوپورہ

135- میاں شمیم حیدر، لاہور

136- جناب بلال احمد ورک، شیخوپورہ

137- رائے منصب علی خان، شیخوپورہ

138- سردار طفیل احمد خان، سکھر

139- چوہدری منظور احمد، قصور

140- میاں خورشید محمود قصوری، لاہور

141- سردار محمد آصف نکئی، لاہور کینٹ

142- سردار طالب حسین نکئی، لاہور

143- رائے محمد اسلم کھرل، اوکاڑہ

144- رائے سکندر اقبال، اوکاڑہ

145- سید گلزار سبطین شاہ، اوکاڑہ

146- رائے محمد اجمل خان، لاہور

147- ایم ایس ٹی روبینہ شاہین وٹو، اوکاڑہ

148- مخدوم شاہ محمود حسین قریشی، ملتان

149- ملک لیاقت علی ڈوگر، ملتان

150- رانا محمود الحسین، ملتان

151- جناب سکندر حیات خان بوسن، ملتان

152- سید اسد مرتضٰی گیلانی، ملتان

153- دیوان سید جعفر حسین بخاری، لاہور کینٹ

154- نواب امان اللہ خان، لودھراں

155- جناب محمد اختر خان کانجو، لودھراں

156- جناب محمد رازا حیات ہراج، ملتان

157- جناب حامد یار ہراج، لاہور کینٹ

158- پیر محمد اسلم بودھلہ، میاں چنوں

159- جناب غلام مرتضٰی میٹلا، خانیوال

160- چوہدری نوریز شکور خان، ساہیوال

161- رانا طاہر جاوید، ساہیوال

162- رائے عزیز اللہ خان، لاہور

163- جناب سعید احمد چوہدری، ساہیوال

164- پیر محمد شاہ گھگہ، لاہور

165- جناب احمد رضا مانیکا، لاہور

166- ڈاکٹر جنید ممتاز جویا، پاکپتن شریف

167- چوہدری نذیر احمد جٹ، وہاڑی

168- جناب اسحٰق خان خاکوانی، لاہور

169- جناب آفتاب احمد خان کھچی، لاہور

170- جناب اظہر احمد خان یوسف زئی، وہاڑی

171- خواجہ شیراز محمود، ملتان

172- سردار فاروق احمد خان لغاری، ڈیرہ غازی خان

173- جناب اویس احمد خان لغاری، اسلام آباد

174- سردار محمد جعفر خان، لغاری، ڈیرہ غازی خان

175- سردار محمد نصر اللہ خان دریشک، لاہور

176- جناب خالدہ محسن علی قریشی، مظفر گڑھ

177- مس حنا ربانی کھر ل، لاہور

178- انجینئر محمد شاہد جمیل قریشی، مظفر گڑھ

179- مخدوم زادہ باسط بخاری، ملتان

180- جناب عبدالقیوم خان جتوئی، مظفر گڑھ

181- سردار بہادر احمد خان سہار، لیہ

182- ملک نیاز احمد جکھر، لیہ

183- مخدوم سید علی حسن گیلانی، بہاولپور

184- جناب عامر یار ملک، بہاولپور

185- جناب محمد فاروق اعظم ملک، بہاولپور

186- میاں ریاض حسین پیرزادہ، بہاولپور

187- سید تسنیم نواز گردیزی، بہاولپور

188- سید محمد اصغر شاہ، بہاولپور

189- میاں ممتاز مٹیانہ، بہاولنگر

190- جناب طاہر بشیر چیمہ، بہاولنگر

191- جناب محمد اعجاز الحق، راولپنڈی

192- مخدوم سید احمد اسلم انور، رحیم یار خان

193- میجر (ر) تنویر حسین سید (ایس جے)، رحیم یار خان

194- مخدوم خسرو بختیار، رحیم یار خان

195- جناب جہانگیر خان ترین، لاہور

196- چوہدری ظفر اقبال وڑائچ، کراچی

197- سردار رئیس منیر احمد

سندھ

198- سید خورشید احمد شاہ، سکھر

199- جناب عبدالمجید پیرزادہ، کراچی

200- جناب خالد احمد خان لنڈا، گوٹکی

201- جناب علی نواز مہر، گھوٹکی

202- جناب محمد ابراہیم جتوئی، سندھ

203- جناب غوث بخش خان مہر، شیخوپورہ

204- جناب محمد انور بوگیو، لاڑکانہ

205- جناب حزب اللہ بوگیو، لاڑکانہ

206- جناب خالد اقبال میمن، لاڑکانہ

207- جناب شاہد حسین بھٹو، لاڑکانہ سٹی

208- میر اعجاز حسین جاکھرانی، جیکب آباد

209- جناب خضر خان بجرانی، کراچی

210- سردار سلیم خان مزاری، کراچی

211- ڈاکٹر عبدالغفور خان جتوئی، کراچی

212- سید ظفر علی شاہ، سندھ
213- ڈاکٹر عذرا فضل پیچوہو، کراچی
214- سید غلام مصطفیٰ شاہ، کراچی
215- جناب منظور حسین وسان، کراچی
216- سید جاوید علی شاہ جیلانی، خیر پور
217- پیر سید فضل علی شاہ جیلانی، خیر پور
218- مخدوم محمد امین فہیم، کراچی
219- پروفیسر خالد وہاب، حیدر آباد
220- ڈاکٹر صاحبزادہ عبدالخیر محمد زبیر، حیدر آباد
221- سید عامر علی شاہ، حیدر آباد
222- سید نوید قمر، کراچی
223- مسز، شمشاد ستار باچانی، کراچی
224- جناب غلام علی نظامانی، کراچی
225- ڈاکٹر فہمیدہ مرزا، کراچی
226- پیر آفتاب حسین شاہ جیلانی، سندھ
227- سید قربان علی شاہ، سندھ
228- نواب محمد یوسف تالپور، کراچی
229- ارباب زکاء اللہ، میر پور خاص
230- جناب غلام حیدر سمیجو، میر پور خاص
231- نواب عبدالغنی تالپور، حیدر آباد
232- جناب رفیق احمد جمالی، دادو سندھ
233- جناب لیاقت علی جتوئی، دادو
234- حاجی خدا بخش نظامانی، سندھ
235- قاضی عبدالقدوس راجر، سنگھار
236- جناب لیاقت علی مری، سنگھار
237- سید ایاز علی شاہ شیرزای، ٹھٹھہ
238- حاجی محمد علی مالکانی، ٹھٹھہ
239- حکیم قاری گل رحمان، کراچی
240- جناب عابد علی امنگ، کراچی
241- جناب لئیق خان، کراچی
242- ڈاکٹر عبدالقدیر خانزادہ، کراچی
243- جناب عبدالوسیم، کراچی
244- سید حیدر عباس رضوی، کراچی
245- کنور خالد یونس، کراچی
246- جناب نثار احمد پناہوار، کراچی
247- جناب اسرار العباد خان، کراچی
248- جناب نبیل احمد گبول، کراچی
249- ڈاکٹر عامر لیاقت حسین، کراچی
250- جناب عبدالستار افغانی، کراچی
251- سید صفوان اللہ، کراچی
252- جناب محمد حسین میہانتی، کراچی
253- جناب اسداللہ بھٹو، کراچی
254- نواب مرزا ایڈووکیٹ، حیدر آباد
255- ڈاکٹر محمد فاروق ستار، کراچی
256- جناب اقبال محمد علی خان، کراچی
257- جناب محمد شمیم صدیقی، کراچی
258- جناب شیر محمد بلوچ، کراچی

بلوچستان

259- مولوی نور محمد، کوئٹہ
260- حافظ حسین احمد، کوئٹہ
261- حاجی گل محمد دمار، فیصل آباد
262- جناب محمد خان، اچکزئی، کوئٹہ
263- سردار محمد یعقوب خان ناصر، کوئٹہ
264- مولانا محمد خان شیرانی، ژوب
265- میر حیدر بگٹی، بلوچستان
266- میر ظفر اللہ خان جمالی، بلوچستان
267- سردار یار محمد رند، بلوچستان
268- مولانا عبدالغفور حیدری، قلات
269- جناب عبدالرؤف مینگل، بلوچستان
270- السید عبدال قادر جمال الدین الگیلانی، کراچی
271- مولانا رحمت اللہ بلوچ، بلوچستان
272- مسز زبیدہ جلال، اسلام آباد

خواتین کے لیے مخصوص نشستیں (پنجاب)

273- مسز مہناز رفیع، لاہور
274- ڈاکٹر ہجرا طارق عزیز، لاہور
275- تنزیلہ عامر چیمہ، لاہور
276- ڈاکٹر دانیہ عزیز، اسلام آباد
277- کشمالہ طارق، لاہور
278- ڈاکٹر سائرہ طارق، اسلام آباد
279- جناب رفعت امجد، اسلام آباد
280- ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ، لاہور
281- جناب بشریٰ رحمٰن، لاہور
282- فرزین احمد سرفراز، لاہور
283- شہزادی عمر زادی ٹوانہ، لاہور کینٹ
284- راحیلہ یحییٰ منور، اسلام آباد
285- پروفیسر عائشہ عظیم، اسلام آباد
286- ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان، سیالکوٹ کینٹ
287- بیگم تہمینہ دستی، لاہور
288- اونازہ احسان، لاہور
289- بشریٰ انور سپرا، لاہور
290- ڈاکٹر روزینہ طفیل، لاہور
291- مسز طاہرہ آصف، لاہور
292- ناہید خان، کراچی
293- مسز بیلم حسنین، لاہور
294- مسز شکیلہ خانم، رشید، لاہور
295- فوزیہ حبیب، راولپنڈی
296- مس مہرین انور راجہ، لاہور
297- مسز یاسمین رحمان، لاہور
298- بیگم شہناز شیخ، لاہور
299- رخسانہ بنگش، اسلام آباد
300- مسز نسیم اختر چوہدری، ملتان
301- مسز ثمینہ راحیل قاضی، لاہور
302- میمونہ ہاشمی، ملتان
303- بیگم عشرت اشرف، اسلام آباد
304- مسز تہمینہ دولتانہ، لاہور
305- بیگم ریحانہ علیم مشہدی، لاہور
306- مسز مینہ احسان لغاری، ڈیرہ غازی خان

307- آئیلہ ملک، اسلام آباد

خواتین کے لیے مخصوص نشستیں (سندھ)

308- فائزہ جونیجو، اسلام آباد
309- شیری رحمٰن، کراچی
310- مسز رقیہ خانم سرمرو، لاڑکانہ
311- فوزیہ وہاب، کراچی
312- روبینہ سادات قائمخانی، کراچی
313- نفیسہ منور راجا، کراچی
314- مس شگفتہ جمانی، کلفٹن
315- ڈاکٹر فریدہ احمد، کراچی
316- مس عائشہ منورہ، کراچی
317- شمیم اختر، حیدرآباد
318- افسر بیگم، کراچی
319- شبینہ طلعت، کراچی
320- گلِ فرخندہ، کراچی
321- میڈم خورشید افغان، سندھ

شمال مغربی فرنٹیئر صوبہ

322- مسز زیب گوہر ایوب، اسلام آباد
323- سیدہ فرحانہ خالد بنوری، پشاور
324- رضیہ عزیز، پشاور
325- نیر سلطانہ، اسلام آباد
326- مسز جمیلہ احمد، سوات
327- مسز امبرین نعیم، پشاور
328- عنایت بیگم، پشاور
329- مسز شاہدہ اختر علی، پشاور کینٹ

بلوچستان

330- ڈاکٹر نور جہاں پانیزہ، کوئٹہ
331- عمرانہ خاور، کوئٹہ
332- بلقیس سیف، کوئٹہ کینٹ

غیر مسلموں کے لیے مخصوص نشستیں

333- جناب اکرم مسیح گل، لاہور
334- چوہدری ہارون قیصر، سرگودھا
335- انجینئر گیان چاند سنگھ، سوات
336- مسز ایم پی بھندرا، راولپنڈی
337- پروفیسر مشتاق وکٹر، فیصل آباد
338- جناب رمیش لعل، لاڑکانہ
339- جناب پرویز مسیح، پشاور
340- مسز عائشہ ناصر، کوئٹہ
341- جناب کرشن بھیل ایڈووکیٹ، سنگھر
342- جناب دیو داس، سنگھر

قانونِ تحفّظِ ناموسِ رسالت ﷺ

قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کی مکمل کارروائی

محمد متین خالد

- تاریخ کے نازک اور اہم لمحات کی ایسی روداد جسے پڑھتے ہوئے ہر قاری پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے، گویا وہ قومی اسمبلی میں بیٹھا براہ راست خود یہ کارروائی دیکھ رہا ہے۔
- قومی اسمبلی میں قانون توہین رسالت ﷺ منظور کیے جانے کے موقع پر کس نے کیا کہا، کس نے حمایت کی، کس نے مخالفت کی، کس نے مجرمانہ خاموشی اختیار کی، تمام پوشیدہ حقائق بے نقاب ہوتے ہیں۔
- ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ کے موضوع پر نادر و نایاب اور علمی و تحقیقی مضامین کا خوبصورت انتخاب جس کا مطالعہ نہ صرف آپ کی بصارت و بصیرت کو ایک نئی جلا بخشے گا بلکہ آپ کو اس نوع کی تمام کتب سے بے نیاز کر دے گا۔

معروف کالم نگار و اینکر پرسن جناب غلام نبی مدنی اور وکیل تحفظ ناموس رسالت ﷺ جناب محمد نوید شاہین (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ) کی گرانقدر اور فکر انگیز تقاریظ کے ساتھ

لمحہ بہ لمحہ چشم کشا حقائق و واقعات ...... پہلی بار منظر عام پر
ایک ایسی قومی و تاریخی دستاویز جس کا مدتوں سے انتظار تھا
پڑھیے اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے آگے بڑھیے!

ILM-O-IRFAN PUBLISHERS

Al-Hamd Market 40-Urdu Bazar Lahore.
37223584'37232336'37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers1@gmail.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

65CCA, Phase IV, D.H.A Lahore.
0331-4100827 | 0333-4067757
www.ilmoirfanpublishers.com
yasirfaraz94@gmail.com
Urduilmoadab | Lahorebookcity